موت کی وادی
ایم الیاس

دیباچہ

نیکی اور بدی کے درمیان روز اوّل سے کشمکش جاری ہے۔ اور اسی کشمکش کے نتیجے میں لاکھوں کہانیاں اور واقعات جنم لے چکے ہیں، لے رہے ہیں اور لیتے رہیں گے۔ جن سے انسانوں کے سینے اور تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

اسی ازلی سلسلے سے منتخب شدہ زیرِ نظر کہانی منظرِ عام پر لائی جا رہی ہے۔ مذکورہ داستان انسانی جذبات کے اتار چڑھاؤ کا ایک دل آویز مرقع ہے۔ جس میں انسانی نفسیات کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جرائم کی ایک بہت بڑی تنظیم کے ایک فعال اور اہم رکن نے تنظیم کی سیاہ کاریوں سے منہ موڑ کر جب زندگی کو پورے خلوص اور حسن کے ساتھ اپنانا چاہا تو ایک زمانہ اُس کے خون کا پیاسا ہو گیا، جس کے نتیجے میں اُسے فرار ہونا پڑا۔

گردشِ حالات نے اُسے ایک ایسے جزیرے تک محدود کر دیا جس کے چاروں طرف سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس جزیرے سے نہ تو نکلنے کا کوئی تصور تھا اور نہ زندہ رہنے کے لئے ضروریاتِ زندگی کا کوئی وجود تھا۔

تجسّس سے بھرپور اس کہانی کی دلچسپیاں اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہیں جب اس قاتل اور ویران جزیرے پر اُسے ایک نوجوان اور حسن جہاں سوز رکھنے والی ایک دوشیزہ کا سراغ ملتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ اس ویران جزیرے پر کوئی ذی نفس موجود نہ تھا۔ ان دونوں کے شب و روز فطرت کے تقاضے، جوانی کے مطالبے اور نیکی کی پاسداری کے جذبے نے تحریر کو جادو اثر بنا دیا ہے۔ یہ کہانی کا وہ نازک موڑ ہے جس سے مصنف بڑی مہارت سے سرخرو ہوا ہے۔ اور پھر بالآخر وہ وقت بھی آ جاتا ہے جب اُس کے دشمن بھی اس جزیرے تک پہنچ جاتے ہیں۔

سطر سطر تجسّس جگاتی یہ شاہکار کہانی، روایتی خلوص و محبت کے ساتھ نذرِ قارئین کی جا رہی ہے۔

محمد علی قریشی

جب میں نے گاڑی سونا میاں کے مکان کے سامنے روکی تو اس وقت بارہ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ سنسان رات کا اندھیرا تھا اور بادل یوں برس رہے تھ جیسے مرگِ ناگہانی پر چپکے چپکے رونے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ میں نے گاڑی کا انجن بند کر کے گھر کی کھڑکی کو دیکھا۔ روشنی کے پس منظر میں کھڑکی کے شیشوں پر دکھائی دینے والا منجمد سایہ ایک مرد کا تھا۔ میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ جانو تھا۔ جب بھی کسی کو کاکا میاں موت کی نیند سلانے کا فیصلہ کر لیتا تو وہ جانو کو فرشتۂ اجل بنا کر بھیجتا تھا۔ وہ ایک بے رحم اور سفاک ترین پیشہ ور قاتل تھا، ایک قصائی جس کے دل میں جانور کے لئے رحم کا کوئی گوشہ نہیں ہوتا۔ یہ شقی القلب، آدمی پر رحم نہیں کھاتا تھا، اُسے قربانی کے جانور کی طرح ذبح کر دیتا تھا۔

مجھے یہاں پہنچنے میں بارش کی وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔ میری گاڑی راستے میں بند نہ ہو گئی ہوتی تو میں یہاں پہنچ کر سونا میاں کو نکال کر لے جاتا۔ میں نے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی اور گلی کے نکڑ پر درخت کے نیچے کھڑی کر دی اور اس کی بتیاں گل کر دیں۔

کچھ دیر بعد جانو، گھر سے باہر نکلا۔ اُس نے برساتی پہن رکھی تھی اور اُس کے سر پر ہیٹ تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ برساتی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مخالف سمت چل پڑا۔ کچھ فاصلے پر اُس کی موٹر سائیکل ایک دُکان کے باہر کھڑکی کے چھجے کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ اُس پر بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کیا اور تیزی سے روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر گاڑی سونا میاں کے مکان کے سامنے لے جا کر روک دی اور چند لمحوں کے بعد میں اُس کے مکان میں داخل ہوا۔ میں اندر والے کمرے کی دہلیز پر ٹھٹھک کے رُک گیا۔ کمرے میں ہر طرف ہلاکت خیزی اور تباہ کاری کے آثار نمایاں تھے۔ میز کی درازوں اور الماریوں کے سب خانوں سے ہر چیز نکال کر باہر پھینک دی گئی تھی۔ تکیے اور کشن بے دردی سے پھاڑ دیئے گئے تھے اور تمام کتابیں شیلف سمیت فرش پر

ڈال دی گئی تھیں۔ اس کمرے کو شہرِ مفتوح کی طرح تاخت و تاراج کر جانے والا اپنی فتح و نصرت کا نشان ایک مسخ شدہ لاش کی صورت میں چھوڑ گیا تھا۔ نحیف و نزار اور بوڑھے جسم کے ہر زخم سے رِسنے والا خون، پُر تشدد اور اذیت ناک موت کی تحریر بن کر نیلے قالین پر پھیل گیا تھا۔ اُس کی بے نور آنکھیں اب بھی نفرت اور حقارت سے اُس خالی کرسی پر جمی ہوئی تھیں جہاں شاید اجل کا کوئی نامہ بر اُس سے آخری بار یہ پوچھنے کے لئے بیٹھا تھا، وہ اپنی زندگی کی حفاظت چاہتا ہے یا اُس راز کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے جو زندگی کے ہم پلہ ہے؟

میں سونا میاں کو جانتا تھا...... وہ کاکا میاں کے گروہ کا سب سے پرانا، قدیم اور معمر کارکن تھا۔ اُس نے کئی بار مجھ سے کہا تھا۔ ''انیس! وقت کا ہر لمحہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ زندگی وہ اچھی ہوتی ہے جو عزت کی ہو۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ میری موت کی خبر سن کر دنیا والے کہیں کہ ایک جرائم پیشہ، ظالم اور بے ضمیر شخص مر گیا۔ لوگ میری قبر پر مٹی بھی نہ ڈالیں۔ میں اب اپنے گناہوں اور جرائم کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں تاکہ مرتے وقت میرے سینے میں کوئی خلش نہ رہے۔''

میں نے پوچھا تھا۔ ''یہ کفارہ کس طرح ادا کرو گے؟''

''میں کاکا میاں کے راز قانون کے حوالے کر دُوں......''

''کاکا میاں ایک طاقتور اور بااثر شخص ہے۔ نیچے سے اُوپر تک لوگ اُس کے ٹکڑوں پر پل رہے ہیں۔ اس بات کی اُسے خبر ہو جائے گی۔''

''پرواہ نہیں۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے کہ اس دیش سے اس غلاظت کو صاف کیا جائے، ورنہ انسانیت کا نام و نشان نہیں رہے گا۔''

''یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جیسا کہ تم سوچ رہے ہو۔''

''میں اس کا آغاز کر رہا ہوں۔ اگر میں کسی وجہ سے ناکام ہو گیا تو تم اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا۔''

''کون، میں ......؟ نہیں سونا میاں! میں شاید تمہارا مشن آگے نہ بڑھا سکوں۔''

''میں ستر برس کا ہو چکا ہوں، بیمار رہنے لگا ہوں۔ میرے لئے زندگی کی مہلت یوں بھی تمام ہو رہی ہے۔ مگر تم ابھی جوان ہو، باہمت ہو، ذہین ہو۔ یہ کام میرے بعد تمہیں کرنا ہے۔ اور دیکھو...... جس صبح کا آفتاب میری زندگی کا چراغ گل ہو جانے کے بعد طلوع ہو،

اس شب کے اندھیرے کی پناہ کو غنیمت سمجھنا اور دیش سے کچھ عرصے کے لئے اتنی دُور چلے جانا کہ دستِ قاتل کی رسائی تمہاری زندگی تک نہ ہو سکے۔''

میں نے سونا میاں سے کہا تھا کہ وہ جلد بازی نہ کرے۔ ہر کسی کو اعتماد میں نہ لے۔ ان پیشہ ور مجرموں اور قاتلوں پر بھروسہ کرنا دراصل اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ لیکن سونا میاں نے میری بات نہیں مانی، ایک نہ سنی۔ معلوم نہیں اُس نے کس کو اپنے اعتماد میں لیا؟ کاکا میاں نے مجھ سے کہا تھا کہ...... سونا میاں غداری کرنے پر تل گیا ہے۔ اُس کی سزا موت ہے۔ اگر وہ بوڑھا نہ ہو گیا ہوتا تو میں اُسے زندہ شکاری کتوں کے آگے ڈال دیتا۔ اب وہ صرف ایک دن کا مہمان ہے۔

مجھے سونا میاں سے بہت محبت، ہمدردی، اُنس اور احترام اس لئے تھا کہ اُس نے مجھ سے ایک سگے بیٹے کی طرح سلوک کیا۔ کبھی کوئی ایسے کام نہیں سونپے جو خون خرابے، دہشت گردی اور سنگین نوعیت کے ہوں۔ یوں تو مجھے ہر طرح کی تربیت دی تھی۔ میں چاقو زنی کا ماہر تھا، کسی بھی بدمعاش سے مقابلہ کر کے اُسے موت کے منہ میں پہنچا سکتا تھا۔ ہر قسم کے اسلحے کا استعمال بھی جانتا تھا۔ لیکن وہ مجھ سے زیادہ تر اسمگلنگ کا کام لیتا تھا۔

اُس کی محبت، ہمدردی اور خلوص کی وجہ یہ تھی کہ وہ میرے باپ کا بچپن کا دوست اور محلے دار تھا۔ میرا باپ سائیکل رکشہ چلاتا تھا، باپ کی موت کے بعد میں تنہا رہ گیا اور اپنی مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ جب ماں کا انتقال ہوا، اُس وقت میں دس برس کا تھا۔ بنگلہ دیش کی آبادی اور بیروزگاری میں بہت اضافہ ہو گیا تھا بلکہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایسا کوئی کام نہیں مل رہا تھا جس سے میں دو وقت روٹی پیٹ بھر کے کھا سکوں۔ پھر سونا میاں نے مجھے کاکا میاں کے گروہ میں شمولیت اختیار کرنے پر راضی کیا۔ میں کوئی دس برس سے سونا میاں کی محبت کی گھنی چھاؤں میں تھا۔ اُسی کی بدولت میں کاکا میاں کے قریبی اور پُر اعتماد کارکنوں میں سے ہو گیا تھا کیونکہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی بددیانتی کی تھی۔

اب اس لمحے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں کڑی دُھوپ میں کھڑا جل رہا ہوں اور اب شب کے ویران ماتمی اندھیرے میں کاکا میاں کے پالتو پیشہ ور قاتلوں کی آنکھیں ہر سمت سے مجھے اپنی طرف دیکھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ فضا کا ہولناک سکوت ایک سرگوشی بن گیا تھا جس کی بازگشت ہر سمت سے پکارتی تھی کہ موت میرے گرد اپنا حصار قائم کر رہی ہے۔ میں نے سونا میاں کی شکستہ لاش کو دیکھا اور مجھے ایسا لگا جیسے کھلی آنکھوں کی التجا کو بے

اثر دیکھ کر مُردہ لبوں نے مجھے پکارا ہے۔ میرے کانوں میں سونا میاں کی آشنا آواز کہیں دُور سے آئی۔ ''انیس...... ! مجھے تمہارے آنسوؤں کی نہیں بلکہ تمہارے عزم و حوصلے کی ضرورت ہے۔ میرے مشن کی یہ امانت اب تمہارا ورثہ ہے۔''

مجھے یکلخت جیسے ہوش آ گیا۔ میں نے سونا میاں کی لاش کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ کر سونا میاں کی کھلی آنکھوں کو بند کیا۔ پھر میں وہاں سے اپنے گھر چلا آیا۔ میں اس بات کی اطلاع کسی کو دینا نہیں چاہتا تھا۔ انجان بنے رہنے میں میری بہتری اور سلامتی تھی۔ کاکا میاں کیا، اس گروہ کا ہر شخص جانتا تھا کہ سونا میاں کی باپ کی سی شفقت صرف میرے لئے مخصوص تھی۔

□......□
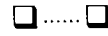
سونا میاں کی موت کے دس دن کے بعد کاکا میاں نے مجھے طلب کیا۔ پھر اُس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تمہاری صلاحیتوں کا امتحان لوں۔ تم دس برس سے میرے ساتھ ہو، مگر تم نے آج تک ایک مرغی بھی ذبح نہیں کی...... اب تمہیں ایک شخص کو ذبح کرنا ہوگا۔''

میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ دل اُچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ ''کسے......؟'' میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''خوندکر محمد ایاز کو......'' کاکا میاں نے بڑی بے پروائی سے کہا۔

''کیا......؟'' مجھ پر کوئی بجلی سی آ گری...... مجھے اپنی سماعت پر فتور کا احساس ہوا۔

''ہاں، اُس شخص کو......'' کاکا میاں نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ میں اُس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا، نظریں نیچی کر لیں۔ اُس نے کہا۔ ''تم اُچھل کیوں پڑے......؟ تمہیں حیرت کس لئے ہو رہی ہے؟''

''خوندکر صاحب مشہور و معروف سماجی کارکن ہیں۔ اُن کا تعلق کسی سیاسی جماعت یا گروہ سے نہیں ہے۔ نہ کبھی اُنہوں نے ہماری تنظیم کے خلاف کوئی کام کیا، نہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ غریبوں اور انسانیت کی بقاء کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔''

''تم تو اُن کے بارے میں بہت معلومات رکھتے ہو؟'' اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اُن کے بارے میں تو بنگلہ دیش کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ میں بھی اُن کے بارے میں

بہت کچھ سنتا رہتا ہوں۔''

''کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ پولیس انسپکٹر عبدالواحد کا بڑا بھائی ہے؟'' کاکا میاں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ انسپکٹر عبدالواحد جو ڈھاکہ سے تبادلہ کرا کے آیا ہے اور اُس نے ہمارے تین آدمیوں کو حوالات میں بند کیا ہوا ہے؟''

''ہاں...... یہ اُس کا بھائی ہے۔'' کاکا میاں نے زہرخند لہجے میں کہا۔ ''اُس نے ہمارے تین آدمیوں پر تشدد کر کے زبان کھولنے پر مجبور کیا لیکن اُنہوں نے زبان نہیں کھولی۔ وہ ہماری تنظیم کا قلع قمع کرنا چاہتا ہے۔ اُسے میرے خلاف ثبوت نہیں مل رہا ہے، نہ وہ ہمارے اڈوں کا پتہ چلا سکا ہے اور نہ ہی اُس کے پاس ہمارے ممبروں کی فہرست ہے۔ وہ اس لئے ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکا کہ میرا با اثر ہونا آڑے آ رہا ہے۔ میری پہنچ نہ ہوتی تو اب تک ہم سب اندر ہوتے۔''

''آپ اُس کا تبادلہ کیوں نہیں کروا دیتے......؟'' میں نے مشورہ دیا۔

''اُس کا تین ماہ تک تبادلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ بہت اُوپر سے آیا ہے صرف ہماری تنظیم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے۔ وہ جس طرح کی منصوبہ سازی ہمارے خلاف کر رہا ہے اس کی وجہ سے دو تین ہفتے میں اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''باس! کیا آپ نے اُس کے آگے چارہ نہیں ڈالا جیسا کہ آپ ہمیشہ دریا دِلی کا مظاہرہ کرتے ہیں؟''

''میں نے اُسے کل ایک کروڑ ٹاکہ...... ڈھاکہ میں گلشن کے علاقے میں چار سو گز پر بنی ہوئی کوٹھی کی پیشکش کی۔ لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا۔ چونکہ وہ اپنے بڑے بھائی اور بھابھی کو بہت چاہتا ہے، اُنہیں ماں باپ کا درجہ دیتا ہے اس لئے میں نے اُس کی محبت کی دولت سدا کے لئے چھین لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ بس اسی طرح وہ راہِ راست پر آ سکتا ہے۔''

''پھر بھی اُس نے ہٹ دھرمی کا دامن نہیں چھوڑا اور اپنے اصول پر قائم رہا تو......؟''

''پھر اُسے اس دنیا سے رخصت کر دینا تمہاری ذمہ داری ہوگی۔ میں ابھی اُسے راستے سے نہیں ہٹا رہا ہوں کہ اُس کے دل پر پہلے ایک گھاؤ لگے۔ اب تم جاؤ! خوندکر کے قتل کا منصوبہ دو دن میں بنا کر میرے سامنے پیش کرو تاکہ میں تمہاری مدد کے لئے جانو اور خیرو کو بھی ساتھ کر دوں۔'' کاکا نے کہا۔

میں اُس رات ایک پل کے لئے سو نہ سکا۔ اگر کاکا میاں مجھ سے کہتا کہ تم خودکشی کرلوتو شاید میں کر لیتا۔ لیکن میں خوندکر ایاز صاحب کے قتل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک عظیم اور بے مثال شخص تھا جو بے غرض اور مخلص تھا اور انسانیت کی بھلائی کے لئے کوشاں تھا۔ وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا تھا۔ ایک بے تاج بادشاہ تھا۔ اگر وہ لوگوں کو حکم دے کہ گھروں سے نکل آؤ اور حکومت کا تختہ اُلٹ دو تو لوگ اسی لمحے نکل آئیں۔ لوگ اُسے کسی دیوتا کی طرح پوجتے تھے۔ اُس کی نظر میں ہر شخص جس کا تعلق کسی بھی رنگ و نسل اور مذہب سے ہو، برابر تھا۔ وہ سیاست اور حکومت سے بہت دُور تھا۔

انسپکٹر عبدالواحد نے جب سے چٹاگانگ آ کر چارج سنبھالا تھا تب سے ہمارے گروہ کی سرگرمیاں قدرے متاثر ہوگئی تھیں۔ اس بات نے کاکا میاں کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ انسپکٹر عبدالواحد مجرموں کے لئے بڑا سخت تھا۔ وہ ایک فرض شناس، دیانتدار اور بااصول افسر تھا۔

پھر میرے کانوں میں کہیں دُور سے سونا میاں کی آشنا آواز سنائی دی...... تم کیا سوچ رہے ہو...... کاکا میاں پر قانون نے کمند ڈال دی اور اُس کے گروہ کا قلع قمع ہوگیا تو اس دیش پر تمہارا بھی احسان ہوگا۔ تمہیں انسانیت کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگانا ہوگی۔ اس نیک کام میں دیر نہ کرنا!

□......□

اب دنیا بہت بدل گئی تھی اور برق رفتاری سے بدلتی جارہی تھی۔ پہلے مافیا کا کوئی پتہ اور نام ونشان نہ تھا۔ لیکن دنیا میں اب ایسا کوئی خطہ یا ملک نہیں رہا تھا جہاں کوئی مافیا نہ ہو۔ بنگلہ دیش میں کاکا میاں کی بھی ایک مافیا تھی۔ کون سا شعبہ ایسا تھا جس میں اُس کی شاخیں نہ ہوں۔ سیاست، صنعت، منشیات اور اسمگلنگ کا وہ بے تاج بادشاہ بنا ہوا تھا۔ اُس کے پاس لانچیں، اسٹیمر، ہیلی کاپٹر اور چھوٹے طیارے موجود تھے۔ بظاہر وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا لیکن پس پردہ وہ ایک مافیا اور دہشت گرد بھی تھا۔ جس سے عام لوگ بہت پریشان تھے۔

میں نے کاکا میاں کے نہ صرف اڈوں کی بلکہ اُس گروہ کے ممبروں کی ایک فہرست انسپکٹر عبدالواحد کے حوالے کر دی۔ میں بہروپ بھر کر رات کے وقت اُس کے ہاں پہنچا تھا۔ انسپکٹر عبدالواحد بہت خوش ہوا۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ کاکا میاں پر فوری طور پر ہاتھ

ڈالنا اور گروہ کا قلع قمع کرنا آسان نہیں ہے، اس میں کچھ وقت درکار ہے۔

دوسرے دن رات کے تین بجے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی نیند سے پیاس کی وجہ سے بیدار ہوا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو یقین نہیں آیا۔ کاکا میاں کی نوجوان سیکرٹری بیلا کھڑی تھی۔ وہ دروازہ کھلتے ہی اندر گھس آئی۔ اُس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔

''بیلا تم......؟'' میں نے تحیر زدہ نظروں سے اُسے اُوپر سے نیچے دیکھا۔ ''خیریت تو ہے؟''

''خیریت ہی نہیں ہے...... تمہاری جان خطرے میں ہے۔'' وہ پھولی سانسوں پر قابو پاتی ہوئی بولی۔

''وہ کس لئے......؟'' میری حیرت دوچند ہوگئی۔

''اس لئے کہ تم نے کاکا میاں کے خلاف پولیس انسپکٹر عبدالواحد سے جو مخبری کی ہے، اس کی اطلاع اُس کو ہوگئی ہے۔ اُس کے تھانے کے حوالدار نے ٹیلیفون پر کاکا میاں کو بتایا کہ تم نے غداری کی ہے۔ وہ اب جانو کے انتظار میں ہے جو کومیلا گیا ہوا ہے۔ وہ صبح چھ بجے چٹاگانگ پہنچے گا۔ جانو کے پہنچتے ہی اُس کا سب سے پہلا کام تمہیں ذبح کرنا ہوگا۔''

''تمہارا بہت بہت شکریہ بیلا!'' میں نے ممنونیت سے کہا۔ ''میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکوں گا۔''

''تم جتنا جلد ہو سکے اس شہر سے نکل جاؤ...... لیکن ریل گاڑی، ہوائی جہاز یا بس سے سفر نہیں کرنا۔''

''وہ کس لئے......؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اس میں کیا حرج ہے؟''

''کاکا میاں نے موبائل فون پر اپنے تمام آدمیوں کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہے۔'' بیلا نے بتایا۔

''پھر میں کس راستے سے یہاں سے فرار ہوں؟'' میں نے بدحواسی سے پوچھا۔

''تم گھاٹ پر جاؤ...... وہاں سے موٹر بوٹ لے کر ہندوستان کی طرف نکل جاؤ! تمہارے لئے کلکتہ محفوظ شہر ہوگا۔ گو سفر لمبا ہے لیکن راستے میں دو تین جزیرے آتے ہیں، تم وہاں ٹھہر کر اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہو۔''

''بیلا! ایک بات تو بتاؤ کہ تم نے مجھ پر یہ احسان کیوں کیا......؟'' میں نے پوچھا۔

''اس لئے کہ سونا میاں مجھے اپنی بیٹی کی طرح چاہتے تھے۔ اسی ناتے میں تمہیں اطلاع دینے آئی۔'' بیلا نے جواب دیا۔

❑......❑

بیلا نے ایک اور بڑا زبردست خطرہ مول لیا۔ اُس نے اپنی گاڑی میں مجھے بندرگاہ کے قریب چھوڑا۔ اس وقت وہاں گھپ اندھیرا تھا۔ میں ٹرمینل پر اُس جگہ پہنچا جہاں کاکا میاں کی لانچیں، اسٹیمر اور موٹر بوٹس کھڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک چھوٹی اور تیز ترین موٹر بوٹ لی جس میں چپو بھی رکھے ہوئے تھے، اُس میں سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں آگے نکل گیا۔ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ اگر کوئی تھا، کسی کی نظر مجھ پر پڑی تھی تو مجھے اس کی خبر نہ ہو سکی اور نہ مجھے اس کی کوئی پرواہ تھی۔

مجھے نہ صرف موٹر بوٹ بلکہ لانچ اور اسٹیمر بھی چلانا آتا تھا۔ میں منشیات کی اسمگلنگ کے لئے انہیں استعمال کرتا تھا۔ میں صبح ہونے تک چٹاگانگ شہر کے ساحل سے بہت دُور نکل آیا تھا۔ مجھے خوف و دہشت، عجلت اور بدحواسی میں کھانے پینے کی چیزیں لینے کا بالکل خیال نہیں رہا تھا کیونکہ اس وقت مجھے اپنی جان پیاری تھی۔ بیلا نے ایک بسکٹ کا ڈبہ اور جو منرل واٹر کی بوتل اُس کی گاڑی میں موجود تھی وہ مجھے دے دی تھی۔ دوپہر تک بسکٹ ختم ہو چکے تھے اور پانی کے چند گھونٹ رہ گئے تھے۔ دُور دُور تک کوئی جزیرہ اور ساحل نظر نہیں آیا کہ جہاں میں کچھ دیر آرام کرتا اور ستا لیتا۔

رات تو جیسے تیسے گزر گئی۔ دوسرا دن طلوع ہوا تو وہ میرے لئے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ صبح ہی مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ ساون، بادوباراں کے طوفان کے ساتھ شروع ہونے والا ہے۔ اور پھر فیول تو کل شام ہی ختم ہو چکا تھا۔ چپو چلاتے چلاتے میرے بازو شل ہو جاتے تو میں چپو کشتی میں رکھ کر لیٹ جاتا اور کشتی کو لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا۔ مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ میری موٹر بوٹ کس سمت جا رہی ہے؟ اس کی منزل کون سی ہے؟

سہ پہر کے وقت میری حالت ایک مُردے سے بھی بدتر تھی۔ بھوک پیاس نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔ گرمی اس قدر تیز تھی کہ پیاس سے برا حال ہو رہا تھا۔ حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔ سمندر کا پانی بہت ہی کھارا تھا، وہ پینے کے قابل ہرگز نہیں تھا۔ اگر کوئی غلطی سے پی لے تو اس کے معدے کا سارا نظام الٹ جاتا تھا اور انتڑیاں زہر آلود ہو جاتی تھیں۔ میں ہر دس پندرہ منٹ کے بعد چاروں اطراف دیکھتا تھا کہ ساحل نظر آ جائے۔ دل میں ایک

خوف دامن گیر تھا کہ کہیں کاکا میاں کے آدمی میری تلاش میں نہ نکل آئیں۔

کاکا میاں کے نزدیک مخبری اور غداری بہت سنگین جرم تھے۔ وہ اب تک دس مخبروں کو بے رحمی سے موت کی نیند سلا چکا تھا۔ اُس کے نزدیک یہ ناقابل معافی جرم تھا۔ وہ اپنے دشمن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا تھا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک اُس کی لاش قبر کی گہرائی میں دفن نہ کر دی جائے۔

میں نے دل میں سوچا...... کاکا میاں کو اس بات کا علم ہو چکا ہوگا کہ میں سمندر کے راستے موٹر بوٹ میں فرار ہو چکا ہوں۔ ایک موٹر بوٹ کم پا کر اُس کے آدمیوں نے اُسے اطلاع دے دی ہوگی۔ اُس کے آدمی اس لئے میرے تعاقب میں نہیں آئے کہ وہ جانتے ہوں گے کہ سمندر اور یہ سفر میرے لئے دردناک موت کا باعث ہوگا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ میں بھوک، پیاس اور دُھوپ کی شدت کے باعث لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ نظروں کے سامنے فرشتۂ اجل کھڑا مسکراتا دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے وہ مجھے خوش آمدید کہہ رہا ہو...... جب میرے لئے پیاس ناقابل برداشت ہو گئی تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ سمندر کا پانی کسی زہر سے کم نہیں ہے میں نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر پی لیا ...... پانی حلق میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ بڑے زور کی ابکائی آئی اور میں نے قے کر دی۔ قے ہوتے ہی میں مزید نڈھال ہو گیا۔ مجھ پر موت کی سی غنودگی طاری ہونے لگی۔

سمندر میں تیز ہوائیں چلنے کی وجہ سے لہروں میں طغیانی آنے لگی...... آسمان پر گہرے بادل چھانے لگے تو اندھیرا پھیل گیا۔ مجھے صرف اتنا یاد رہا کہ ایک بڑی لہر نے کشتی کو اس طرح اُوپر اُٹھا لیا جس طرح ایک پہلوان اپنے حریف کو پھینکنے کے لئے اُٹھا لیتا ہے۔ پھر اس لہر نے ایک کھلونے کی طرح پھینک دیا۔ مجھے لگا کہ میں سمندر کی تہہ میں نہیں، موت کی آغوش میں جا رہا ہوں......!

❑......❑

میں ہوش میں آنے لگا تو سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ میں قبر میں لیٹا ہوا ہوں۔ میں نے ایک گہری سانس لی، پھر میں نے محسوس کیا کہ میں کسی نرم و نازک چیز پر لیٹا ہوا ہوں۔ دوسرا خیال جو آیا وہ یہ کہ کہیں میں عالمِ بالا میں تو موجود نہیں ہوں؟ میں نے اپنے چہرے پر تمازت محسوس کی۔ چند لمحوں کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں ریت پر لیٹا ہوا ہوں اور میرے منہ پر دُھوپ پڑ رہی ہے۔ جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو میرا خیال درست

ثابت ہوا۔ میں سمندر کے کنارے لیٹا ہوا تھا۔ میں اُٹھ کر بیٹھنے کے لئے اپنی طاقت مجتمع کر رہا تھا کہ ایک بڑی موج آئی اور اس نے مجھے اپنی آغوش میں لے کر مزید دُور پھینک دیا۔ چند ثانیوں کے بعد ایک اور بڑی موج کو آتے دیکھا تو کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے اُٹھا کہ کہیں یہ موج مجھے واپس سمندر میں نہ لے جائے۔ پھر میں چند قدم چل کر نقاہت سے گر پڑا۔ لیکن اب خطرے والی کوئی بات نہ تھی۔ اب میں سمندر کی موجوں کی دسترس سے باہر تھا۔

پھر مجھ پر غشی سی طاری ہوگئی۔ مجھ پر اس وقت تک غشی سی طاری رہی جب تک دن خاصا چڑھ نہیں آیا۔ اب میں کچھ توانائی سی محسوس کر رہا تھا۔ پھر میں اُٹھ بیٹھا۔ آسمان کے سینے پر اور کسی اُفق پر بادل کا ایک ٹکڑا تک نہ تھا۔ صاف و شفاف نیلا آسمان چمک رہا تھا۔ سمندر کے کنارے سفید براق پرندے فضا میں پرواز کر رہے تھے۔ میں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ ساحل کی لمبائی ایک میل سے زیادہ ہوگی۔ ایک طرف چٹانیں تھیں اور دوسری طرف ناریل، سپاری اور تاڑ کے درخت تھے۔ مجھے خیال آیا کہ کہیں میں سری لنکا کے کسی جزیرے پر تو نہیں پہنچ گیا؟ میں کوئی دو تین مرتبہ اسمگلنگ کی غرض سے بڑی لانچ لے کر کولمبو جا چکا تھا۔ لیکن تیز رفتار لانچ میں چار دنوں کی مسافت تھی۔ کوئی بعید نہیں تھا کہ میں سری لنکا کی حدود میں واقع کسی جزیرے پر پہنچ گیا ہوں۔ یہ میرا ایک قیاس تھا۔

یہ دیکھ کر میری رگوں میں لہو منجمد ہو گیا کہ درختوں کے جھنڈ میں سمندری چٹانوں کی نوکیں چوروں کی طرح چھپی ہوئی تھیں۔ مجھے سمندر کی موجوں نے انہی چٹانوں کے درمیان سے باہر کو پھینکا تھا۔ اگر میں کسی ایک چٹان سے بھی ٹکرا جاتا تو میرے زندہ بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں معجزانہ طور پر شاید اس لئے بچ گیا تھا کہ میری کوئی نیکی کام آ گئی تھی۔

ابھی تک میرے حواس قدرے معطل تھے۔ میں نے کھڑے ہو کر متلاشی نظروں سے چٹانوں کے درمیان دیکھا کہ شاید وہاں میری موٹر بوٹ موجود ہو۔ وہاں اور نہ سمندر میں اُس کا کوئی نام و نشان نظر نہ آیا۔ وہ نجانے کس سمت نکل گئی تھی؟ یا پھر سمندر کی تہہ میں چلی گئی تھی۔ اب میں اس جزیرے کا قیدی ہو کر رہ گیا تھا۔

اب جو بھی صورت حال تھی، اس سے نمٹنا تھا۔ اس لئے میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ نقاہت نہیں تھی، جس کا مجھ پر کچھ دیر پہلے غلبہ تھا۔ جسم میں کچھ حرارت سی آ گئی تھی۔ پھر میں

درختوں کی سمت چل پڑا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ میرے پیروں میں کمزوری محسوس نہیں ہو رہی تو میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کر دی۔ میں نے جنگل کی حدود میں قدم رکھا تھا کہ دفعتہً خاموش فضا میں دُور سے ایک آواز آتی سنائی دی...... یہ آواز ہیلی کاپٹر کی تھی۔ میں اس آواز سے آشنا تھا...... یہ مانوس آواز تھی۔ کاکا میاں کے پاس تین ہیلی کاپٹر تھے جو اسمگلنگ اور اسلحہ کی ترسیل کے لئے ہندوستان کی کسی سرحد کے قریب اُتارے جاتے تھے۔ میں لپک کر درختوں کے پیچھے جا چھپا۔ ہیلی کاپٹر کم بلندی پر پرواز کرتا ہوا کنارے پر اُتر گیا۔ اُس میں سے دو مسلح شخص اُترے۔ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں جدید ترین امریکی ساخت کی دُور بین رائفل تھی، جو جانو تھا اور دوسرا موتی تھا۔ موتی کے ہاتھ میں ایک شارٹ گن تھی۔ موتی دشمن کی گردن میں لوہے کا تار ڈال کر اُسے بل دے کر اُس کی جان لے کر خوشی محسوس کرتا تھا۔ وہ دونوں تھوڑی دیر کھڑے جائزہ لیتے رہے، پھر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ پھر ہیلی کاپٹر اُڑا اور شمال کی طرف نیچی پرواز کرتا ہوا چلا گیا۔

کاکا میاں میری تلاش میں تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہوگا کہ میں نے انسپکٹر عبدالواحد کو گروہ کے بارے میں کیا کیا بتایا؟ پھر وہ مجھے موت کی نیند سلا دینا چاہتا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے واپس جانے سے میری جان میں جان آئی اور پھر ایک بات کا اندازہ ہو گیا کہ یہ جزیرہ چٹاگانگ کے قریب ہے، سری لنکا کی حدود میں نہیں ہے۔

پھر میں اُس چٹان کی طرف بڑھ گیا جو سب سے اُونچی تھی جہاں سے اس علاقے کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ چاروں طرف ایک گہرا سناٹا مسلط تھا۔ فضا میں چرند پرند نغمہ سرا تھے۔ جس سے ایک حسن سا پیدا ہو گیا تھا۔

اب چونکہ کسی بات کا خوف و خطرہ نہیں رہا تھا اس لئے میں بے فکر ہو کر اطمینان سے چٹان پر چڑھنے لگا۔ پھر بھی چوکنا تھا کہ کہیں ہیلی کاپٹر دوبارہ واپس نہ آ جائے۔ اس جزیرے پر آبادی کا امکان تھا لیکن ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ پھر میں چٹان سے اُتر کر ایک سمت چل پڑا۔ مجھے ایک جگہ کالے انگور کی بیل نظر آئی۔ یہ جنگلی انگور تھا۔ چونکہ پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اس لئے میں نے ایک انگور توڑ کر اُسے چوسا۔ اُس میں اتنا رس نہیں تھا جو پیاس بجھا سکے، پھر بھی کسی حد تک حلق تر ہو گیا۔

میں نے ایک راستہ دیکھا جو چٹان سے جا رہا تھا۔ یہاں شاید لوگوں کی آمد و رفت رہی تھی۔ یہ راستہ دو سو گز آگے جا کر بائیں جانب مُڑ گیا اور قدرے اُوپر کی جانب چلا گیا تھا۔

جب میں اس بلندی پر پہنچا تو خاصے فاصلے پر قدرے اُونچائی پر ایک مکان نظر آیا جس میں ایک بڑا سا برآمدہ تھا، تین چار کمرے دکھائی دے رہے تھے، مکان کچھ زیادہ قدیم نہ تھا۔ اس مکان کے اِردگرد میدان تھا اور جنگل سے خاصے فاصلے پر تھا۔

میں تھوڑی دیر تک کھڑا اس مکان کا جائزہ لیتا رہا، اس خیال سے کہ اس میں کوئی رہتا ہوتو وہ باہر آئے۔ ویسے باہر سے کوئی اندر جاتا دکھائی نہ دیا۔ مجھے اُس مکان میں زندگی کے کئی آثار نہیں دکھائی دیئے، اندر سے خاموشی اور ویرانی جھانک رہی تھی۔ لیکن میں پھر بھی محتاط اور چوکنا تھا، برآمدے اور مکان کی کھڑکیوں میں سے اندر جھانکتا ہوا، اُس کی طرف بڑھتا رہا۔ دوایک کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ میں اپنی مزید تسلی کے لئے اُس کے عقبی حصے کی طرف گیا۔ عقبی دروازہ بند تھا، پھر گھوم کر برآمدے میں آیا تو ہولناک سکوت ڈسنے لگا۔

اندر گھستے ہوئے مجھے ایک انجانا سا ڈر اور خوف محسوس ہونے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر کوئی عفریت ہے۔ میرے داخل ہوتے ہی وہ مجھے دبوچ لے گا۔ سامنے والے دروازے پر ایک ٹوٹی ہوئی بائیسکل پڑی تھی۔ اس کے قریب ٹوٹی ہوئی تپائی اور بید کی کرسی بھی پڑی تھی۔ پھر میں دبے پاؤں بڑھا اور ایک کمرے کی کھڑکی میں سے اندر جھانکنے لگا شاید کسی کی آواز سنائی دی، لیکن اندر جو سکوت تھا وہ اس قدر ہیبت ناک تھا کہ اندر قدم رکھنے کی بالکل بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ اندر موجود لوگوں نے میری آہٹ سن کر اپنی سانسیں روک لی ہیں۔

میں نے اپنی اس پیشہ وارانہ زندگی میں کبھی کسی خوف اور ڈر کو قریب پھٹکنے نہیں دیا تھا، خطرات کا ہمیشہ مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اس خالی مکان نے میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے پیدا کر دیئے تھے اور میرے پیروں میں جیسے نادیدہ ہستی نے بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ اندر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے اس کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر جو کھلا ہوا تھا، آواز دی۔

''اندر کوئی ہے؟''

میری آواز اندر کے کمروں میں گونج گئی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر میں نے پہلے سے بھی بلند آواز سے کہا۔ ''کوئی اندر ہے تو باہر آ جائے...... میں ایک اجنبی مسافر ہوں......''

دوسری مرتبہ بھی جواب نہیں ملا تو میں نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ ''آپ لوگ باہر کیوں نہیں آ رہے ہیں؟''

اب مجھے پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ مکان کے اندر کوئی نہیں ہے۔ کوئی ہوتا تو جواب ضرور ملتا، یا پھر وہ باہر آتا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر مکان کے باہر کے ماحول اور اطراف کا سرسری جائزہ لیا، پھر دوسرے کمرے کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ معاً میری نگاہ ایک درمیانہ سائز کے ٹین کے کنستر پر پڑی۔ قریب جا کر دیکھا تو وہ بارش کے شفاف پانی سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے یہ یہاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے کنستر اُٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ پانی پینے کے بعد میں نے اپنا واہمہ دُور کرنے کے لئے پھر ایک بار مکان کے گرد چکر لگایا، پھر برآمدے کی طرف آ گیا۔ مجھے اس مکان کے بائیں جانب قریب ہی پھولوں کی کیاریاں نظر آئیں۔ یہاں شاید پھولوں کے دلدادہ لوگ رہتے تھے، معلوم نہیں کیوں اور کہاں چلے گئے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُنہیں دہشت گرد پکڑ کر لے گئے ہوں؟ یا پھر وہ دہشت گردوں کے خوف سے بھاگ نکلے ہوں؟ میں مکان کے اندر جانے سے پہلے پھر ایک بار اس کا باہر سے جائزہ لینا چاہتا تھا۔

اس مکان سے قریب ایک اور چٹان تھی۔ میں وہاں گیا تو مجھے کچھ دُور جھونپڑیاں دکھائی دیں اور ان سے تھوڑی دُور سمندر دکھائی دیا۔ وہاں چھوٹی سی بندرگاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ جھونپڑیاں ماہی گیروں کی ہو سکتی تھیں۔ میں نے جھونپڑیوں کے پاس جا کر اُنہیں دیکھا۔ وہ غیر آباد تھیں۔ وہاں مجھے ایک کشتی بھی دکھائی نہیں دی۔ یہاں جو لوگ تھے، وہ شاید کسی وجہ سے اس جزیرے سے چلے گئے تھے، اُن کے جانے کی وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں دوبارہ مکان کے پاس آیا تو ایک دم سے بھوک کھل اُٹھی۔ اب تک بھوک میرے لئے قابل برداشت اور قابو میں اس لئے تھی کہ میری ساری توجہ مکان کی طرف لگی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ میں خوف و دہشت سے بھی دوچار تھا۔ میرے دل میں جو ہیبت تھی اب وہ دُور ہو چکی تھی۔

میں نہ صرف پیٹ بھر کے کھانا کھانا چاہتا تھا بلکہ آرام کی ضرورت بھی محسوس کر رہا تھا۔ میں سب سے پہلے اپنے ان دونوں مسئلوں کو حل کرنا چاہتا تھا، آرام تو ممکن تھا لیکن جب تک پیٹ میں ایندھن نہ پڑ جائے، اُس وقت تک آرام نہیں ہو سکتا۔ بھوک کا مسئلہ اس ویران جزیرے پر کیسے حل کروں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پھر میں بے خوفی سے اس مکان میں داخل ہو گیا۔ مجھے اپنے قدموں کی آواز کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس مکان کے اندر کل تین کمرے تھے جبکہ باہر سے چار کمرے

معلوم ہوتے تھے۔ ان کمروں میں اخبارات کی ردّی بھری ہوئی تھی۔ یہ اخبارات بنگلہ زبان اور انگریزی کے تھے اور بنگلہ دیش سے شائع ہوئے تھے۔ میں نے ایک کمرے کی کھڑکی میں سے باہر جھانکا۔ مکان کچھ بلندی پر واقع تھا، مجھے یہاں سے بندرگاہ نظر آ رہی تھی اور اس کے قریب اسی مکان کی ساخت کا ایک اور مکان تھا، میں ابھی وہاں نہیں گیا تھا۔

اس مکان میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ میں نے اس کے تمام کمرے اور باورچی خانہ بھی چھان مارا تھا، پھر ایک آس سی لے کر کہ شاید وہاں کھانے کے لئے کچھ مل جائے، دوسرے مکان کی طرف چل پڑا۔

میں کئی بار بری طرح چونکا کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی غیر محسوس انداز سے میرے تعاقب میں چلا آ رہا ہو۔ جب میں مُڑ کے دیکھتا تو کسی کو نہیں پاتا۔ حالانکہ میں وہمی قسم کا شخص نہیں تھا۔

کہیں یہ جزیرہ آسیبی تو نہیں ہے؟ بنگال میں ابھی جادو کی باقیات موجود تھیں۔ جادوگر بنگلہ دیش کے مختلف گوشوں بلکہ ویران اور سنسان علاقوں میں جا کر بس گئے تھے۔ اس جزیرے پر اُن کے وجود کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں ایک دو قدم چل کر رُک جاتا، پھر کسی جگہ چھپ جاتا، پھر اپنی تسلی کر کے قدم آگے بڑھاتا۔ اس طرح مجھے دس منٹ کی مسافت آدھے گھنٹے میں طے کرنا پڑی۔ میں اُس مکان پر پہنچا۔ یہ مکان بھی خاصی بلندی پر تھا۔ میں اپنے آپ کو چھپاتا اور محتاط انداز سے قدم اُٹھاتا ہوا عقبی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

پھر میں عقبی حصے کی طرف پہنچ کر زور زور سے آوازیں دینے لگا۔ ''اندر کوئی ہے؟''

مجھے کوئی جواب نہیں ملا، کیونکہ اندر گہرا سکوت تھا۔ اب مزید وہاں کھڑے ہو کر پکارنا فضول ہی تھا۔ پھر میں مکان کے بیرونی حصے کی طرف چلا گیا۔ برآمدے میں رُک کر سوچتا رہا کہ کیا کروں؟ اندر جاؤں یا نہیں......؟ کیا یہاں کچھ کھانے کے لئے مل جائے گا؟ پھر میں دوسرے لمحے مکان میں گھس گیا۔

اندر کے ایک کمرے کے فرش پر میں نے بسکٹوں کا ڈبہ اور ایک ٹوٹی ہوئی چھری پڑی دیکھی۔ میں نے لپک کر ڈبہ اُٹھا لیا، ڈبہ آدھا خالی تھا، باقی نصف میں خاصے بسکٹ موجود تھے۔ میں نے جلدی جلدی ایک ایک کر کے تمام بسکٹ کھا لئے جو میرے لئے کسی من و سلویٰ سے کم نہ تھے۔ بسکٹ خستہ اور بہت لذیذ تھے۔ میں نے بسکٹوں کا خالی ڈبہ اس لئے

نہیں پھینکا کہ ایسی بے سرو سامانی میں ایسی چیزیں بہت کام آتی ہیں۔ میں نے ڈبہ ایک جگہ رکھ دیا، پھر میں پہلے والے مکان میں آ گیا۔ مکان میں جا کر لیٹنا خطرے سے خالی نہیں تھا، اس لئے مکان سے باہر آ کر گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر لیٹ گیا۔ یہ بہت محفوظ جگہ تھی، میں کسی کی نظروں میں نہیں آ سکتا تھا۔ لیٹتے ہی نیند نے مجھے فوراً ہی دبوچ لیا۔

□......□
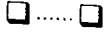
جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ دن ڈھل چکا ہے۔ سورج جو مشرق سے مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا اب وہ مغرب کے قریب پہنچ چکا تھا۔ موسم بھی بہتر ہو گیا تھا، دُھوپ میں تمازت نہیں رہی تھی، ہوا بھی خوشگوار چل رہی تھی۔ میں ایک جماہی لے کر اُٹھ بیٹھا، لمبی نیند لینے سے طبیعت خاصی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ بسکٹ کھانے سے پہلے میں نے جو نقاہت محسوس کی تھی وہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے تھی۔ اب میں اپنے آپ کو قدرے بہتر اور توانا محسوس کر رہا تھا۔

پھر میں کھانے کی تلاش میں نکلا۔ مجھے افسوس اور پچھتاوا تھا کہ میں نے سارے بسکٹ کیوں کھا لئے، اس میں سے کچھ بچا کر تو رکھتا، اس وقت کام آتے۔ لیکن اس وقت ناقابل برداشت بھوک نے کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جو کھانے کے کام آ سکے۔ میں نے کچھ مسافت طے کی تھی کہ زمین پر ناریل گرا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے اُسے توڑ کر اُس کا پانی پیا اور پھر اُس کا گودا کھا لیا جس سے جسم میں ایک قوت آ گئی۔

مجھے اچانک یاد آیا کہ مکان کے قریب سے میں نے ایک راستے کو گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ راستہ کہیں جاتا تو ہو گا۔ یہ ایک رہ گزر سی لگتی تھی۔ مجھے اس جزیرے کی ویرانی اور تنہائی سے وحشت سی ہونے لگی۔ میں نے سوچا، کاش! کوئی ہوتا جس سے میں باتیں کرتا۔ پھر جانے مجھے کیا ہوا کہ میں خود کلامی کرنے لگا، بلند آواز سے اس طرح سے کہا جیسے کوئی سننے والا موجود ہے۔

''کیا تم بتا سکتے ہو، یہ راستہ کہاں جاتا ہے....؟ ایں....تم نہیں جانتے.... یہ کیسے ہو سکتا ہے میرے بھائی! یقیناً یہ راستہ کہیں ضرور جاتا ہے.... میرے ساتھ چلو، تمہیں بتاتا ہوں۔''

مجھے اپنی آواز بڑی عجیب، ویران، کھوکھلی اور کہیں دُور سے آتی محسوس ہوئی۔ ایسا لگا جیسے یہ کسی اجنبی کی آواز ہو۔

اس راستے پر چلنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ میں چلتا رہا، اب میرا کام چلنا ہی رہ گیا تھا۔
یہ راستہ مجھے گھنے جنگل میں لے گیا، وہاں بڑے بڑے چوہے، چھپکلیاں اور ایسے ایسے اقسام کے کیڑے مکوڑے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے جو میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ یہی مخلوق اس جزیرے کی آبادی معلوم ہوتی تھی۔ پھر اس خیال سے میرے جسم میں ڈر اور خوف سنسنی بن کر دوڑ گیا کہ سانپ ہوئے تو میں کیا کروں گا؟ میرے پاس بچاؤ کے لئے کوئی ہتھیار بھی تو نہیں تھا۔ چونکہ مجھے اس راستے پر ایک سانپ بھی نظر نہیں آیا، اس لئے میں چلتا گیا۔

بنگلہ دیش میں جب بھی کوئی سیلاب اور طوفان آتا تو وبائی امراض پھوٹ پڑتے تھے۔ ان امراض کی وجہ سے بعض گاؤں، دیہات اور جزیرے خالی ہو جاتے تھے۔ اس جزیرے پر بھی شاید کوئی وبائی مرض پھوٹ پڑا تھا جس کی وجہ سے لوگ جزیرہ خالی کر کے چلے گئے تھے۔ اس پر آبادی نہ ہونے کا یہی سبب مجھے نظر آیا۔
میں چونکہ خاصی دُور نکل آیا تھا اس لئے میں نے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ سورج مغرب کی وادی میں غروب ہونے کے لئے نیچے ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر راستہ بلندی کی طرف جانے لگا۔ اب جنگل کم گھنا ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد سورج غروب ہونے والا تھا۔ اس کے ساتھ دن بھی جیسے غروب ہو جاتا۔ راستہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ اب میرے سامنے چاروں اطراف ویرانی ہی ویرانی برستی دکھائی دے رہی تھی۔ میں ایک جگہ رُک گیا...... مجھ پر حیرت چھائی ہوئی تھی۔ پھر اس حیرت کی جگہ خوف نے لے لی۔ رات آنے میں کوئی دیر نہیں تھی۔ مجھے رات کا خوف نہیں تھا، خوف اس بات کا تھا کہ میں رات کہاں گزاروں گا؟ پھر میں چاروں اطراف دیکھنے لگا۔ پھر میری نگاہ مخالف سمت اُٹھ کر ایک جگہ مرتکز ہو گئی۔ سامنے ایک ندی بہہ رہی تھی اور اس پر لکڑی کا ایک پُل بنا ہوا تھا۔ اس پُل سے قدرے فاصلے پر ایک باغیچہ سا بنا ہوا تھا جس کی کیاریوں کی مینڈھوں میں سمندری گھونگھے اور سیپ سجے ہوئے تھے جو کسی نے بڑے قرینے سے رکھے تھے۔ باغیچے کے ساتھ ایک چھوٹا اور خوبصورت سا مکان بھی تھا جس میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ کمرے کے سامنے برآمدہ تھا۔ اس مکان کی وضع قطع کسی عبادت گاہ کی سی تھی۔ اس کے دروازے کے آگے تین سیڑھیاں تھیں۔
میں یکلخت چونک پڑا۔ مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ نیچے والی سیڑھی پر ایک لڑکی

بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ گہرے بھورے رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھی لیکن اُس کا سر سفید براق دوپٹے کی محراب میں تھا۔ سورج کی آخری سنہری کرنیں اُس پر پڑ رہی تھیں جو اس کی عمر کو ظاہر کر رہی تھیں۔
میں نے دیکھا کہ وہ صرف جوان ہی نہیں بلکہ غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے۔
میں اُس لڑکی کو دیکھ کر ڈر گیا۔ یہ لڑکی انسان نہیں ہو سکتی تھی۔ وبائی امراض جو دو ماہ پیشتر پورے ملک میں پھوٹے تھے شاید یہاں بھی بہت زیادہ اموات ہو گئی تھیں جس سے جزیرہ خالی ہو گیا تھا۔ یہ جزیرہ جو غیر آباد تھا اور اُس پر آسیبی ہونے کا گمان ہو رہا تھا، یہ تنہا لڑکی کسی کی بدرُوح ہی ہو سکتی تھی...... میں توہم پرست نہ تھا، لیکن میں بدروحوں کا قائل تھا۔ بدروحوں کے بارے میں بہت ساری کہانیاں زبان زدِ عام تھی، طرح طرح کے قصے مشہور تھے، بہت سارے جادوگروں اور جادوگرنیوں نے بدروحوں کو اپنا مؤکل اور تابع بنایا ہوا تھا۔ وہ اُن سے کام لیتے تھے۔ اور یہ عورت کوئی بدروح ہی ہو سکتی تھی۔ میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔
میں نے وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے اچھی طرح تسلی کر لینا چاہئے۔ ایک جوان شخص ہونے کے ناتے ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اور پھر میں جرائم پیشہ تھا، کبھی موت اور سنگین حالات سے نہیں ڈرا تھا، ان کا مردانہ وار مقابلہ کر چکا تھا۔ میں نے دوسرے لمحے خود پر قابو پا لیا اور ڈر اور خوف دل سے نکال دیا۔
پھر میں بجلی کی سی سرعت سے آگے بڑھ گیا۔ ندی کا پُل عبور کر کے ایک گھنے درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا پھر اُسے چوروں کی طرح دیکھنے لگا۔ اب میں اُس کے اس قدر قریب تھا کہ مجھے اُس سفید دوپٹے میں سے جھانکتے ہوئے خوبصورت ریشمی سیاہ بال بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اس قدر حسین لڑکی جو تصور سے کہیں زیادہ حسین ہو، وہ یقیناً اس دنیا کی لڑکی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قدر حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔
مجھے جنگل کی تربیت خاص طور پر سونا میاں نے دی تھی۔ وہ مجھے سندر بن بھی دو تین مرتبہ ساتھ لے گئے تھے۔ سونا میاں نے مجھے بتایا تھا کہ بعض جنگل ایسے ہیں جن میں انسان داخل نہیں ہو سکا۔ وہاں جاؤ تو قدم قدم پر حسین واہمے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ لڑکی بھی ایک حسین واہمہ ہی لگ رہی تھی......!

○□○

میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ دوڑ لگا دُوں؟ لیکن پھر میرے دل کے کسی کونے میں تجسّس کی لہر آئی۔ کسی نے سرگوشی میں کہا۔ یہ تم اس قدر بزدل اور ڈرپوک کب سے ہو گئے ہو؟ میرے پیروں میں تجسّس نے جیسے بیڑیاں ڈال دیں۔ میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور سوچا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی نے اُس لڑکی کو قیدی بنا کر رکھا ہوا ہو اور وہ کسی کام سے گیا ہو۔ کہیں اب وہ آتا نہ ہو۔ مجھے دیکھ کر میری جان لینے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے وہ بندوق یا اسٹین گن سے مسلح ہو گا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کروں۔

سورج مغرب کی وادی میں ڈوبنے لگا۔ کسی بھی افتاد سے بچنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ میں یہ جگہ چھوڑ دُوں اور کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جاؤں کہ مجھ پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ میں اپنے آپ کو چھپاتا ہوا اُس مکان کے عقب کی جانب سرعت سے لپک گیا۔ یہ دیکھ کر مجھے ایک طرح سے اطمینان ہوا کہ یہاں کوئی شخص نہیں تھا نہ اس بات کا خوف و خدشہ تھا کہ کوئی آدمی ادھر آ سکتا ہے۔ پھر میں حوصلہ کر کے مکان کے عقبی حصے کی طرف آیا۔ پھر میں اُس لڑکی کی جانب بڑھا۔

اُس لڑکی نے آہٹ سن کر سر اُٹھایا تو ہم دونوں کی نگاہیں ملیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی اُچھل پڑے گی۔ لیکن وہ مجھے دیکھ کر نہ تو چونکی اور نہ اُس کے چہرے پر خوف کا سایہ نظر آیا۔ اُس کے حسین اور پُر تقدس چہرے کی دلکشی لمحے کے لئے متاثر ہوئی۔

گو میں کسی نہ کسی طرح حوصلہ کر کے اُس واہمہ کے سامنے آ تو گیا تھا لیکن میرے دل کے دھڑکنے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اس پر قابو پانا میرے لئے دُشوار ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ حسین رُوح ایک انسان کو سامنے دیکھ کر دُھواں بن جائے گی اور شام کے دُھندلکے کی آغوش میں سما جائے گی۔

لیکن رُوح فضا اور دھندلکے میں تحلیل نہ ہوئی جو میرے لئے تعجب خیز تھا۔ ادھر میری حالت غیر ہو رہی تھی کہ نجانے کیا کر بیٹھے؟ مجھے پچھتاوا سا ہوا کہ میں کیوں اُس کے سامنے آیا؟ لڑکی کے پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں نے حرکت کی۔ اُس نے شاید کچھ کہا تھا لیکن ایک لفظ بھی میرے پلّے نہیں پڑا۔ میں نے سوچا کہیں وہ کوئی منتر تو نہیں پڑھ رہی مجھ پر جادو کرنے کے لئے......؟

لڑکی یکلخت اُٹھ کھڑی ہوئی اور میری طرف دھیرے سے بڑھی۔ لیکن دو قدم چل کر لڑکھڑائی، اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور گر پڑی۔ اگر وہ شہر کی کسی سڑک، کسی بازار میں اس طرح سے گزرتی تو میں کسی فلمی ہیرو کے انداز میں برقی سرعت سے لپک کر اُٹھا لیتا۔ جانے کیوں میں اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا اُسے زمین پر گرتا ہوا دیکھتا رہا۔ مجھے اُسے اُٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

لڑکی میرے سامنے بے حس و حرکت پڑی تھی۔ میرے اندر کی حسیں بیدار ہونے لگیں تو میں اُس کی طرف بڑھا، پھر میں اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے بڑی آہستگی سے لڑکی کو مخاطب کیا۔ ''کیا بات ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟''

لڑکی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اُس کا سفید براق دوپٹہ جس سے اُس نے سر ڈھانپ رکھا تھا اب اُس کے منہ پر آ گیا تھا اور ناک اس میں چھپ گئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی ناک پر سے دوپٹہ ہٹا دیا تاکہ اُسے سانس لینے میں کسی قسم کی دُشواری نہ ہو۔ لڑکی اب مجھ سے بہت قریب تھی۔ اُس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ میرا دل اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ کوئی لڑکی آسمانی حور کی طرح ہو سکتی ہے۔ میں نے کبھی کسی لڑکی میں ایسی پاکیزگی اور چہرے پر نور نہیں دیکھا۔ ایسا رُعب، وقار اور تمکنت تھی کہ اُس نے مجھے سحر زدہ کر دیا۔

جب کبھی میں سندر بن کے جنگل گیا تھا وہاں یہ بات دیکھی تھی کہ شام ہوتے ہی فوراً تاریکی اپنا جال چاروں طرف ڈال دیتی تھی۔ یہاں بھی یہی صورتحال تھی۔ سورج کو غروب ہوئے تھوڑی دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ درختوں اور چٹانوں کی وجہ سے شام کا دھندلکا تاریکی سے ہم آغوش ہو گیا تھا۔ پھر میں نے لڑکی کی طرف دیکھا، اُس کا چہرہ تاریکی میں مدغم ہو گیا۔ میں نے خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا تو ایسا لگا کہ کسی بھی لمحے کسی بھی سمت سے کچھ لوگ تاریکی میں سے نمودار ہو کر مجھے نرغے میں لے کر پکڑ لیں گے۔ مجھے

ایسا بھی محسوس ہو رہا تھا کہ میرے گرد غیر محسوس انداز سے حصار قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ شاید آدم خوروں کا جزیرہ ہے۔ یہ لوگ مجھے ذبح کر کے آگ پر بھون کر کھا جائیں گے۔ یہ لڑکی کسی بھی لمحے ایک دم سے غائب ہو سکتی ہے۔ پھر مجھے اس لڑکی کے وحشیانہ قہقہے سنائی دیں گے۔ میں نے جنگل کی پراسرار کہانیاں پڑھی تھیں، سنی تھیں کہ جنگل میں دن ڈوبتے ہی بلائیں نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ان کہانیوں کا خیال آتے ہی دل نے کہا کہ فوراً یہاں سے بھاگ چلو......!

گو کہ مجھ پر خوف و دہشت طاری تھی لیکن ایک انجانے جذبے نے مجھے جکڑ رکھا تھا اور اس لڑکی کو چھوڑ کر جانے نہیں دے رہا تھا۔ یہ انسانی جذبہ تھا جس کا درس سونا میاں نے دے کر میرے وجود کی اتھاہ گہرائیوں میں بھر دیا تھا۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھو تو اُس کی مدد کرنے کے لئے جان پر کھیلنے سے بھی دریغ نہ کرنا۔

میں نے جھک کر پھر ایک بار نرمی سے اُس کا شانہ ہلایا۔ ''اب تم کیسی ہو؟ میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟''

اُس لڑکی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسے لگا جیسے اُس میں بولنے کی سکت ہی نہ رہی ہو۔ میں نے پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھپ اندھیرے میں دیکھا، کچھ نظر نہ آیا۔ پھر میں نے کان لگا دیئے، مجھے کوئی آہٹ سنائی نہ دی۔ ایک گہری خاموشی کا طلسم چھایا ہوا تھا، ویرانی سی برس رہی تھی۔

جانے مجھ میں کہاں سے اتنی ہمت آ گئی کہ میں نے ایک ہاتھ لڑکی کی گردن کے نیچے سرکا دیا۔ پھر جانے کیا خیال آیا کہ اُسے اُٹھاتے اُٹھاتے رُک گیا۔ پھر دوبارہ ارد گرد دیکھ کر اپنی تسلی کی، کہیں ایسا تو نہیں کہ دشمن میری حرکات و سکنات دیکھ رہا ہو؟ چند لمحوں کے بعد میں نے پھر اُسے اُٹھا لیا۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ اُس کا جسم اس قدر ہلکا پھلکا ہو گا۔ وہ مجھے ایک پانچ چھ برس کی بچی کی مانند لگی تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ دراصل یہ لڑکی اس قدر ہلکی پھلکی نہیں ہے بلکہ میرے بازوؤں میں جو بے پناہ قوت بھری ہوئی ہے اس وجہ سے وہ ہلکی پھلکی سی محسوس ہوئی۔

دوسرا خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ...... نہ تو لڑکی ہلکے پھلکے وزن کی ہے اور نہ میرے بازوؤں میں بے پناہ طاقت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ رُوح ہے، رُوح کا کوئی وزن ہی نہیں ہوتا۔ بس پل بھر کی دیر ہے کہ وہ اس اندھیرے میں اچانک تحلیل ہونے والی

ہے۔ پھر میرے ہاتھوں میں کچھ نہ رہے گا۔

چند لمحے بیت گئے۔ میں اُسے اُٹھائے اسی طرح کھڑا سوچتا رہا کہ کیا کروں؟ وہ فضا کی تاریکی میں ابھی تک تحلیل نہیں ہوئی تھی نہ ہی کوئی آدمی آیا تھا، نہ کوئی آہٹ سنائی دی اور نہ ہی کسی انسان کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ کچھ ایسا لگ رہا تھا کہ اس جزیرے پر صرف ہم دونوں ہی ہیں۔

ساون کی رات تھی۔ فرحت بخش اور سرد سی تھی۔ خنکی بھی رچی بسی تھی۔ شہروں میں ایسی تازہ اور فرحت بخش ہوا نصیب نہیں ہوتی تھی۔ آلودگی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ کسی پُر فضا مقام یا کھلی جگہ ہی تازہ ہوا نصیب ہوتی تھی۔ اس ہوا نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں...... میں اُسے کچھ دیر سے اُٹھائے کھڑا تھا لیکن مجھے کسی قسم کی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ اس طرح میں لڑکی کو اُٹھائے صبح تک کھڑا رہوں گا۔ پھر میں اُس مکان کی طرف بڑھا اور اُس کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔

جانے کیوں مجھے ایسا لگا کہ مکان کے اندر کوئی موجود ہے۔ میں نے پیچھے کی طرف دیکھا، پھر کمرے کی طرف منہ کر کے زور سے آواز دی۔

''کوئی ہے؟...... ہے تو خدا کے لئے باہر آ جاؤ!'' لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔

اندھیرا ایسا گھپ تھا کہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب لڑکی کو فرش پر لٹا دینا چاہئے۔ میں اسے بلاوجہ لئے کھڑا ہوا ہوں۔ میں نے گھٹنے فرش پر ٹکائے اور بڑے آرام اور نہایت آہستگی سے اس طرح سے لڑکی کو فرش پر لٹایا جیسے وہ کانچ کی ہو، ذرا سی ٹھیس لگنے پر اس کی کرچیاں بکھر جائیں گی۔ اُس پر ابھی تک غشی طاری تھی۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔

میں اس خیال سے باہر نکل کر ندی پر پہنچا کہ لڑکی کو پانی لا کر پلاؤں۔ وہاں پہنچا تو خیال آیا کہ کس چیز میں پانی لے جاؤں؟ پھر مجھے بسکٹ کے اُس ڈبے کا خیال آیا جو میں نے کسی خیال اور ضرورت کے تحت ساتھ لے لیا تھا اور اُسے اس جگہ پر رکھ دیا تھا جہاں سے میں نے لڑکی کو اُٹھایا تھا۔ پھر میں وہ ڈبہ لانے کے لئے لپک گیا۔ یہ ٹین کا ڈبہ تھا۔ میں نے اس میں ندی سے پانی بھرا، پھر میرے دل میں ایک انجانا سا خوف دامن گیر ہو گیا۔ میں نے دل میں اپنے آپ کو مخاطب کیا، میں یہ کیا حماقت کر رہا ہوں؟ مجھ سے بڑا

احمق کون ہوسکتا ہے جو جان بوجھ کر مصیبت میں گرفتار ہو رہا ہے۔ میں کیوں اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہا ہوں؟

پھر میں اُس مکان کی طرف جاتے ہوئے یکلخت رُک گیا اور دوسری سمت دیکھنے لگا تا کہ اُس جانب چلا جاؤں، اُس لڑکی سے اپنی جان چھڑاؤں۔ میرے دل کے کسی کونے میں ایک خیال آیا کہ کہیں یہ کوئی مصیبت زدہ لڑکی تو نہیں؟ یہ ایک انسانی جذبہ تھا جو مجھ سے مخاطب تھا۔ اتنی حسین اور نوجوان لڑکی کو منجدھار میں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ بالفرض محال وہ موت کے منہ میں چلی گئی تو تم ساری زندگی پچھتاتے رہو گے۔ ضمیر کی خلش تمہیں جینے نہیں دے گی۔ وہ کسی خنجر کی طرح تمہارے سینے میں پیوست رہے گی۔ اس نیکی کو ہاتھ سے مت جانے دو۔

اس انسانی جذبے نے میرے دل میں خوف اور خودغرضی کو مٹا دیا۔ پھر میں اُس مکان کی طرف چل پڑا۔ لیکن میں بہت محتاط اور چوکنا تھا۔ میرے کان چاروں طرف لگے ہوئے تھے۔ ہر آہٹ پر میں چوکنا ہو کر دیکھنے لگتا تھا۔

پھر میں اُس مکان میں داخل ہو گیا۔ گھپ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں اندازے سے اُس جگہ بیٹھ گیا جہاں میں نے اُس لڑکی کو لٹایا تھا۔ لڑکی وہاں نہیں تھی۔ میں نے ہاتھوں سے فرش کو اس خیال سے ٹٹولا کہ شاید وہ غشی کی حالت میں سرک گئی ہو۔ لیکن وہ لڑکی غائب تھی...... میں نے سوچا کسی اور کمرے میں تو لا کر نہیں لٹایا تھا؟ نہیں، یہ وہی کمرہ تھا۔ میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ مجھے بڑی چالاکی اور فریب سے پھانسا گیا ہے۔ اب میں اس کمرے میں محصور ہو گیا ہوں۔ آج کی رات میری زندگی کی آخری رات ثابت ہو گی......

میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ وہ لڑکی کتنی بڑی اداکارہ تھی...... اُس نے کیسی زبردست اداکاری کی...... مجھے ذرہ برابر بھی اُس پر شک نہیں ہو سکا۔

میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس گھپ اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نکل جاؤں؟ پھر اس خیال سے رُک گیا کہ باہر کوئی کھڑا ہو گا۔ پھر میں نے سوچا کہ عقبی راستے سے نکل جاؤں۔ فرار ہونے کے لئے ایک راستہ تھا لیکن دشمن بیوقوف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے شاید وہاں بھی کوئی پہرہ لگا دیا ہو گا۔

میں ان سوچوں میں غلطاں تھا کہ کمرے میں رسیلی آواز گونجی۔ ''میں یہاں ہوں۔''

میں اس آواز کو سنتے ہی اُچھل پڑا۔ یہ آواز نہیں تھی، کوئی نغمہ تھا۔ میں نے گردن گھما کر آواز کی سمت دیکھا۔

دروازے پر میں نے ایک ہیولا دیکھا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے کالا لبادہ پہن رکھا ہو...... وہ ہیولا میری طرف بڑھا تو ایسا لگا جیسے کالا دیو میری طرف آ رہا ہو۔

''تم نے تو مجھے ڈرا دیا......'' میں نے جھینپتے ہوئے کہا۔

''تمہارے ساتھ اور کون ہے؟'' لڑکی نے مترنم آواز میں پوچھا۔

''کوئی نہیں ہے...... میں اکیلا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''سچ سچ بتاؤ...... تم کتنے آدمی ہو؟'' اُس نے پھر سوال کیا۔ جیسے اُسے میرے جواب کا یقین نہ آیا ہو۔

''میں نے کہا نا کہ میں صرف ایک اکیلا شخص ہوں۔''

''تم کون ہو......؟''

''میں ایک بدنصیب شخص ہوں۔ پیشہ ور قاتلوں سے جان بچانے کے لئے فرار ہوا تھا۔''

''یہاں کس طرح پہنچے......؟'' اُس نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''میں ایک موٹر بوٹ سے فرار ہوا تھا۔ میری موٹر بوٹ طوفان کی زد میں آ کر اُلٹ گئی۔ میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا تھا۔ زندہ بچ جانے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ لیکن ابھی میری موت نہیں لکھی تھی۔ سمندر کی لہروں نے مجھے اس جزیرے کے ساحل پر لا کر پھینک دیا۔ میں آج یہاں پہنچا ہوں۔ شاید کل رات۔ میں اکیلا دن بھر سے بھٹک رہا ہوں، تھکن سے چور ہوں، جوڑ جوڑ درد کر رہا ہے۔ خوف نے میرے حواس معطل کر دیئے ہیں۔ اس وقت میں آرام کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔'' میں سانس لینے رُکا۔ وہ میری باتیں خاموشی سے سنتی رہی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ میں یہاں لیٹ جاؤں تو خطرے والی کوئی بات تو نہیں ہے؟ میری جان کو خطرہ لاحق تو نہیں ہو گا؟'' میں نے سرگوشی میں رُک رُک کر کہا۔ ''مجھے سکون کی ضرورت ہے۔''

''تم یہاں لیٹنا چاہو تو لیٹ سکتے ہو۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''مجھے بتاؤ تم کون ہو؟ سچ سچ بتاؤ کہ تم انسان ہو یا کسی مرنے والی عورت کی

رُوح.....؟''

''میں انسان ہوں۔'' گھپ اندھیرے میں جیسے سات سُر ایک ساتھ بول اُٹھے۔

''میں رُوح نہیں ہوں۔تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں کوئی رُوح ہوں؟ تم نے شاید مجھے دیکھ کر یہ اندازہ کرلیا۔ میں اس پورے جزیرے میں تمہاری طرح اکیلی ہوں۔ میں ا عورت ہوں۔عورت ذات سے تمہیں کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟ لیکن میں کسی اور خطرے متعلق تمہیں کچھ بتا نہیں سکتی، کہہ نہیں سکتی۔کیونکہ کوئی بھی افتاد کہہ کر نازل نہیں ہوتی۔''

''کیا کسی اور خطرے کا کوئی امکان ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔''کیا کوئی آنے ہے؟''

''کسی خطرے یا مصیبت کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں...... یہ سب اچانک غیر متوقع طور پر آتے ہیں۔لیکن میں یہ جانتی تھی کہ یہاں کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا...... گئے...... وہ لوگ بھی یقیناً آئیں گے۔''

''کون لوگ......؟ وہ کیوں آئیں گے......؟'' میرا لہجہ پریشان کن تھا۔

''وہ لوگ جو آنے والے ہیں وہ صرف مجھے لینے آئیں گے۔'' اُس نے کہا۔ ''تم خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔تم زیادہ باتیں نہ کرو۔کیونکہ تم بہت تھکے ہوئے ہو۔ لیٹ جاؤ!''

''وہ تمہیں لینے کے لئے کب آئیں گے......؟ میں نے پوچھا۔''کیا تم اُن کا انتظار کر رہی ہو؟''

''یہ تو میں نہیں بتا سکتی۔لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ مجھے ہر قیمت پر یہاں سے لے جائیں گے۔''

پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ باہر کی جانب جا رہی ہے۔ میں نے ایک سائے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔

''تم اس وقت کہاں جا رہی ہو......؟'' میں نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''تم میری فکر نہ کرو......'' اُس نے رُک کر مترنم لہجے میں دلاسا دیا۔''یہاں ایسا خطرہ نہیں ہے جو تم خائف ہو رہے ہو۔تم سکون اور اطمینان سے لیٹ جاؤ!''

''کیا تم سوؤ گی نہیں......؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''میں سونے کے لئے جا رہی ہوں۔ میں کسی بھی جگہ جا کر سو جاؤں گی۔'' اُس

دھیمے لہجے میں کہا۔ پھر اُس کا ہیولا دروازے میں سے کسی بدرُوح کی طرح غائب ہوگیا۔

مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا دشوار سا ہو رہا تھا۔ میں کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح فرش پر آ رہا۔ اس لڑکی نے میرے وجود پر ایک ایسی بھرپور ضرب لگائی تھی کہ اس کی مار چاقو سے کہیں تکلیف دہ تھی۔ میں اُس لڑکی کی مصیبت زدہ سمجھ کر مدد کرنا چاہتا تھا، اس کے علاوہ میرے دل میں کوئی اور جذبہ کارفرما نہیں تھا۔لیکن وہ اس کے برعکس میرا خوف دُور کر رہی تھی۔ مجھے دلاسہ دے رہی تھی۔ میرا حوصلہ بڑھا رہی تھی کہ تم ڈرو نہیں۔

میں فرش پر پیر پھیلا کر لیٹ گیا۔ میں اس لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ مجھے اب تک معلوم نہ ہوسکا کہ وہ اس جزیرے پر کب سے ہے؟ اُس سے بڑی مختصر سی ملاقات ہی تھی۔ میرے ذہن میں بہت سارے سوالات گردش کر رہے تھے۔ میں اُسے چشم تصور میں دیکھتے دیکھتے گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

❑......❑

جب میں بیدار ہوا تو صبح ہو چکی تھی۔ اُجالا پھیلا ہوا تھا۔ کمرے میں حبس اور گرمی تھی جس سے گھٹن محسوس ہونے لگی۔ پھر مجھے سلیٹوں کی چھت پر کچھ شور سا سنائی دیا۔ میں ایک دم سے ہڑبڑا کے اُٹھ بیٹھا اور پریشان سا ہوگیا۔ پھر میں نے اُٹھ کر باہر دیکھا، ساون کا مینہ برس رہا تھا۔ پھر میں دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی جس کے باعث زیادہ دُور تک کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ اس وجہ سے بھی حبس اور گرمی ہوگئی تھی۔

پھر میں نے اُس لڑکی کو اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دی۔ میں نے سوچا وہ کہاں گئی؟ میں اُس کو دیکھنا چاہ رہا تھا۔ معاً میری نگاہ نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ گھر کا برآمدہ قدرے ہٹ کر تھا۔ وہ برآمدے کے ستون کے پاس دوزانو بیٹھی تھی۔ اُس نے اپنے سینے پر اس طرح سے ہاتھ باندھ رکھے تھے جیسے وہ عبادت کرنے میں مصروف تھی۔ میں اُس کی طرف بڑے انہماک سے دیکھنے لگا۔ سفید دوپٹے کی محراب میں اُس کا پُر نور چہرہ آنکھوں سے دل میں اُتر رہا تھا۔ اُس کے حسین چہرے پر ایک تقدس سا تھا۔

چند لمحوں کے بعد شاید لڑکی کو احساس ہوگیا تھا کہ میں اُس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اُس نے میری طرف دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم بکھرا ہوا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور دوسری طرف کے دروازے میں سے ہوتی ہوئی کمرے میں

آ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں ناریل تھے جو اُس نے میری طرف بڑھا دیئے۔

میری پتلون کی جیب میں وہ ٹوٹی ہوئی چھری تھی جو میں نے بندرگاہ کے قریب وا
مکان میں سے اُٹھائی تھی۔ میں نے جیب سے چھری نکالی۔ پہلے تو ناریل کے اوپر جو
تھا اسے اُتارا...... وہ کمرے کے ایک کونے میں رکھا ہوا پیالا اُٹھا لائی جو ناریل کا پانی
کے کام آیا۔ میں نے ناریل کا منہ توڑ کر اُس میں سے پانی نکالا۔ پھر ناریل کو برآم
کے فرش پر دے مارا تو اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ میں نے اندر کے ٹکڑے چھر
مدد سے نکالے، پھر لڑکی کی طرف بڑھا دیئے۔

اب میرے دل سے وہم اور شک وشبہ دُور ہو گیا کہ یہ کوئی رُوح نہیں ہے بلکہ از
ہے۔ ایک جیتی جاگتی لڑکی ہے۔ اس قدر حسین اور معصوم۔ موہنی صورت کی تھی۔ میرا
ایک جرائم پیشہ تنظیم سے تھا۔ میرا واسطہ بہت حسین، جوان اور پُرکشش لڑکیوں سے
تھا۔ لیکن میں کبھی اُن سے ملتے، بات کرتے ہوئے جھجکا اور مرعوب نہیں ہوا تھا، نہ
احساسِ کمتری میں مبتلا ہوا۔ ان سے بہت بے تکلف ہو کر بات کرتا تھا۔

شہروں کی لڑکیاں بہت آزاد خیال اور بے باک قسم کی ہوتی ہیں۔ آج ایک بنگا
لڑکی اور امریکہ اور یورپ کی لڑکیوں میں ایسا کوئی خاص فرق نہیں رہا تھا۔ مغربی تہذ
الیکٹرونکس میڈیا، غیر ملکی فلمیں اور لٹریچر اُنہیں بہت دُور لے گیا۔ غربت و افلاس اور
ناہمواریوں کے باوجود وہ دل کے ارمان پورے کرنے کے لئے پیچھے نہیں ہٹتی تھیں۔
تو ماضی کے بارے میں سوچتی تھیں اور نہ مستقبل کے لئے فکر مند ہوتی تھیں۔ فقط ا
بانہوں میں بانہیں ڈال کر مسکراتی رہتی تھیں۔ ہر لمحے سے سرفراز ہونے کے لئے اُن
دل و دماغ میں کوئی اُلجھن نہیں تھی۔ وہ رفتہ رفتہ سماجی اور مذہبی بندھنوں کو بھی
سے توڑتی اور پامال کرتی جا رہی تھیں جس کی وجہ سے اب ان میں شرم وحجاب موج
رہا تھا۔ وہ مردوں سے دوستی کر کے فخر محسوس کرتی تھیں۔ اُنہیں خود نہیں معلوم تھا کہ
اس ملک کی تہذیب کہاں جا رہی ہے۔

اس لڑکی نے مجھ پر ایک شہزادی جیسا رُعب طاری کر دیا تھا۔ اس میں دبدبہ، وا
تمکنت تھی کہ میں اُس کی شخصیت سے مرعوب سا ہو گیا تھا۔

مینہ برسنے اور ہوا بند ہونے کی وجہ سے کمرے میں گرمی اور حبس بڑھنے لگا تھا۔
میں بارش میں نہانے کے خیال سے دروازے کی طرف بڑھا تو اُس نے حیر

پوچھا۔ ’’تم کہاں جا رہے ہو؟‘‘

’’بارش میں نہانے کے لئے......‘‘ میں نے کہا۔ ’’مجھ سے گرمی برداشت نہیں ہو پا رہی ہے۔‘‘

’’نہیں نہیں...... بارش میں ہرگز نہیں نہانا۔‘‘ اُس نے مجھے اشارے سے باہر جانے سے روک دیا۔

’’کیوں...... بارش میں نہانے میں کیا حرج ہے؟‘‘ میں نے متعجب نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

’’اس لئے کہ بخار بھی ہو سکتا ہے...... ساون کا یہ مینہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔‘‘ وہ بولی۔ ’’تمہیں احتیاط کرنی چاہئے۔ تم نہ نہاؤ تو اچھا ہے، ادھر بیٹھ جاؤ! گرمی اور حبس محسوس نہیں ہو گا۔‘‘

میں نے فوراً ہی ایک سپاہی کی طرح اُس کی بات مان لی۔ وہ جیسے میری افسرِ اعلیٰ ہو۔

’’کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ پیشہ ور قاتل تمہاری جان کے دشمن کس لئے ہو گئے؟‘‘ اُس نے پوچھا۔

’’اس لئے کہ میں نے سرغنہ کے حکم پر عمل نہیں کیا...... حکم عدولی پر اُس نے میری موت کا حکم صادر کر دیا۔‘‘

’’آخر اُس نے تمہیں کیا حکم دیا تھا......؟‘‘ وہ بولی۔ ’’جو تم نے حکم عدولی کی؟‘‘

’’اُس نے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی جو فرشتہ صفت تھا...... ایسے لوگ بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ بنگلہ دیش کے ہندو مسلمان اُسے دیوتا اور فرشتہ سمجھتے ہیں۔‘‘

’’تم نے اُس کا نام نہیں بتایا......؟ کیا وہ بہت مشہور شخصیت ہے؟‘‘ اُس نے پوچھا۔

’’اُن کا نام خوند کر محمد ایاز ہے۔ کیا تم نے اُن کا نام سنا ہے......؟‘‘ میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

’’خوند کر محمد ایاز......؟‘‘ وہ بڑے زور سے چونکی۔ ’’اس عظیم اور مثالی آدمی کو کون نہیں جانتا؟ تمہارے سرغنہ نے اُنہیں کیوں قتل کرنے کے لئے کہا تھا؟‘‘

’’اُس نے کہا تھا کہ میں اُنہیں ذبح کر دُوں...... میں نے اپنی زندگی میں کسی معصوم اور بے گناہ کا خون نہیں کیا...... ایک مرغی تک ذبح نہیں کی...... پھر میں بندرگاہ سے ایک

موٹر بوٹ میں فرار ہوا کہ ہندوستان پہنچ جاؤں۔ لیکن طوفان اور سمندر نے یہاں پہنچا دیا۔"

"تمہاری کہانی بڑی دردناک ہے...... لیکن تم نے انسانیت کے لئے بڑی جرأت اور بہادری دکھائی۔ تمہاری اس انسانی جذبے کی تعریف نہ کرنا بڑی بدذوقی ہو گی۔" وہ بکھرے لہجے میں بولی۔

"میں نے اپنی زندگی میں بڑے دُکھ سہے ہیں۔" میں نے ایک سرد آہ بھری۔ "مجھے میرا ماضی یاد آتا ہے تو دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

"دُکھ اور ماضی کی باتیں نہ کرو۔" وہ بولی۔ "اس سے دل کو اور صدمہ پہنچے گا۔"

اُس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ بہت ساری باتیں کروں۔ میرے اندر جو ایک وحشت اور اضطراب تھا وہ باتیں کرنے سے ہی دُور ہو سکتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ لڑکی بھی بولے۔ کسی بھی موضوع پر ہم دونوں باتیں کرتے رہیں۔ موضوعات کی کوئی کمی نہیں تھی۔ باتیں کرنے سے ہی دل کو سکون اور اطمینان مل سکتا تھا۔

میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اُس سے پوچھا۔ "تم اس جزیرے پر کب سے ہو......؟"

"بہت دنوں سے اس جزیرے پر رہ رہی ہوں۔" اُس نے بتایا۔

"جب تم یہاں آئی تھیں اس وقت اس جزیرے پر تمہیں لوگ دکھائی دیئے تھے؟" میں نے دریافت کیا۔

"جی نہیں... میں نے اس جزیرے پر کسی ذی رُوح کو نہیں دیکھا۔" اُس نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ جزیرے پر میرے سوا کوئی اور آدمی نہیں ہے؟" میں نے کہا۔

"جی ہاں۔" اُس نے اپنا خوشنما سر ہلایا۔ "اس وقت یہاں صرف ہم دونوں ہیں۔"

"کیسا عجیب اتفاق ہے کہ سمندر کی لہروں نے مجھے اس جزیرے کے کنارے لا کر ڈال دیا۔" میں نے کہا۔

"نہیں...... یہ عجیب اتفاق نہیں ہے۔ تم اسے اتفاق نہیں کہہ سکتے ہو۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ ایک عجیب اتفاق نہیں ہے تو اور کیا ہے؟" میں نے حیرت سے اُس کی طرف

دیکھا۔

"اللہ نے تمہیں یہاں میری مدد کے لئے بھیجا ہے۔ اُس کی باتیں مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔"

میری حیرت دوچند ہو گئی۔ میں نے کسی جوان لڑکی کے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنی تھیں۔ اس عمر میں کوئی لڑکی ایسی باتیں نہیں کرتی۔

مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہہ ہی دیا۔ "میں خواب و خیال میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ اس جزیرے پر مجھے کسی عجیب و غریب مخلوق سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔"

لڑکی کے سرخ ہونٹوں پر تبسم کی کلیاں کھل اُٹھیں۔ یہ مسکراہٹ مصنوعی نہ تھی۔ رسمی اور کاروباری انداز کی مسکراہٹ سے یکسر مختلف...... اُسے میری بات ناگوار نہیں لگی تھی۔ یہ دل میں اُتر جانے والی مسکراہٹ تھی۔

"دنیا کی ساری مخلوق اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔" وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔

"کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ یہ مخلوق کہاں سے آئی ہے اور اس جزیرے پر کیسے پہنچی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں کھلنا میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی۔ وہاں ایک سماجی بہبود کا ادارہ تھا۔ اُس میں رضاکارانہ طور پر استانیاں اور نرسیں بھی اپنی خدمات پیش کرتی تھیں۔ جب دیش میں طوفان اور سیلاب سے تباہی مچ جاتی تھی، ہمیں کسی ایسے علاقے میں بھیج دیا جاتا تھا جہاں غریب اور پسماندہ لوگ ہوتے تھے۔ اس مرتبہ ہمیں چٹاگانگ بھیج دیا گیا کیونکہ کاکسس بازار اور رنگا ماٹی میں کچھ زیادہ ہی تباہی ہوئی تھی۔ ہمارا قیام وہاں کسی وجہ سے کچھ زیادہ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں بہت سارے لوگ ادویات اور کچھ امدادی سامان لے کر پہنچے ہیں۔ وہ مجھے اور میری ساتھی لڑکیوں کو مشکوک قسم کے لگے کیونکہ اُن کی امدادی کارروائیاں صرف عورتوں تک محدود تھیں۔ خصوصاً ایسی لڑکیاں جو نوجوان اور خوبصورت تھیں۔ ہمارے گروپ میں جو لڑکیاں تھیں ان میں نوجوان اور بہت حسین لڑکیاں بھی شامل تھیں۔

ایک روز ہمارے کیمپ کے انچارج نے ہم سے کہا کہ سری لنکا میں طوفان سے بڑی تباہی پھیلی ہے۔ حکومت وہاں عورتوں کی ایک امدادی ٹیم بھیجنا چاہتی ہے، اس کے علاوہ وہاں کے کچھ پناہ گزین عورتیں اور بچے بھی ہیں، اُنہیں بھی ایک بحری جہاز میں بھیجا جا رہا

ہے۔ وہاں کون کون جانا چاہتا ہے؟ ہم پانچ لڑکیاں وہاں انسانی جذبے اور سیاحت کے خیال سے جانے کے لئے تیار ہوگئیں۔ دو تین دن کے بعد ہم بحری جہاز میں جا رہی تھیں۔ ایک نامعلوم چھوٹے طیارے نے وائرلیس پر جہاز کے کپتان کو جہاز روکنے کا حکم دیا۔ یہ طیارہ بردہ فروش مافیا والوں کا تھا جو بنگلہ دیش سے حسین و جمیل اور نوجوان لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر، سبز باغ دکھا کر، اعلیٰ ملازمتوں کا فریب دے کر امریکہ پہنچانے کے خواب دکھا کے بنگلہ دیش سے باہر لے جا کر فروخت کر دیتا تھا۔ ساری دنیا میں زلف بنگال اور ایشیائی لڑکیوں کی بڑی مانگ ہے۔ ایشیائی لڑکیوں خصوصاً بنگالی لڑکیوں کی سانولی رنگت میں جو کشش اور جاذبیت ہے، وہ دوسری لڑکیوں میں بہت کم ہوتی ہے۔ اس جہاز میں اس مافیا کے بھی کچھ لوگ تھے۔ جہاز کے کپتان کو اس مافیا کے بارے میں علم تھا، اُس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ دن میری زندگی کا بہت ہی بھیانک اور بدترین دن تھا۔'' وہ بولتے بولتے رُک گئی۔ اُس کا چہرہ دُھلی چادر کی طرح سفید پڑ گیا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر دوبارہ گویا ہوئی۔

''اُس طیارے سے ہمارے جہاز کے عرشے پر دو بم گرائے گئے۔ انہوں نے ہمارے جہاز پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ بم جہاز کے باہر دھمکانے اور ڈرانے کے خیال سے گرائے گئے تھے۔ لیکن ان کا نشانہ چوک گیا۔ پھر کیا تھا، جہاز کو آگ لگ گئی۔ جہاز کے عملے نے دو تین کشتیوں میں عورتوں اور بچوں کو سوار کرا دیا۔ ایک کشتی میں ہم پانچ لڑکیوں کو بٹھا دیا گیا۔ دو آدمی ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ دو آدمی مافیا کے تھے۔ چونکہ رات کا وقت تھا، گھپ اندھیرا تھا، جہاز میں جو آگ لگی تھی اس کی روشنی میں کشتیاں چل پڑیں۔ کچھ دُور جانے کے بعد ہماری کشتی نے رُخ بدل لیا۔ ہماری کشتی سب سے پیچھے تھی۔ ایک لڑکی نے اس کا سبب دریافت کیا تو ایک بدمعاش نے ریوالور نکال کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لڑکیاں خوف سے کانپنے اور رونے لگیں۔ وہ دونوں بدمعاش رات بھر چپو چلاتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو ہم اس جزیرے پر پہنچے۔ ہمیں ساحل پر ایک چھوٹی کشتی نظر آئی جس میں بمشکل پانچ چھ آدمی سفر کر سکتے تھے۔ ہم جس کشتی میں یہاں پہنچے اُس میں بارہ افراد آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔

یہ جزیرہ سنسان اور ویران پڑا تھا۔ اس جزیرے پر کچھ آبادی تھی جو ایک روز پہلے ہی بھاگ گئی تھی۔ اس لئے کہ یہاں ہیضہ پھوٹ پڑا تھا۔ پھر ہم اس مکان میں آ کر ٹھہرے۔

ایک لڑکی کے پوچھنے پر ایک بدمعاش نے کہا کہ...... اب تم اپنے گھر اور اپنے دیش کو بھول جاؤ! کیونکہ اب تمہاری ایک نئی، حسین اور خواب ناک زندگی کا آغاز ہونے والا ہے۔ تم لوگ ساری زندگی عیش کرو گی۔ کیونکہ دنیا کے بڑے رئیس زادے تمہارے قدر دان ہوں گے۔ تمہارا نیلام امریکہ میں ہوگا۔ پھر تم رئیس زادوں کی بیویاں بن جاؤ گی...... ہم تمہیں یہاں سے ہندوستان لے جائیں گے۔ تم سب کو تعاون کرنا ہوگا۔ وہاں تمہارے پاسپورٹ بنیں گے۔ تمہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرایا جائے گا۔ اگر تم میں سے کسی نے فرار ہونے کی کوشش کی تو اس کی سزا یہ ہوگی...... اُس نے اپنی جیب سے ایک بوتل نکال کر دکھائی۔ اُس نے بتایا کہ اس میں تیزاب بھرا ہوا ہے۔ حکم عدولی کی سزا یہ ہے کہ چہرے پر تیزاب پھینک دیا جائے گا۔ ہم اُس کی باتیں سن کر رونے لگیں۔ پھر میرے دل نے کہا کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ پھر میں نے اپنی سہیلیوں سے کہا کہ رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اُسے پکارو! یاد کرو جو مدد کرنے والا ہے۔ وہ ہماری عزت و آبرو اور جان کی حفاظت کرے گا۔ جب ہم دل میں اُس سے گڑگڑا کر فریاد کرنے لگیں تو قلب کو بڑا اطمینان اور سکون ہوا۔

دوسرے دن صبح ساحل پر آئے تو دیکھا کہ بڑی کشتی غائب ہے۔ صرف ایک چھوٹی کشتی موجود ہے۔ قدموں کے نشانات سے پتہ چلا کہ جزیرے میں کچھ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ وہ ہماری کشتی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ چونکہ اس چھوٹی کشتی میں سات افراد نہیں آ سکتے تھے اس لئے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ ایک بدمعاش نے کہا کہ دو ایک دن میں آ کر تمہیں لے جائیں گے۔ تم انتظار کرنا۔ پھر وہ چلے گئے۔ اب تو بہت دن ہو گئے ہیں، وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔ لیکن وہ آئیں گے ضرور...... میں اُس روز سے یہاں اکیلی ہوں۔ اگر کوئی رکھوالا ہے تو وہ اللہ ہے اور پھر تم کل آ گئے۔''

اُس کی آواز بھرا گئی اور اُس کی بڑی بڑی جھیل جیسی سیاہ آنکھیں صاف و شفاف موتیوں سے بھر گئیں۔

میں سوچنے لگا، یہ دور مافیا کا ہے۔ میں اس بردہ فروش مافیا سے واقف تھا۔ وہ صرف غربت و افلاس کی چکی میں پستی ہوئی حسین اور نوجوان لڑکیوں کو شکار نہیں کرتے تھے بلکہ شہروں کی تعلیم یافتہ اور خوابوں کے پیچھے بھاگنے والی لڑکیاں بھی اُن کے جال میں پھنس جاتی تھیں۔ اب اس دنیا میں ہر قسم کی مافیا تھی۔ پہلے ملکوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی اور

اب مافیاؤں کے درمیان...... ان کے پاس کیا کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کی ہوس اور فتنہ پروری بڑھتی جارہی تھی۔

یہ لڑکی یہاں بہت دنوں سے تھی۔ اب تک اسے لینے کے لئے کوئی نہیں آیا تھا اور نہ ہی ان بدمعاشوں کے آنے کی کوئی توقع تھی۔

❑......❑

اُس روز کے بعد سے ہم دونوں اکٹھے رہنے لگے۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ میں ایک جوان مرد تھا اور وہ ایک جوان لڑکی تھی۔ اس ویران جزیرے میں ہم دونوں ہی مافیا کے ستم کے شکار تھے۔ اب یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ گو کہ ہم نے پراسرار اور غیر یقینی حالات میں رہنا سیکھ لیا تھا، لیکن پھر بھی دل و دماغ کی ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ ہماری مثال آگ اور برف کے تودے کی سی تھی جسے سنگ سنگ کر دیا گیا ہو۔

میں ایک جرائم پیشہ تنظیم کا ایک فعال رُکن تھا۔ مجھے ہر قسم کی تربیت کے علاوہ جنگل کی تربیت بھی دی گئی تھی۔ اسمگلنگ کے دوران ہر قسم کے حالات اور خطرات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس سے میں جوان مردی اور بے خوفی سے نمٹ لیتا تھا۔ اس کے علاوہ میں ایک زندہ دل اور اسمارٹ شخص بھی تھا۔ اس گروہ میں میری حقیقت پسندی اور آزاد خیالی مشہور تھی کیونکہ میں نے خوش باش رہ کر زندگی گزارنا سیکھ لیا تھا۔ کبھی میں نے آنے والے دن اور مستقبل کے اندیشوں کو دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ میرے اپنے وضع کردہ کچھ اصول تھے جن پر میں چلتا تھا۔

میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس حسین اور نوجوان لڑکی کی حفاظت کروں گا، اس طرح جس طرح ایک کسان اپنی زمین کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ لڑکی اب میری ملکیت تھی۔ ملکیت کی ہی تو بھرپور حفاظت کی جاتی ہے۔

لیکن میں نے اُس لڑکی کو اپنے خیالات اور احساسات کے برعکس پایا۔ اُس کا نام ناجیہ تھا۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے اُسے اپنے پر کچھ حد سے زیادہ اعتماد ہے۔ اُسے ایک مرد کی موجودگی کی کوئی پرواہ اور خوف بالکل نہ تھا۔ ایک تو اُس میں پندارِ حسن نہ تھا شاید اس لئے کہ اُس نے کبھی سنجیدگی سے اپنے حسن و جمال کے بارے میں نہیں سوچا تھا یا پھر اُس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہ ایک عجیب سی بات تھی کیونکہ ایک لڑکی معمولی سی حسین بھی ہو تو وہ اپنے آپ کو دنیا کی حسین ترین لڑکی سمجھتی ہے۔ میں خوبصورت، جوان

اور دراز قد ہی نہیں بلکہ بے حد وجیہہ بھی تھا لیکن اُس نے مجھے بھولے سے بھی ایک عورت کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے زمین پر تربیت حاصل کی تھی مگر اُسے دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ قدرت نے اُس کی انجانے طور پر تربیت کی ہے۔ اُس نے ایک مذہبی گھرانے میں پرورش پائی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اُس نے مجھ میں کوئی کشش محسوس کی اور نہ میری وجاہت سے متاثر ہوئی حالانکہ لڑکیاں مجھے دیکھ کر متوجہ ہو جاتی تھیں۔ عجیب قسم کی لڑکی تھی۔ اُستانی بھی تھی اور نرسنگ کی تربیت بھی حاصل کی ہوئی تھی۔

میں نے ان دنوں میں اُس کے قریب رہ کر محسوس کیا تھا کہ ناجیہ ایک صاف و شفاف آئینہ ہے۔ گو کہ میں نے اُسے اپنی طرف ملتفت نہیں پایا مگر میرے دل میں اُس کے خلاف بیزاری کے کوئی جذبات نہ تھے۔ میں نے جو اُس کی ذمہ داری خود قبول کی تھی، میں اس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ لیکن میں یہ سوچے بغیر نہیں رہتا تھا کہ قدرت نے آخر اُسے کس مٹی سے بنایا ہے۔

ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔ ہمارے درمیان بہت زیادہ فاصلہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جب وہ سونے کے لئے بستر پر دراز ہوتی تو اُس کی آنکھ فوراً ہی لگ جاتی جیسے اُسے کوئی فکر اور پریشانی لاحق نہ ہو۔ پھر میں اُسے اس طرح دیکھتا جیسے پونم کا چاند دیکھ رہا ہوں۔ اُسے دیکھتے دیکھتے اُس کے متعلق سوچے بغیر نہیں رہتا تھا کہ یہ انوکھی لڑکی قدرت کے ایسے اسرار میں سے ہے جسے میں بے نقاب نہیں کر سکتا۔ آخر وہ میرے ساتھ بے تکلفی سے بات کیوں نہیں کرتی ہے جس کی مجھے بڑی تمنا تھی۔ کون سی بات مانع ہے؟ اُس کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس طرح قریب آ جاتی جیسے ہم جنم جنم کے ساتھی ہوں۔ کیونکہ آج کے دور کی لڑکیوں میں جھجک نام کو نہیں ہوتی۔ لیکن یہ تین سو سال پہلے کی دقیانوسی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔

میں نے اُسے زیادہ تر عبادت میں مشغول دیکھا۔ جب کبھی ہم بات کرنے بیٹھتے تو وہ بولتی کم تھی لیکن میری باتیں خاموشی اور دھیان سے سنتی تھی۔ اُس نے مجھ سے یہ تک نہ کہا کہ...... ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، ایک ہی مصیبت کے حصار میں ہیں، ایک خوف و دہشت دل و دماغ پر طاری رہتی ہے کہ وہ لوگ کبھی ہماری تلاش میں آ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ تمہارا جرم ناقابل معافی ہے۔ اُنہیں میری ضرورت اس لئے ہے کہ وہ مجھے کسی

غیر ملک میں لے جا کر نیلام کر دیں گے۔ میں اُن کے لئے ایک نایاب اور انمول ہیرا ہوں۔ کیا تمہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں ہے کہ مصیبت کہہ کر نہیں آتی۔ آخر تم اس بلا سے نجات پانے کے لئے دُعا کیوں نہیں کرتے؟

مجھے اس بات سے سخت اُلجھن اور کوفت ہوتی تھی کہ وہ میرے ساتھ کسی اور موضوع پر بات کیوں نہیں کرتی۔ عورتوں کے لئے بھلا موضوعات کی کیا کمی ہے؟ پھر کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ جیتی جاگتی عورت نہیں بلکہ کوئی رُوح ہے اور میں اس جزیرے میں بالکل تنہا ہوں۔

میرے لئے یہ بھی حیران کن امر تھا کہ یہ حسین اور جوان لڑکی میری ہر وقت کی موجودگی سے خوف کیوں نہیں کھاتی؟ اس کے رویئے سے یہ صاف ظاہر تھا کہ اس میں غیریت بالکل نہیں ہے بلکہ وہ میرا بڑا ادب و احترام کرتی تھی۔ شاید اس لئے کہ میں نے اُسے میلی نظروں سے نہیں دیکھا۔

کبھی کبھی میں محسوس کرتا کہ برف کا تودہ پگھلنے لگا ہے اور وہ میری ذات میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ لیکن پھر ہمارے درمیان کوئی دیوار سی کھڑی ہو جاتی۔

لیکن ہم دونوں کے درمیان اس دیوار کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ زندہ رہنے کا تھا۔

○□○

جزیرہ بہت خوبصورت اور نہ صرف بہت بڑا بلکہ سرسبز و شاداب بھی تھا اور قدرت کی نعمتوں سے مالا مال تھا۔ قدرت نے اسے بڑی فیاضی سے نوازا ہوا تھا۔ جزیرے میں پانی کی کوئی کمی نہ تھی۔ ناریل کے درختوں کی بہتات تھی۔ چاروں طرف وہ سپاہیوں کی طرح ایستادہ نظر آتے تھے۔ اس علاقے میں ایک اور پھل بھی تھا۔ ہم دونوں نے اس پھل کو صرف اس جزیرے پر پایا تھا۔ اس پر سیب کا گماں ہوتا تھا لیکن اس میں کوئی ذائقہ نہ تھا۔ پھر بھی ایسا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ حلق سے نہ اُترے۔ اسے بدمزہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس سے پیٹ بھرا جا سکتا تھا۔ زندہ رہنے کے لئے آدمی کیا کچھ نہیں کھا لیتا۔ بھوک میں بدمزہ چیزیں بھی ایک نعمت معلوم ہوتی ہیں۔

انسان گوشت کے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ گوشت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے اور پیٹ ایک طرح سے اس کی طلب شدت سے محسوس کرتا ہے۔ گوشت کی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہاں طرح طرح کے پرندے موجود تھے اور جانور بھی دکھائی دیئے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ انہیں شکار کرنے کی کوئی سہولت نہ تھی۔ اگر انہیں کسی طرح شکار کر لیا جائے تو پھر سوال اُٹھتا تھا کہ انہیں کس طرح پکایا جائے؟ کیونکہ آگ جلانے کے لئے ماچس نہیں تھی۔ ہم دونوں نے ماچس کی تلاش میں جزیرے کا ایک گھر بھی نہیں چھوڑا تھا۔ ہر گھر کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ یہاں کے لوگ ماچس کی ڈبیا کو بھی اس طرح لے گئے جیسے وہ کوئی قیمتی ہیرا ہو۔ اس لئے ہم نے ان مچھلیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی جو ندی میں تیرتی رہتی تھیں۔ ان مچھلیوں کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا تھا اور ہم ٹھنڈی سانس بھر کے رہ جاتے تھے۔

یہ جزیرہ میرے اندازے کے مطابق تین میل لمبا اور ایک میل چوڑا تھا۔ ناجیہ نے تنہا ہونے کی وجہ سے پورا جزیرہ نہیں دیکھا تھا لیکن میرے کہنے پر میرے سنگ سنگ پورے جزیرے کو دیکھ لیا تھا۔ اس کے سوا ہمارے پاس کام بھی کیا تھا۔ اس میں اُونچی نیچی

پہاڑیاں اور ٹیکریاں بھی تھیں۔ جنگل کا کچھ علاقہ گھنا اور تاریک تھا۔ جو ٹیکریاں جنگل میں تھیں وہ ڈھکی ہوئی تھیں، کچھ جگہوں پر درخت نہ ہونے کے برابر تھے۔

ہم دونوں نے کسی پناہ کی تلاش میں پورا ایک دن صرف کر دیا۔ پھر ہمیں ایک ایسی پہاڑی دکھائی دی جو بڑی محفوظ تھی۔ روپوش ہونے کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم نے اس وقت یہاں روپوش ہونے کا فیصلہ کیا تھا جب کوئی خطرہ ہو یا دشمن ہماری تلاش میں آئے۔

ایک روز میں نے کولمبس کی طرح جزیرے میں ایک گاؤں دریافت کر لیا۔ بیشتر جھونپڑی نما مکانات آگ کی نذر ہو چکے تھے۔ کچھ اندازہ نہ ہو سکا کہ ان جھونپڑیوں میں آگ لگنے کی کیا وجہ تھی؟ یہ آبادی کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ میں نے اس کا کونہ کونہ دیکھا تھا۔ شاید ماچس یا کام کی چیز مل جائے۔ وہاں ہر چیز خاکستر تھی۔ پھر میں ان مکانوں کی طرف گیا جو آگ سے محفوظ تھے۔ اُن کا بچنا ایک معجزہ ہی تھا۔ یہاں سے جانے والوں نے ایک برتن کیا ایک چمچہ تک نہیں چھوڑا تھا۔ ایک جوڑا کپڑا تو درکنار ایک گز کپڑا تک بھی نہیں تھا۔

جب میں نے اچھی طرح سے جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ لوگ یہاں سے عجلت اور سراسیمگی کی حالت میں نہیں گئے بلکہ بڑے سکون و اطمینان سے نقل مکانی ہوئی ہے۔ یہ لوگ صرف کشتیوں میں نہیں بلکہ بڑی لانچوں میں اپنا سارا سامان لے کر گئے ہیں۔ ایک ماچس، برتن اور چمچہ تک چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

میں دوبارہ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد ایک قریبی پہاڑی کی طرف بڑھا۔ پہاڑی پر چڑھ کر میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ یہاں سے چاروں طرف اُفق تا اُفق سمندر دکھائی دیا۔ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر...... یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر یہ لوگ چلے کہاں گئے؟ بنگلہ دیش میں کوئی نہ کوئی وبا پھوٹتی رہتی تھی۔ یہ لوگ کہاں جا سکتے ہیں؟ کولمبو جا نہیں سکتے کیونکہ سری لنکا کی حکومت بغیر ویزا یا پاسپورٹ انہیں اپنے ملک میں گھسنے دینے سے رہی۔ یوں بھی اس ملک میں بھی غربت و افلاس تھا جس طرح بنگلہ دیش میں اور پھر ہندوستان جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ شاید سندیپ جزیرے یا چان پورٹ چلے گئے ہوں۔ یہ کون سا جزیرہ ہے مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ نہ ہی میں نے کبھی اس جزیرے کے بارے میں سنا تھا۔ لیکن یہ بات مسلمہ تھی کہ یہ

جزیرہ بنگلہ دیش میں ہی تھا۔

میں بہت دیر تک اپنے سامنے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو دیکھتا رہا۔ مجھے اس بات کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ کاکامیاں کے آدمی میری تلاش میں ادھر نکل آئیں گے۔ نہ ناجیہ کو لینے وہ بدمعاش آئے تھے۔ شاید ان کا بھی آنے کا امکان نہیں رہا تھا۔ ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا تھا۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ راستہ بھول گئے ہوں۔

لیکن چند لمحوں کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ یہ میں اپنے آپ کو فریب دے رہا ہوں۔ کاکامیاں کے گروہ کے بارے میں سوچنے سے میرے اعصاب ہلکے پھلکے نہیں ہوئے تھے اور سینے میں ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ کاکامیاں کبھی میرا جرم معاف نہیں کرے گا۔ اُس کا کوئی ہیلی کاپٹر یا چھوٹا طیارہ یا لانچ وغیرہ بھی آ سکتی تھی۔ ایک حملہ آور فوج کی طرح اس جزیرے پر اُس کے آدمی قدم رکھ سکتے تھے۔ بالفرض محال لانچ میں بھی اُس کے آدمی آ گئے تو یہ جزیرہ ان کے قبضے میں آ جائے گا۔ مجھے ان کی آمد کا خطرہ پریشان کر رہا تھا۔ ان کے آنے کی صورت میں کس طرح جان بچائی جائے؟ کیا ہم اُن کی نظروں سے بچ کر رہ سکتے ہیں؟ اگر کاکامیاں کے آدمی نہ آئیں، ناجیہ کو لینے کے لئے بدمعاش آ جائیں تو کیا ہوگا؟ وہ ایک بہت ہی حسین، نازک اور معصوم سی لڑکی ہے۔ اگر وہ ان بردہ فروشوں کے ہتھے چڑھ گئی تو میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ یہ تصور میرے لئے رُوح فرسا تھا کہ بردہ فروش ناجیہ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔ میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں اس طرح سے پہاڑی سے اُتر آیا جیسے مجھے دھکا دیا گیا ہو۔ میں مکان کی طرف اس طرح دوڑتا ہوا گیا جیسے وہ بردہ فروشوں کے نرغے میں ہو۔ جب میں نے مکان پر پہنچ کر ناجیہ کو خیریت سے دیکھا تو میری جان میں جان آئی۔

تین دن بعد میں نے ناجیہ کو مکان میں چھوڑا اور ندی کی طرف لپک گیا کیونکہ بڑی کسلمندی ہو رہی تھی۔ ندی میں نہانے سے ایک عجیب سی فرحت اور تازگی محسوس ہوتی تھی۔ میں نے ابھی دو تین ڈبکیاں لگائی تھیں کہ مجھے فضا میں گھن گرج سی سنائی دی...... پہلے تو میں یہ سمجھا کہ یہ چھوٹے طیارے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے آواز قریب آتی گئی تو میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ دو ہیلی کاپٹر تیزی سے نیچی پرواز کرتے ہوئے آ رہے تھے...... میں فوراً ہی ندی سے نکل کر درختوں کی طرف لپکا اور ان کے درمیان اپنے آپ کو اس

طرح چھپالیا کہ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے، البتہ میں اُنہیں دیکھ سکتا تھا۔

میں نے دونوں ہیلی کاپٹروں کو پہچان لیا۔ یہ کاکا میاں کے گروہ کے تھے...... میں اُن کے پائلٹوں کو بھی جانتا تھا۔ میں ان ہیلی کاپٹروں میں کئی بار بیٹھ بھی چکا تھا۔ وہ جزیرے پر چکر لگانے لگے۔ اُن کی بلندی غیر محسوس انداز سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ ناریل کے درختوں کے باعث وہ زیادہ نیچی پرواز نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کوئی نصف گھنٹے تک جزیرے پر تیزی سے چکر لگاتے رہے۔ دُور بین سے بھی دیکھتے جا رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اُنہیں شک ہو گیا ہے کہ میں یہاں روپوش ہوں۔ وہ شاید میری ایک جھلک دیکھنے کے لئے چکر کاٹتے رہے تھے۔

دونوں ہیلی کاپٹر ان درختوں کے سر کے اوپر سے بھی گزرے تھے جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ جب میں نے اُن کی آواز سے یہ محسوس کیا کہ وہ دُور اور شمال کی سمت چلے گئے ہیں تو میں مکان کی طرف لپکا۔ ناجیہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ وہ شاید مکان میں تھی۔ جب ہیلی کاپٹر دُور چلے گئے تب وہ برآمدے میں آئی تھی۔ وہ بہت ہی کم گو تھی۔ باتیں کرنے میں بخل سے کام لیتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں جو سوال تھا وہ بہت واضح تھا۔

''یہ میرے دشمن کے ہیلی کاپٹر تھے جو میری تلاش میں آئے تھے۔ وہ جزیرے پر اس لئے اتنی دیر تک چکر لگاتے رہے تھے کہ شاید میں نظر آ جاؤں۔ ان کا چکر لگا کر جانا نیک شگون نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ وہ پھر ادھر کا رُخ کریں گے۔'' میں باوجود کوشش کے اپنے خوف اور چہرے کی گھبراہٹ کو چھپا نہ سکا۔

''اُن کے یہاں آنے کے بعد کیا ہوگا......؟'' ناجیہ نے بڑی معصومیت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ مجھے لینے آئیں گے۔ کیونکہ میں نے اس گروہ کا قلع قمع کرنے کے لئے پولیس کو تمام راز پہنچا دیئے تھے۔ لیکن تم اُن کی نظر میں آؤ گی تو پھر گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا۔'' میں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''اُن کے یہاں آنے کی صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' اُس کی حالت ایک خوفزدہ ہرنی کی سی ہو رہی تھی۔

''ہم اُن کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ ہتھیار بھی ہوں تو ایک آدمی بہت سارے مسلح بدمعاشوں سے کیسے لڑ سکتا ہے؟'' میں نے جواب

دیا۔

''تو کیا اس مکان یا کسی جگہ ہم چھپ نہیں سکتے؟'' اُس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا اُن کے آنے کا امکان ہے؟''

''نہیں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''وہ دوبارہ آئیں گے تا کہ اپنا شک دُور کر سکیں۔ یہ مکان اور کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آتی ہے جو محفوظ ہو۔ وہی جگہ زیادہ محفوظ ہے جو ہم نے ڈھونڈ رکھی ہے۔ مگر ہمیں ایسی جگہ تلاش کرنا ہو گی جو پہاڑی کے اُوپر ہو نہ نیچے...... اور جس کے اُوپر گھنے درختوں کا سایہ ہو اور وہ جگہ جھاڑیوں سے گھری ہوئی ہو۔ اس کے قریب سے کوئی راستہ بھی نہ گزرتا ہو...... میرا خیال ہے کہ ہمیں ایسی جگہ مل جائے گی۔''

''تو کیا کل سے ایسی جگہ کی تلاش شروع کریں گے؟'' اُس نے کہا۔

''کل نہیں بلکہ آج ابھی اور اسی وقت...... کیونکہ وہ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ بہتر موقع ہے۔ اُن کے آنے کے بعد ہم کہاں مارے مارے پھریں گے؟ اس وقت بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔''

وہ میری بات اس طرح سن رہی تھی جیسے میں لیکچر دے رہا ہوں اور وہ کوئی طالبہ ہو۔ پھر اُس نے کہا۔ ''ہم اُنہیں دیکھتے ہی کسی جگہ چھپ جائیں گے تم اس قدر پریشان اور ہراساں کیوں ہو رہے ہو؟ وہ ہمیں نہ پا کر واپس چلے جائیں گے۔''

''اب وہ آئیں گے تو دو ایک گھنٹوں کے لئے نہیں بلکہ کچھ دنوں کے لئے...... تا کہ جزیرے پر ہمارا کھوج لگا سکیں۔ وہ ایک دن میں تو اس جزیرے کا چپہ چپہ چھان مارنے سے رہے...... جب تک وہ ایک ایک کونے کی خاک نہ چھان لیں اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے اور نہ واپس جائیں گے۔''

''تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہو...... جو تم کہو گے میں اس پر عمل کروں گی۔'' ناجیہ نے کہا۔

''تو پھر چل پڑو......'' میں نے کہا۔ ''ہمارے لئے ایک ایک لمحہ اہم اور قیمتی ہے۔''

میں اتنا کہہ کر برآمدے کی سیڑھیاں اُتر کر چل پڑا۔ پھر وہ بھی میرے پیچھے پیچھے خاموشی سے چل پڑی۔ میں نے چلتے چلتے غیر محسوس انداز سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اُس کا بشرہ اور آنکھیں جیسے مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں ایک عام آدمی کی طرح سمجھ رہی تھی لیکن اس وقت تم یکسر مختلف نظر آ رہے ہو۔ تم ایک پُر جوش سپاہی کی

طرح چل رہے ہو، گردن تنی ہوئی اور سینہ پھولا ہوا ہے، چال بھی تیز ہے۔ تم عام قسم کے مرد نہیں ہو بلکہ ایک طاقتور مرد ہو اور تمہارے جسم میں اتنی قوت ہے کہ تم نہایت آسانی سے اپنے دشمن کو تباہ کر دو گے......

میں کوئی قیافہ شناس نہیں تھا لیکن اس کے بشرے اور آنکھوں سے اس کے احساسات محسوس ہو رہے تھے۔ میں نے اب تک اُس کی بہت ساری باتوں کو اسی طرح محسوس کیا تھا۔ وہ ایک بے نیاز اور بے پرواہ سی لڑکی کی طرح تھی لیکن اس وقت میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُسے میری اہمیت، مردانگی اور طاقت کا احساس ہونے لگا ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک کمزور سی لڑکی سمجھنے لگی ہے۔ اُس نے جیسے دل ہی دل میں مجھے اپنا محافظ بنالیا تھا۔

مجھے چلنے کی رفتار کم کرنا پڑی۔ کیونکہ وہ ساڑھی میں ہونے کے سبب اس تیز رفتاری سے نہیں چل سکتی تھی جس طرح میں چل رہا تھا۔ میں تو کچھ اس طرح سے چل رہا تھا جیسے کوئی عفریت تعاقب میں ہو۔ لیکن اُس نے مجھے کسی لمحے آہستہ چلنے کے لئے نہیں کہا۔ وہ مجھ سے قدرے مرعوب تھی۔ اُسے شاید اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ مجھے اپنے سے زیادہ اس کی حفاظت کا خیال ہے۔ وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اتنا تیز کبھی نہیں چلی ہے۔

میں تین چار ٹیکریوں پر چڑھا اور آگے جا کر اُترنا پڑا۔ ناجیہ کے پیر چڑھائیاں چڑھ چڑھ کر جیسے شل ہو گئے تھے۔ گرمی بھی بہت زیادہ تھی اس کے باعث بھی وہ تھک گئی تھی پھر بھی اُس نے ہمت نہیں ہاری اور نہ ہی اُس نے رفتار کم کرنے کی کوشش کی۔ میں بہت لمبے، سیدھے اور ہموار راستوں کے چکروں سے بچنے کے لئے ٹیکریاں اور پہاڑیاں پھلانگتا جا رہا تھا۔ سیدھے اور ہموار راستے پر چلنے میں خطرہ یہ تھا کہ ہیلی کاپٹر آنے کی صورت میں ہم نظروں میں آ سکتے تھے۔

میں ایک اور پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ جب میں آدھی چڑھائی گیا تو تھوڑی سی ہموار جگہ آ گئی۔ میں رُک گیا۔ ناجیہ کا خیال آیا تو میں نے مُڑ کر دیکھا، وہ ایک جگہ رُک کر اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تھکن سے اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ چہرے کا رنگ گلاب کے پھول کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔

جب اُس نے مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو اُس کے ہونٹوں پر ایک تھکی تھکی مسکراہٹ اُبھر کر پھیل گئی۔ اُس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ دوسرے لمحے وہ ایک درخت

کے تنے کے ساتھ اس طرح بیٹھ گئی جیسے گر پڑی ہو اور اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی ہو۔ پسینے سے اُس کا چہرہ ایسے تر ہو گیا تھا جیسے وہ پانی کے چھینٹے مار کر آئی ہو۔

”یہ جگہ نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے۔“ میں نے اُس کے پاس جا کر کہا۔

اُس نے حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے اُس کی سمجھ میں میری بات نہ آئی ہو۔

”میں یہاں ایک گہرا گڑھا کھودوں گا اور اس کے اندر پہلو میں ایک غار بھی بناؤں گا۔“ میں نے اُسے سمجھایا۔ اب ہمیں زمین کے اندر رہنا پڑے گا۔ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“

”کیا ابھی اور اسی وقت گہرا گڑھا کھودو گے؟“ اُس کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

”ابھی نہیں......اسے کھودنے کے لئے وقت درکار ہے۔ یہ جگہ میں نے دیکھ لی ہے۔ آج کی رات ہم اس مکان میں گزاریں گے، لیکن ہمارے پاس کھدائی کے لئے کوئی اوزار تو ہے نہیں...... خیر صبح یہاں آ جائیں گے۔ کسی نہ کسی طرح خندق اور غار کھودنا ہی پڑے گا۔“

”لیکن یہ صورت حال میرے لئے بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں بولی۔

”وہ کس لئے......؟“ میں نے متعجب نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

”اس لئے کہ میں نے اپنے گھر کی چار دیواری میں پرورش پائی ہے۔ کبھی ایسے حالات کا سایہ بھی نہیں پڑا۔ اس جزیرے پر قدم رکھتے ہی میں نے اس مکان میں رہائش اختیار کی، پھر میں اس مکان میں رہتے ہوئے اس کے در و دیوار سے مانوس ہو گئی اور اپنا وقت عبادت میں گزارنے لگی جس سے میرے قلب کو ایک سکون سا ملا۔“ اُس نے رُک رُک کر بکھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”یہ جگہ پُرسکون اور محفوظ بھی ہے۔“ میں نے اُسے پھر سمجھایا۔

”لیکن میرا دل تمہاری بات تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے کہ اس مکان کے سوا اور کوئی جگہ اتنی پُرسکون اور محفوظ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ مکان ایک عبادت گاہ کی طرح ہے۔“ وہ مرتعش لہجے میں بولی۔

”وہ صرف ایک مکان ہے۔ تم اُس مکان کو عبادت گاہ کا درجہ کس لئے دے رہی ہو؟“ میں نے کہا۔

''اس لئے کہ میں اس مکان میں دن رات عبادت کرتی رہی ہوں۔'' وہ دھر
دیکھنے لگی۔ ''یہاں کوئی دیوار نہیں ہے۔ دیواروں کی جگہ درخت ہیں، چھت نہیں ہے
کھلا آسمان نظر آ رہا ہے۔ مجھ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا ہے اور یہ خوف میرے دل
متزلزل کر رہا ہے۔''

پھر وہ میری طرف پیٹھ کر کے مغرب کی طرف رُخ کر کے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی
دونوں ہاتھوں پر سفید دوپٹہ پھیلا کر اور اپنی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا کر دُعا مانگنے لگی۔

میں اُسے دیکھنے لگا۔ اُس کے حسین چہرے پر اُداسی دیکھ کر میرے دل کو صدمے کا
احساس ہوا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ کسی کا غم کس طرح بانٹا جاتا ہے؟ میں کس طرح سے
اُس کی اُداسی کم کر سکتا ہوں؟ میری نگاہیں اُس کے چہرے پر مرتکز تھیں۔ کچھ دیر بعد
کے سارے جسم میں حرکت سی ہوئی، ارتعاش کی لہر اُٹھی۔ میں نے دیکھا وہ ہچکیاں لے
رو رہی ہے۔ اُس کی بند آنکھوں سے ٹپ ٹپ آب دار موتی ٹپک رہے ہیں۔ میں
سوچا ان موتیوں کو ہاتھوں کے پیالے میں بھر لوں۔ یہ بہت انمول اور قیمتی ہیں، نایاب
ہیں۔

پھر مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میں اُس کے سامنے جا بیٹھا تا کہ اُس کے آنسوؤں
پونچھ ڈالوں۔ اُس نے آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اپنے سامنے پا کر اُس
فوراً ہی اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر اُس نے مجھے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔ اُس
آنکھوں میں غم کے گہرے بادل تیر رہے تھے۔ اُسے غمگین دیکھ کر میں بھی غمگین ہو گیا۔
مجھے ایسا لگا جیسے ساری فضا ہی غمگین ہو گئی ہے۔

میں نے اُس کی دنیا جیسی وسیع آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ
ایک لڑکی ہونے کے ناتے اس مصیبت کو برداشت نہیں کر سکو گی...... میں سوچتا ہوں
کہ......'' میں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو......؟ کیا سوچنے لگ گئے؟'' اُس نے
دلگرفتہ لہجے میں کہا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میرے دشمن آ جائیں تو میں اپنے آپ کو اُن کے حوالے
دُوں...... اس گروہ میں میرے پہلے سبھی دوست اور ساتھی رہے ہیں۔ میں اُن سب سے
یہ کہوں گا کہ تم ایک عبادت گزار لڑکی ہو اس ناتے وہ تمہاری عزت اور احترام کریں۔

سکتا ہے کہ وہ لوگ تمہاری عزت کریں۔ کیونکہ ہر انسان کے دل کے کسی کونے میں نیکی
کی رمق ہوتی ہے۔ لیکن میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے دل میں نیکی کا جذبہ پیدا ہو سکتا
ہے یا نہیں؟ لیکن مجھے اُمید ہے کہ شاید وہ میری بات سن لیں، مان لیں۔ شاید تمہارے
حق میں بہتر ہو جائے۔''

ناجیہ کا چہرہ دمک اُٹھا۔ ایسا لگا جیسے کوئی پھول کھل اُٹھا ہو۔ پھر اُس کی آنکھوں میں جیسے
بجلی سی کوندی جس نے اُس کے آنسو خشک کر دیئے۔ پھر اُس نے مجھے انوکھی نظروں سے
دیکھا۔ اُس کے یاقوتی لبوں نے حرکت کی۔ وہ سندر سی آواز میں بولی۔ ''نہیں...... تمہیں
خود کو صرف میری خاطر کسی کے حوالے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ہر قدم پر
تمہارے سنگ سنگ رہوں گی۔ تم شاید میری آنکھوں میں آنسو دیکھ نہ سکے اس لئے تم
میرے بارے میں جذباتی ہو گئے، مجھے معاف کر دو! نجانے کیوں میں اللہ کی ذات پر
توکل رکھتے ہوئے بھی حوصلہ ہار بیٹھی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں بہت تھک گئی تھی۔
دراصل مجھے اس قدر چلنے اور پہاڑی پر چڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے میں بہت
تھک گئی تھی۔ لیکن اب میں تمہیں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دُوں گی۔ تم جس حال
میں بھی رکھو گے اُف نہیں کروں گی اور خوش رہوں گی۔ آؤ چلیں۔ میں چاہتی ہوں کہ
رات بھر اس مکان میں بیٹھ کر دُعا مانگوں۔ تم جیسا کہو گے ویسے ہی کروں گی۔''

یہ تو میں نے ہی اُس سے کہا تھا کہ رات اس مکان میں گزاریں گے۔ میں سوچ رہا
تھا کہ میں نے یہ بات کیوں کہی؟ اب اس لڑکی نے اپنے آپ کو میری تحویل میں دے دیا
تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟

ناجیہ نے کہا۔ ''کیا چلنا نہیں ہے؟ یہ تم کس سوچ میں ڈوب گئے ہو؟''

''میں اُن دونوں ہیلی کاپٹروں کے متعلق سوچ رہا ہوں۔'' میں نے اُسے بتایا۔

''تم ابھی بھی اُن کے بارے میں سوچ رہے ہو؟ فکر اور پریشانی کی کیا بات ہے؟ وہ
تو چکر لگا کر واپس چلے گئے۔''

''جس انداز سے اُنہوں نے مشاہدہ اور سروے کیا اور آدھے گھنٹے تک چکر لگایا اس
سے ایسا لگ رہا ہے کہ کاکا میاں شاید اس جزیرے کو اپنا اڈا بنا لے۔ کیونکہ وہ دیکھ گئے
ہیں کہ یہ جزیرہ خالی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کاکا میاں اپنی گرفتاری سے بچنے کے لئے اس
جزیرے میں روپوش ہو جائے۔ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اُنہوں نے وہ مکان بھی دیکھ

لیا ہے۔ اُس مکان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اُس میں کوئی رہتا ہے۔ بدمعاش جزیرے میں آئے تو وہ ضرور مکان میں گھس جائیں گے جس سے ہماری اقامت ظاہر ہو جائے گی۔ وہ جان لیں گے کہ یہاں کوئی رہتا تھا، اب وہ کہیں چھپ گیا ہے۔ پھر وہ ہماری تلاش میں نکلیں گے تو کوئی کونہ اور چپہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ نہ آئیں۔ تم بلاوجہ پریشان اور خوفزدہ ہو رہے ہو؟'' ناجیہ بولی۔

''میں کسی خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا۔ میں اُن بدمعاشوں کو خوب جانتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آج کی رات اس مکان میں نہ گزارنا ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔''

چند لمحوں کے بعد میں یکلخت اُٹھ کھڑا ہوا تو اُس نے گھبرا کر پوچھا۔ ''تم کہاں جا رہے ہو؟''

''تم یہاں سکون و آرام اور اطمینان سے بیٹھی رہو۔ اب ہمیں یہیں رہنا ہے۔ ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اُس مکان میں جا رہا ہوں تاکہ تمام آثار اور نقوش مٹا کر آؤں جو بدمعاشوں کو ہماری موجودگی کا پتہ دے سکتے ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔'' میں نے اُسے سمجھایا۔

پھر میں نے اُس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ہرن کی طرح چوکڑی بھرتا ٹیکری سے اُتر گیا۔

ناجیہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اُسے یہاں اکیلا چھوڑ جاؤں۔ وہ میرے ساتھ ہر لمحہ رہنا چاہتی تھی، ہر جگہ میرے ساتھ جانا چاہتی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو میری تحویل میں دے چکی تھی اور مجھے اپنا محافظ سمجھنے لگی تھی۔ لیکن میرے لئے بہت مشکل تھا کہ میں اُسے ہر وقت ہر جگہ ساتھ لئے پھروں۔

میں نے ایک درخت کی اوٹ سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی، پھر درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اُسے نیند آنے لگی، پھر وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اُس کے چہرے پر معصومیت چھا گئی۔

❑......❑

اُس نے میری آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ ابھی بیدار ہوئی تھی۔ میں اُس وقت ہانپ رہا تھا۔ میں اُس مکان سے کچھ چیزیں اُٹھا کر لایا تھا۔ وہ ایک بسکٹوں کا خالی ڈبہ تھا، مٹی کے دو پیالے تھے، رسیوں کے چند ٹکڑے تھے اور ایک رسہ بھی تھا جو میں نے تباہ شدہ گاڑی سے اُٹھایا تھا۔ اب یہی ہمارا کل سامان تھا۔ میں نے یہ چیزیں ناجیہ کے سامنے رکھ دیں اور سستانے کے لئے زمین پر لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر سستانے کے بعد میری تھکن دُور ہو گئی اور میں تازہ دم سا ہو گیا۔ پھر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ ناجیہ نے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اب تم کہاں جا رہے ہو؟''

''تم یہیں بیٹھی رہو...... میں ابھی آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

میں جزیرے کے قریب جو چھوٹی سی بندرگاہ تھی اُس کی طرف بڑھا، پھر وہاں سے خالی جھونپڑوں کی طرف چلا۔ مجھے اس لمحے یکلخت یاد آیا کہ وہاں لکڑی کے کچھ خالی کھوکھے پڑے تھے۔ ان کے پاس ایک ٹوٹی ہوئی چھری بھی تھی۔ میں پھر جھونپڑیوں میں گیا، کھوکھوں کے تختے چھری کی مدد سے الگ کر کے ایک جگہ اکٹھے کر لئے۔ بندرگاہ کے قریب میں نے ایک مکان دیکھا تھا۔ مجھے اُس کے برآمدے میں ایک ایزی چیئر نظر آئی جو ٹوٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا کپڑا اسلامت تھا۔ میں نے اُس کا کپڑا اُتارنے میں دیر نہیں کی۔ لوہے کے دو تین ٹکڑے دیکھے تو انہیں بھی ایک خیال کے تحت اُٹھا لیا۔ گو یہ جتنی چیزیں تھیں ان میں ایک چیز بھی کسی کام کی نہ تھی۔ لیکن میرا یہ تجربہ تھا کہ بے سروسامانی کی حالت میں کوئی بھی چیز کام آ سکتی تھی۔ بعض اوقات کھوٹا سکہ بھی چل جاتا ہے۔ جب میں برآمدے میں آیا تو میری نگاہ چھت کی طرف اُٹھ گئی۔ اُس کی چھت ٹین کی چادروں کی تھی۔ پھر میں چھت پر چڑھ گیا۔ تین چادریں اُکھڑی ہوئی دیکھیں تو اُنہیں اُکھاڑ لیا۔

مغرب کی جانب نگاہ اُٹھی تو دیکھا کہ سورج تھکا ماندہ سا غروب ہو رہا ہے۔ میں یہ ساری چیزیں اُٹھا کر اندھیرا پھیلنے سے پہلے ناجیہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مجھے بار بار اُس کا خیال پریشان کئے دے رہا تھا کہ وہ میری بے چینی سے راہ تک رہی ہوگی۔ اُس کا ڈر اور خوف سے برا حال ہو رہا ہوگا۔ میرے تصور میں اُس کا زرد چہرہ لہرانے لگا۔ ان چیزوں کو چھپانا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا میں نے فوری طور پر ساری چیزیں اُوپر تلے رکھ کر اُٹھائیں۔ قریب ہی گڑھا تھا، اُس میں رکھ کر اُس کے اُوپر جھاڑیاں ڈال دیں۔ اس طرح وہ چیزیں اچھی طرح ڈھک گئیں۔

میں ناجیہ کے پاس پہنچا تو دن پوری طرح ڈوب چکا تھا۔ وہ بے چینی سے میرا ا
کر رہی تھی۔ واقعی وہ بہت زیادہ پریشان اور متفکر سی لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی جیسے
کی جان میں جان آ گئی۔

''تم کہاں چلے گئے تھے......؟'' اُس نے مجھے ساکت پلکوں سے دیکھتے ہو
پوچھا۔

میں نے اُس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ اس وقت تھکن سے میرا برا حال ہو
تھا۔ بات کرنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، اس لئے میں فوراً ہی لیٹ گیا۔ میں
آنکھیں بند کر کے یہ تاثر دیا کہ میری آنکھ لگ گئی ہے۔ پھر میں نے چند ثانیوں کے بعد
وا آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا، وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسے شاید اس بات
احساس ہو گیا تھا کہ میں بہت تھکا ہوا ہوں اس لئے اُس نے مجھے میرے حال پر چھوڑ
تھا۔ میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ مجھے پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی۔

جب اُس نے مٹی کا پیالہ اُٹھایا اور پانی لانے کے لئے ندی کی طرف چل پڑی تو
اندازہ ہوا کہ وہ کس قدر حساس لڑکی ہے۔ اُس نے مجھے اپنے خشک ہونٹوں پر زبا
پھیرتے دیکھا تو اُسے خیال آیا کہ میں پیاسا ہوں، ایسا نہ ہو کہ میں پیاس کی وجہ
بیدار ہو جاؤں۔ وہ ندی کی طرف پانی لانے جا رہی تھی۔ میرے لئے پانی بھرنے
لئے ایسا جذبہ ہو گیا تھا کہ اُسے ندی کی طرف اندھیرے میں اکیلے جاتے ہوئے کوئی
خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کی چال سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اُس کے سارے جسم
مسرت کی ایک لطیف سی لہر دوڑ رہی ہے۔

میں کہنیوں کے سہارے بیٹھ کر اُسے دیکھنے لگا۔ وہ ندی تک گئی، منہ دھویا، ساڑھی
پلو سے چہرہ پونچھا، پھر پیالے میں پانی بھر کر پیا، پیالہ خالی ہو جانے پر اُسے دوبارہ
پھر وہ واپس ہونے لگی تو میں لیٹ گیا۔

جب وہ میرے پاس پہنچی تو اس وقت تک رات نے تاریکی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔
اُسے پاس پا کر اُٹھ بیٹھا۔ ناجیہ نے پانی کا پیالہ میرے ہاتھوں میں تھما دیا۔ اس وقت
بڑے زور کی پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے ایک ہی سانس میں پیالہ خالی کر دیا۔ بہت
سکون اور ایک عجیب قسم کی فرحت سی محسوس ہوئی۔

''بہت پیاس لگی تھی، جس سے نڈھال ہو گیا تھا۔ کمزوری سی محسوس کر رہا تھا۔ پھل

سبزیوں سے جسم میں وہ طاقت نہیں آ پاتی جو گوشت سے حاصل ہوتی ہے۔ جسمانی طاقت
کے لئے گوشت بہت ضروری ہے۔ گوشت ملنا چاہئے۔''

''ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمارے پاس ماچس نہیں ہے جو ہم گوشت پکا کر کھا سکیں......
ندی میں مچھلیوں کی کوئی کمی نہیں ہے، پرندوں کی بھرمار ہے۔ ہم انہیں پکڑ سکتے ہیں، لیکن
کچا کھا نہیں سکتے۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں نے اُس کی تائید کی۔ ''ہم کس قدر بے بس اور لاچار
ہیں۔''

''تم نے واپس آنے میں بہت دیر لگا دی۔ ہاں کیا کرتے رہے تھے؟'' ناجیہ نے
پوچھا۔

''یہاں زمین دوز قیام گاہ بنانے کے لئے کچھ چیزیں تلاش کر رہا تھا، انہیں اکٹھا
کرنے میں دیر ہو گئی۔'' میں نے جواب دیا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد میں اُچھل پڑا۔
''تمہیں کچھ سنائی دے رہا ہے شمال کی سمت سے......؟''

میں خاموش ہو گیا۔ ناجیہ نے اس سمت کان لگا دیئے۔ اُس نے سر ہلایا۔ ''بہت دُور
سے کوئی آواز سنائی دے رہی ہے۔''

''میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ وہ آئیں گے...... میں جانتا تھا کہ دشمن آئے گا، وہ آ
رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

جب انجنوں کی آواز صاف سنائی دینے لگی تب ہم دونوں ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑے
ہوئے۔ ناجیہ میرے ساتھ لگ گئی۔ یہ ہیلی کاپٹروں کی آواز نہیں تھی جو بلند ہوتی چلی جا
رہی تھی، بلکہ کسی اسٹیمر کی آواز تھی۔ جیسے جیسے آواز قریب ہوتی گئی، وہ ہلکی پڑتی گئی جیسے
اس کا انجن بند کر دیا گیا ہو۔ چند ثانیوں کے بعد اچانک درختوں کے اُوپر آسمان روشن ہو
گیا۔ یہ روشنی نیچے آ گئی اور جزیرے میں پھرنے لگی۔ سمندر سے دھماکے سنائی دینے لگے
اور جزیرے میں کئی سمتوں سے شعلے چمکے اور دھماکے سے بجھ گئے۔ کاکامیاں کے پاس
ایک لانچ تھی جس سے اسمگلنگ کا کام لیا جاتا تھا۔ اس میں اسلحہ بھی ہوتا تھا۔ چھوٹے
راکٹ، بم اور مارٹر گولے بھی دُور تک پھینکے جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس
ایک گن بوٹ بھی تھی۔ یہ لانچ یا گن بوٹ تھی جو جزیرے کو سرچ لائٹ سے دیکھ کر گولہ
باری کر رہی تھی۔ گولے ہر جگہ پھٹ رہے تھے۔ چند لمحوں کے بعد بندرگاہ اور اس کے

قریب مکان پر گولے پھٹنے لگے۔ گولے اس طرح برسائے جا رہے تھے جیسے یہاں دشمن کی فوج چھپی ہوئی ہو۔ یہ گولہ باری میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ اگر یہ صرف ایک شخص کو خوفزدہ یا ختم کرنے کے لئے کی جا رہی تھی تو یہ نری حماقت تھی۔ یا پھر یہ خیال ہو گا کہ جزیرے میں لوگ موجود ہوں تو وہ دہشت زدہ ہو جائیں۔

ناجیہ خوف و دہشت سے لرز رہی تھی۔ اُسے شاید وہ وقت یاد آ گیا تھا جب اُس کے جہاز پر بم گرے تھے۔ اب موت اُس کے تعاقب میں جزیرے پر بھی آ گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اُس کی بڑی بڑی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں سے آنسو بہنے لگے ہیں۔ میں بھی دل میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔ کاکا میاں کو جیسے پتہ چل گیا تھا کہ میں یہاں روپوش ہوں۔ شاید اُس کا خیال یہ تھا کہ میں نے یہاں اپنی حفاظت کے لئے جدید اسلحہ رکھا ہو گا۔ وہ ایک شخص کے خلاف پوری طاقت استعمال کر رہا تھا۔

پھر تاریک فضا میں یکلخت خاموشی چھا گئی۔ پھر مجھے ناجیہ کی آواز سنائی دی جیسے وہ سرگوشی میں آہستہ سے کچھ کہہ رہی ہو۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا تم نے کچھ کہا ہے؟''

''تم سے نہیں بلکہ اللہ سے کہہ رہی ہوں۔ میں دُعا کر رہی ہوں۔'' اُس نے جواب دیا۔

''دُعا...... ہاں دُعا کرو!'' اُس کی بات سن کر میرے دل کو بڑا حوصلہ ملا اور ایک تقویت سی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''سونا میاں کہتے تھے کہ مصیبت کے وقت اللہ سے دُعا کیا کرو۔ دُعا مدد کرتی ہے۔ وہی کام آتی ہے۔''

چند لمحوں کے بعد ہم دونوں بیٹھ گئے۔ انجنوں کی آوازیں ایک بار پھر خاموش فضا کا سینہ چیرنے لگیں، پھر وہ دُور چلی گئیں۔ ہم وہیں لیٹ گئے۔ وہ میرے قریب ہی لیٹی ہوئی تھی۔ پھر میں نے دیکھا اُسے نیند نے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا ہے۔ میں کچھ دیر تک اُس کی سانسوں کی آوازیں سنتا رہا۔ چونکہ میں بہت تھکا ہوا تھا اس لئے میری بھی آنکھ لگ گئی۔ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ سو وہ آ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں بیدار ہو گئے۔ جزیرہ ایک بار پھر دھماکوں سے لرز رہا تھا۔ بڑے زور کے دھماکے تھے اور جگہ جگہ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے۔ کاکا میاں کیا چاہتا ہے؟ وہ کس لئے بے مقصد بمباری کر رہا

ہے؟ کہیں میری تلاش میں پاگل تو نہیں ہو گیا؟ یا پھر وہ پولیس مقابلہ تو نہیں کر رہا؟ کوئی نصف گھنٹے کے بعد گولہ باری بند ہو گئی۔

میرے اور ناجیہ کے درمیان خاموشی کی دیوار کھڑی رہی۔ ہم دونوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی۔ کیا بات کرتے؟ ہمارے پاس کوئی موضوع نہ تھا۔ کچھ دیر بعد پھر ہم دونوں لیٹ گئے۔ نیند نے پہلے ناجیہ کو آ دبوچا۔ کچھ دیر بعد پھر ایک مرتبہ دھماکے گرجنے لگے...... ہر لحہ یہ خطرہ تھا کہ کوئی گولہ ہم دونوں کے درمیان آ پھٹے گا اور ہمارے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ گولے تھم ہی نہیں رہے تھے۔ کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے؟ ابھی رات کتنی باقی ہے؟

گولہ باری تو ختم ہو گئی لیکن ہم دونوں سو نہ سکے۔ میں نے اُس کے چہرے پر خوف کا سایہ دیکھ کر پوچھا۔ ''تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟''

''ہاں......'' اُس نے سر ہلایا۔ ''لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا ہے کہ کیا تم اس قدر خطرناک شخص ہو کہ کاکا میاں نے اس جزیرے پر پوری قوت سے حملہ کر دیا...... اُس کے پاس اس قدر اسلحہ ہے......؟''

''میرا خیال ہے کہ یہ مقابلہ تامل ٹائیگرز اور سری لنکا کی فوج کے درمیان ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ سری لنکا کی فوج اور تامل ٹائیگرز ہیں؟'' اُس نے پوچھا۔

''اس لئے کہ تامل ٹائیگرز چھاپہ مار ہیں اور اُنہوں نے مختلف جزیروں پر قبضہ کر رکھا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ شاید اب چلے گئے ہیں۔ لیکن جو ہیلی کاپٹرز آئے تھے، وہ کاکا میاں کے تھے۔ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ میرا دشمن نہیں آئے گا۔ وہ ضرور آئے گا۔ اس لئے کہ اُس کی ذات کو مجھ سے بہت بڑا خطرہ ہے۔''

کچھ دیر بعد سحر طلوع ہوئی۔ جنگل کے پرندوں نے بھی نئے دن کے آغاز کا اعلان کر دیا۔ میں ناجیہ کو ہمراہ لے کر گھنے جنگل کی طرف بڑھا۔ ہم دونوں جنگل میں چھپ گئے۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ سورج طلوع ہوتے ہی کاکا میاں کے آدمی آ جائیں گے۔ میں کافی دیر تک باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرتا رہا۔ ایسی کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ ہم دونوں ایک ہی جگہ براجمان رہے۔ جب دوپہر تک کوئی نہ آیا تو میں نے ناجیہ

سے کہا۔

"آج وہ کسی وجہ سے نہیں آئے ہیں، کل ضرور آئیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ جلدی سے پناہ گاہ کھود کر اُس میں اُتر جائیں۔ یہ پناہ گاہ اس جگہ سے زیادہ محفوظ ہوگی۔"

میں اُسے جنگل سے لے کر ایک ایسی پہاڑی کی طرف بڑھا جہاں سے سمندر دکھائی دیتا تھا۔ پھر میں نے اُسے درختوں کے نیچے جھاڑیوں میں بٹھا دیا۔

"میں تمہیں یہاں اکیلا ڈیوٹی دینے کے لئے چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم یہاں سے سمندر پر نظر رکھو گی۔ کوئی بحری جہاز یا کشتی نظر آئے تو مجھے آواز دینا۔ میں وہ سامان لینے جا رہا ہوں جو کل پناہ گاہ کے لئے جمع کیا تھا۔"

"وہ تو خاصا سامان ہے۔" ناجیہ نے کہا۔ "تم اکیلی جان کتنا سامان اُٹھا کر لا سکو گے؟ میں بھی چلتی ہوں، تاکہ تمہارا ہاتھ بٹاؤں۔ میں بھی کچھ سامان اُٹھا کر لے آؤں گی۔"

"میرا کام سامان لانا ہے اور تمہارا کام سمندر پر نظر رکھنا ہے۔ ہم دونوں کے کام اشد ضروری اور اہم ہیں۔"

میں اُس پھول جیسی لڑکی سے مشقت کا کام لینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جھاڑیوں میں بیٹھ کر بولی۔ "اب جنگ کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔ سمندر کس قدر پُر سکون ہے۔" پھر وہ اس کی وسعت کو اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں جذب کرتی ہوئی بولی۔ "ہمارے گرد کوئی دیوار نہیں، سمندر آزاد ہے، جنگل آزاد ہے۔ لیکن ہم دونوں قیدیوں کی طرح ہیں۔ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ ایک انجانے خوف نے ہم دونوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔"

پھر میں سامان لانے کے لئے چل دیا۔ وہ سمندر پر نگاہیں مرکوز کئے رہی۔ میں وہ سامان جو پناہ گاہ بنانے کے لئے ایک گڑھے میں چھپا رکھا تھا اُسے اُٹھا اُٹھا کر پہاڑی پر اُس جگہ لے جاتا رہا جہاں مجھے پہاڑی کھود کر پناہ گاہ بنانا تھی۔

جب میں سامان پہنچا کر اُس کے پاس پہنچا، اُس کی پشت میری طرف تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "تم ان حالات میں فرشتہ معلوم ہوتے ہو۔ تم دماغی اور جسمانی قوت کے لحاظ سے عام قسم کے مرد نہیں ہو...... تم......" پھر جیسے اُسے میری موجودگی کا احساس ہوا۔ اُس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا اور خاموش ہوگئی۔ پھر اُس کا چہرہ اس طرح دمک اُٹھا جیسے اُس کے وجود میں نئی زندگی پیدا ہوگئی ہو۔

میں پسینے میں نہایا ہوا تھا، سانس پھول رہی تھی۔ ناجیہ نے مجھے اُوپر سے نیچے تک

دیکھا تو اُس کا چہرہ گلابی ہوگیا۔

اُس نے کہا۔ "گرمی بہت ہے۔ تمہیں پیاس لگی ہوگی۔ ندی سے پانی لے آؤں۔"

"پیاس نہیں، بھوک لگی ہے۔ تمہیں بھی بھوک لگی ہوگی۔ میں کوئی جانور پکڑ کر لاتا ہوں۔ تم میرا یہیں انتظار کرنا، لیکن سمندر سے غافل نہ ہونا...... دشمن کا کوئی بھروسہ نہیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔"

میں شکار کرنے چل پڑا یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے پاس جانور یا پرندہ پکڑنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ چونکہ گوشت کی شدت سے طلب ہو رہی تھی اس لئے میں سوچے سمجھے بغیر ہی چل پڑا تھا۔ جبکہ پکانے کے لئے آگ میسر آ گئی تھی۔ میں نے ایک جگہ آگ دہکتی ہوئی دیکھ لی تھی جو رات کو گولہ باری نے لگائی تھی۔ میں نے پرندوں کو پتھروں سے مارنے کی کوشش کی۔ ایک جنگلی بکری کے پیچھے بھاگا، بڑے بڑے تیتروں کو دیکھا تو اُن کے پیچھے لپکا۔ میں نے بہت جتن کئے مگر کوئی جانور ہاتھ نہ لگا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ چونکہ میں خالی ہاتھ واپس جانا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے گرے ہوئے دو ناریل اور کچھ پھل اکٹھے کئے اور اُس کے پاس پہنچ گیا۔ پھر میں نے کہا۔ "شام ہوگئی ہے۔ اندھیرے میں کھدائی مشکل ہے، کل صبح سے پناہ گاہ کھودنا شروع کروں گا۔ آج رات بھی ہمیں کھلے آسمان تلے سونا پڑے گا۔"

اُس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میں درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو وہ بولی۔ "تم بہت تھک گئے ہو؟" اُس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

"ہاں...... میں بہت تھک گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں میرا دشمن کیوں نہیں آیا؟"

وہ زیادہ بولنے کی عادی نہیں تھی اس لئے چپ رہی۔ چند ثانیوں کے بعد بولی۔ "رات کتنی پُر سکون ہے۔ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ کل رات دو فریقوں میں جنگ ہوئی تھی۔ ہم گھر سے اتنی دُور ہیں کہ کبھی نہ پہنچ سکیں گے......"

اُس نے اتنی دھیمی آواز میں کہا تھا کہ جیسے سرگوشی کر رہی ہو۔ اُس کی دلکش آواز میں سات سُر بول رہے تھے۔ ہر سو قوس وقزح کا ایک رنگ تھا۔ اُس کی آواز میں ایسی کھنک اور لطافت تھی کہ اُس نے میرے خون کو گرما دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اتنے زور سے دھڑکا کہ اس کی صدا سنائی دینے لگی۔ برق رفتاری سے میرے ذہن میں اچانک ایک

خیال آیا۔ یہ نوجوان ہے، میں بھی جوان ہوں۔ رات تاریک ہے، اس پورے جزیرے پر
کسی دوسرے انسان کا وجود تک نہیں ہے۔

میں نے اُس کی طرف مرد کی نظروں سے دیکھا۔ پھر اچانک یہ احساس بیدار ہو گیا۔
یہ تم کیا سوچنے لگے ہو...... اپنے آپ کو سنبھالو! حیوان نہ بنو۔ یہ جوان اور حسین ہے مگر
بہت معصوم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ اس کے چہرے کے تقدس کو دیکھو...... اپنے پراگندہ
خیالات سے اسے ناپاک نہ کرو۔ صاف و شفاف آئینے پر خراش نہ ڈالو۔ یہ ایک عظیم اور
بلند ترین لڑکی ہے۔ تم اس کے سامنے بہت چھوٹے اور حقیر ہو۔

میں نے دل میں اپنے آپ کو لعن طعن کی اور اس قدر ندامت اور پریشانی محسوس کی کہ
جسم کو جھٹکا دے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ میرے اندر کشمکش شروع ہو گئی۔ مجھے خود پر قابو پانا مشکل
ہو رہا تھا۔

رات تاریک ہو چکی تھی۔ لیکن وہ شمع کی طرح روشن تھی، اُس کی روشنی مجھے راہ دکھا رہی
تھی۔

○□○

اُس نے مجھے سرعت سے اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پھر وہ خود بھی اسی
تیزی سے کھڑی ہو گئی۔ اُس نے میرے قریب آ کر متعجب لہجے میں مجھ سے پوچھا۔
”خیریت تو ہے......؟ کیا ہوا؟“

اُس کے لب و لہجے میں ایک بچی کی سی حیرت اور معصومیت تھی۔ اُسے اس بات کا ذرہ
بھر بھی احساس نہیں رہا تھا کہ میں ایک جوان مرد ہوں اور وہ ایک نوجوان اور حسین لڑکی
ہے۔ اس وقت رات ہے، تنہائی ہے۔

پھر اُس نے اپنائیت کے انداز میں میرے کندھے پر اپنا نرم و خوبصورت ہاتھ رکھ دیا۔
یہ ہاتھ اُس لڑکی کا تھا جسے تنہا دیکھ کر میرے جذبات میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ اُس
کے ہاتھ کے لمس میں ایک انوکھا اور راحت بخش جذبہ تھا جس نے مجھے انسان بنا دیا۔
میرے اندر جذبات و احساسات کی جنگ اور ذہنی کشمکش تھم گئی۔ میں اندھیرے سے نکل
کر روشنی میں آ گیا۔

میں اُس سے نگاہیں ملانے کی تاب نہ لا سکا۔ میں نے ایک شکست خوردہ سپاہی کی
طرح جواب دیا۔ ”کچھ نہیں......“ پھر میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ میری مسکراہٹ بے
روح تھی۔ ”میری ذہنی حالت بڑی ابتر سی ہو رہی ہے۔“

میری مسکراہٹ اُسے جیسے کوئی حوصلہ نہ دے سکی۔ وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ”میری
ذہنی کیفیت بھی تم سے مختلف نہیں ہے۔ میں خود بھی یہ بات سوچ رہی ہوں کہ ان بے رحم
حالات میں کب تک زندہ رہیں گے؟ مجھے گھر اور وہ دنیا یاد آ رہی ہے جہاں میں پیدا
ہوئی، پلی بڑھی۔“

وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ اُس کی آواز میں ترنم سا تھا۔ ایک مٹھاس، معصومیت اور
اپنائیت سی تھی۔ میری رگوں میں وہ امرت کی طرح سرایت کرنے لگا۔ مجھے ایک انوکھا سا
سکون محسوس ہوا۔ میں بیٹھ گیا۔

میں نے بے باک اور آزاد خیال لڑکیوں میں بہت وقت گزارا تھا۔ میں نے بے حیائی میں بہت لطف محسوس کیا تھا۔ لیکن میرا کسی باحیا لڑکی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ مگر اس لڑکی کی حیا نے میری رُوح کو ایک ایسے کیف و سرور سے آشنا کیا تھا جس سے میں محروم تھا۔ اُس کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے لوری دے رہی ہو۔ مجھے نیند آنے لگی۔

جنگل پر ایک گہرا سناٹا مسلّط تھا۔ رات بوجھل سی ہو رہی تھی۔ سمندر کی لہروں کا ہلکا ہلکا شور کسی سُر کی طرح سنائی دے رہا تھا۔ وہ خاموش ہو چکی تھی، کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ شاید اُسے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔

میں نے اُس کی طرف رُخ کر کے کہا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔ چلو، تم بھی سو جاؤ!''

پھر وہ کسی سعادت مند بچی کی طرح لیٹ گئی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ گہری نیند میں ڈوب چکی ہے تو میں آہستہ سے اُٹھا، پھر دبے پاؤں اُس سے خاصے فاصلے پر جا کر لیٹ گیا۔ میں اُس سے دُور ہو کر رات گزارنا چاہتا تھا۔

❑......❑

جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ سحر ہونے والی ہے۔ پھر میں ندی کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے بڑے سکون اور اطمینان سے غسل کیا، پھر اُس مکان کی طرف چلا گیا۔ اُس مکان کی دیواروں میں بڑے بڑے شگاف پڑ گئے تھے۔ یہ مکان بھی رات بمباری کی زد میں آ گیا تھا، اس لئے ابھی تک اندر سے دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کئی گولے اس مکان کے اندر پھٹے ہیں۔ میں مکان کے اندر گھس گیا۔ چھت کا ایک شہتیر فرش پر گرا ہوا تھا، وہ جل رہا تھا۔ مجھے خیال آیا تو میں نے اِدھر اُدھر سے خشک لکڑیاں اُٹھائیں اور اُنہیں لا کر آگ پر رکھ دیا۔ اب آگ مل گئی تھی۔ میں نے آگ کو دیکھ کر یہ تہیہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو، ہر قیمت پر کوئی پرندہ یا جانور شکار کر کے رہوں گا۔ اگر یہ شکار نہ ملے تو مچھلیوں کا شکار تو کیا جا سکتا ہے۔ ندی تو مچھلیوں سے بھری ہوئی تھی۔

اُس شہتیر میں جو آگ لگی ہوئی ہے اُسے بجھنے میں کئی دن لگ سکتے ہیں۔ اس آگ کو بجھنے نہ دینے کے لئے مجھے لکڑیاں لا کر اس آگ پر رکھتے رہنا ہوگا۔ اس طرح آگ کبھی بجھنے نہ پائے گی۔ لکڑیوں کی یہاں کوئی کمی نہیں تھی۔

پھر میں مکان سے نکل کر اُس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ بیدار ہو گئی ہے۔ مجھے دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ اُبھر کر گوشوں میں اُتر گئی۔ میں نے پہلی بار اُسے

مسکراتے دیکھا، ورنہ جب سے میری اُس سے ملاقات ہوئی، اُسے سنجیدہ اور بے حد افسردہ سا پایا تھا۔ اس مسکراہٹ نے اُس کے حسن اور چہرے کو اور نکھار دیا تھا۔

''میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں......؟'' میں نے اُس کے دمکتے ہوئے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

''معلوم نہیں کون سی خوشخبری ہے......؟'' وہ بولی۔ ''صبح صبح خوشخبری کہاں سے مل گئی؟''

''آگ مل گئی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ پہلی خوشخبری ہے۔ اب میں پکانے کے لئے کوئی پرندہ، جانور یا مچھلی کا شکار کروں گا۔''

''آگ کہاں ہے......؟'' اُس نے پُرمسرت لہجے میں پوچھا۔ اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

''اُس مکان میں۔'' میں نے اُسے بتایا۔ ''وہ مکان گولہ باری کی زد میں آ کر تقریباً تباہ ہو گیا ہے۔ اب بھی وہاں آگ لگی ہوئی ہے۔''

اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا، وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ''وہ مکان میرے لئے ایک عبادت گاہ کی طرح تھا۔ میں نے دن رات اُس میں عبادت کی۔ اُسے ایک طرح سے میں نے محفوظ سمجھا تھا لیکن وہ جگہ بھی محفوظ نہیں رہی۔''

''کیا عبادت کے لئے کوئی جگہ مسجد کی طرح مخصوص کی جا سکتی ہے؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''عبادت تو کسی بھی جگہ کی جا سکتی ہے۔ تم اس جگہ بھی بیٹھ کر عبادت کر سکتی ہو۔''

اُس نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور میری طرف پشت کر کے آسمان کے چوڑے چکلے سینے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ وہ خلا میں گھور رہی تھی۔ اُس کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔

''تم ذرا ذرا سی بات پر بددل اور غمگین کیوں ہو جاتی ہو؟ کوئی بھی دشمن آئے، میں تمہاری حفاظت کروں گا۔'' میں نے اُسے دلاسہ دیا۔ ''تم اپنا حوصلہ اور دل مضبوط رکھو۔ میرے ہوتے ہوئے کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔''

آسمان سے نگاہیں ہٹا کر وہ میری طرف گھوم گئی۔ ''میں جانتی اور سمجھتی ہوں کہ تم میری حفاظت کرو گے، مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ مجھے ملال اس بات کا ہے کہ میں نے جس مکان کو اپنی عبادت گاہ بنایا، وہ نہیں رہی۔ اس عبادت گاہ کی تباہی نے مجھے بہت مایوس اور

دلبرداشتہ کر دیا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ اب میرے لئے کہیں کوئی پناہ گاہ نہیں رہی۔"

"تم اس قدر مایوس اور پریشان کس لئے ہو رہی ہو؟" میں نے کہا۔

پھر وہ یکلخت مسکرا دی۔ مگر اُس کی مسکراہٹ میں اُداسی گھلی ہوئی تھی۔

پھر اُس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ "جانے کیوں میں حوصلہ ہار بیٹھی...... اللہ
معاف کرے اور ہاں تم بھی معاف کر دینا۔ مجھے مایوسی کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ا
میرا نگہبان ہے اور تم میرے محافظ ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اب غمگین نہیں ہو
گی۔ مایوسی کو قریب آنے نہیں دُوں گی۔"

میں یہاں آتے ہوئے کچھ پھل لے آیا تھا۔ اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "د
خاصا نکل آیا ہے، بھوک لگ رہی ہے۔ چلو آؤ...... ہم ناشتہ کر لیں۔"

اس صبح بھی کوئی نہ آیا۔ نہ تامل ٹائیگر اور نہ ہی سری لنکا کی فوج...... نہ میرا دشمن کا
میاں اور نہ ہی بردہ فروش اُسے لینے کے لئے آئے۔ میرا خیال تھا کہ سری لنکا اور تا
ٹائیگرز کے درمیان رات جو جنگ ہوئی تھی شاید اس میں سے کوئی فریق اپنے دشمن
تلاش میں ادھر آ نکلے۔

ہم غافل نہ تھے۔ ادھر کا کوئی بھی دشمن رُخ کر سکتا تھا۔ ادھر آنے والا ہمارا دشمن تھ
میں جنگل کی ذرا سی آواز پر بھی چونک اُٹھتا تھا۔ میں کسی خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا
کر اپنے آپ کو دھوکہ دینا نہیں چاہتا تھا۔ سری لنکا اور تامل ٹائیگرز کی فوج آئے یا
آئے۔ بردہ فروش بھی آئیں یا نہ آئیں لیکن کاکا میاں کے آدمی ضرور آ سکتے تھے۔ ک
میاں بھی مجھے کسی قیمت پر بخشنے والا نہیں تھا۔

جیسے جیسے سورج اُوپر ہوتا گیا، ویسے ویسے گرمی کی شدت بھی بڑھنے لگی۔ میں
دشمن کی راہ دیکھنے اور خوف میں مبتلا ہونے سے بہتر یہ سمجھا کہ کچھ نہ کچھ کر لیا جائے۔
میں ناجیہ کو اپنے ہمراہ لے کر اُس جگہ پہنچا جو میں نے پناہ گاہ بنانے کے لئے منتخب کی ہ
تھی۔ میں پناہ گاہ بنانے میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ بہت ضروری تھا۔

میں نے پوری طرح ڈھکی چھپی جگہ کو لوہے کے ایک نوکیلے ٹکڑے سے کھودنا شروع
دیا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے بڑی مشقت کرنا پڑے گی۔ لیکن یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا
رہی کہ یہ جگہ پتھریلی نہیں ہے بلکہ مٹی کی ہے۔ مٹی بھی خاصی نرم تھی۔ اس میں نمی سی
تھی۔ پھر میں نے تیزی سے زمین کو کھودنا شروع کر دیا۔ گرمی کی وجہ سے جسم سے پ

پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگا۔ میں جلد سے جلد کام نمٹانے کے لئے پاگلوں کی طرح زمین
کھودتا اور اس کی مٹی پھینکتا رہا۔

ناجیہ نے مجھے تیزی اور مشقت سے کام کرتے ہوئے دیکھا تو پاس آ کر کہا۔ "کیا میں
تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکتی......؟ تم کچھ دیر سستا لو۔ میں اتنی دیر میں کچھ کھدائی کئے لیتی
ہوں۔"

"یہ تمہارے ان نازک اور خوبصورت ہاتھوں کے بس کا کام نہیں۔" میں نے جواب
دیا۔ "البتہ تم یہ کر سکتی ہو کہ مٹی کو پھینکتی رہو تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔"

پھر وہ پلو کمر میں اڑس کر اپنے نرم و نازک اور خوبصورت ہاتھوں سے مٹی چاروں
طرف پھینکتی رہی۔ چونکہ ساون کا موسم تھا، بارش ہونے کی صورت میں مٹی کے بہہ جانے
کا امکان تھا۔ اس کا بہہ جانا ہی بہتر تھا۔

دوپہر تک میں نے سات فٹ لمبا، چار فٹ چوڑا اور تقریباً پانچ فٹ گہرا گڑھا کھود
لیا۔ ایک اور گڑھے کی ضرورت تھی اس لئے میں نے ایک اور دیوار کے نیچے گڑھا کھودنا
شروع کیا۔ نیچے کی مٹی بھی بہت ہی نرم تھی اس لئے مجھے کوئی دُشواری نہیں ہوئی اور زیادہ
محنت بھی نہ کرنا پڑی۔ یہ گڑھا دیوار کے اندر بھی تھا اور نیچے بھی...... یہ پناہ گاہ کا دوسرا کمرہ
تھا۔ میں نے یہ کمرہ اس قدر کشادہ بنا لیا جس میں ایک آدمی آرام، سکون اور اطمینان سے
لیٹ اور بیٹھ سکتا تھا۔

اس کام سے فراغت پا کر میں باہر آیا۔ پھر میں نے مٹی دُور دُور تک بکھیر دی۔ ٹین کی
وہ چادریں جو میں پکے مکان کی چھت سے اُکھڑ کر لایا تھا، اُنہیں گڑھے کے منہ پر ڈال
کر گڑھے کی چھت بنا دی۔ پھر اس کے اُوپر جھاڑیاں ڈال دیں۔ طمانیت کی بات یہ تھی
کہ یہ جگہ ہر طرف سے گھنی اور لمبی جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی اور ہر طرف گھنے درخت
تھے۔ یہ جگہ پہاڑی کی ایسی ڈھلان پر تھی جہاں کسی کو ضرورت نہیں پڑ سکتی تھی۔ کیونکہ اس
جگہ میں ایسی کوئی خاص بات نہ تھی۔ میں نے نیچے جانے اور اُوپر آنے کے لئے تھوڑی سی
جگہ چھوڑ دی تھی اور پھر تازہ ہوا کے لئے راستہ بھی تھا۔

ناجیہ بڑے غور اور دلچسپی سے اس پناہ گاہ کو بنتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ جب میں نے
اپنا کام مکمل کر لیا تب اُس سے کہا۔ "کیا تم خود سے نیچے اُتر سکتی ہو......؟"

اُس نے اندر جھانک کر جائزہ لیا اور پھر کہا۔ "نہیں...... میرے لئے اُترنا بہت مشکل

ہے۔ ''سیکھ جاؤں گی تو کچھ مشکل نہ ہوگا۔''

میں نے کہا۔ ''آؤ...... تمہیں نیچے اُترنا سکھاؤں۔''

پھر میں نے اُسے سہارا دیتے ہوئے آہستگی سے نیچے اُتار دیا۔ اُس نے جیسے ہی
پر قدم رکھ کر گڑھے کا جائزہ لیا تو اُس کا حسین چہرہ دمک اُٹھا اور آنکھیں چمکنے لگیں
چھت اور اس کی دیواروں کو دیکھ کر جیسے اپنے آپ کو ہر خطرے سے محفوظ محسوس کر
تھی۔ پھر میں گڑھے سے باہر نکل آیا۔ میں نے ناجیہ کو اندر ہی رہنے دیا تھا۔ مجھے
ایک اور کام کرنا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں واپس آیا تو میرے پاس گھاس اور پتوں کا
گٹھا تھا۔ میں نے فرش پر گھاس اور پتوں کو بچھا دیا۔ یہ ہمارا بستر تھا۔ اب ہم آرام
بیٹھ، لیٹ اور دن رات سو سکتے تھے۔

دوسرے دن مجھے ایک بار پھر طیاروں کی گھن گرج سنائی دی...... میں نے گڑھے
نکل کر دیکھا، یہ جنگی طیارے تھے۔ سری لنکا کے تھے۔ وہ جزیرے کے دو ایک چکر
چلے گئے۔ لیکن جاتے جاتے یہ خوف دل میں بٹھا کر چلے گئے کہ دوبارہ پھر آئیں
صرف چکر لگانے کے لئے نہیں بلکہ فوج کے دستے اُتارنے کے لئے۔ ان دونوں فر
کے ہم دشمن نہ تھے اور نہ اُنہیں ہماری تلاش تھی۔ لیکن ہم بلاوجہ اُن کے معتوب
جاتے۔ خدا جانے وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔

دو دن اور گزر گئے۔ ہم دونوں صبح باہر آ جاتے۔ کھلی فضا میں سانس لیتے۔ لیکن
محتاط اور چوکنا رہتے۔ ہر وقت نگاہیں سمندر اور آسمان کے چاروں طرف اُفق پر
تھیں۔ ہم کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھے۔ ایک طرح سے ہماری حالت قیدیوں
بھی بدتر تھی۔ ہم تیر کر کہیں جا بھی نہیں سکتے تھے۔ ایسی مجبوری اور بے کسی تھی کہ اند
تڑپ کر رہ جاتے۔

تیسرے دن بہت سے طیارے آئے۔ میں اُن کی گنتی نہیں کر سکا۔ اُن میں سے
خاصی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے چکر لگاتے رہے اور کچھ نیچی پرواز کرتے رہے۔
یہ پرواز بے مقصد معلوم نہیں ہوتی تھی۔ میرے دل و دماغ کی عجیب سی کیفیت ہو
جسے میں خود سمجھنے سے قاصر تھا۔ کوئی ایک گھنٹے تک پرواز کرنے کے بعد یہ طیارے
چلے گئے۔ لیکن دھڑکا لگا رہا کہ شاید پھر واپس آئیں۔ دن گزر گیا۔ رات آئی اور گزر
نہ آئے۔

دوسری صبح ہوتے ہی میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر چھپ کر بیٹھ گیا۔ یہاں سے مجھے
سمندر اور بندرگاہ دکھائی دے رہی تھی۔ آج مجھے نجانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ ان دونوں
فریقوں میں سے کسی ایک کی فوج ضرور آئے گی۔ وہ جہاز یا کشتی میں آ سکتے ہیں۔ لیکن
آج بھی مجھے کوئی جہاز دکھائی نہیں دیا، پھر جزیرے پر کوئی نہ آیا۔

پھر دن گزرنے لگے۔ ہم دونوں نے اس گڑھے کو اقامت گاہ بنا لیا۔ اس کے سوا چارہ
بھی نہیں تھا۔ اس پورے جزیرے پر اس سے محفوظ پناہ گاہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم
دونوں ایک ہی گڑھے میں اتنے قریب سوتے تھے کہ ایک دوسرے کی سانسیں بھی سنائی
دیتی تھیں۔ میں نے ناجیہ کے لئے نیچے ایک کمرہ بنایا تھا تاکہ وہ مجھ سے دُور رہے۔ لیکن
ایک چھت تلے رہنے سے یہ دُوری جیسے ختم ہو گئی تھی۔ ہمارا کام اور مصروفیت یہ تھی کہ دن
کے وقت پناہ گاہ سے باہر نکل آتے اور کسی پہاڑی پر بیٹھ کر آسمان اور سمندر کو دیکھتے رہتے
کہ شاید آسمان پر کوئی طیارہ یا سمندر میں کوئی مسافر جہاز نظر آ جائے۔ لیکن ہماری یہ آرزو
پوری نہ ہوئی۔

ہم اِدھر اُدھر سے ناریل اور پھل اکٹھا کر کے کھا لیتے تھے۔ میں اُسے زیادہ وقت دُعا
کرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ نجانے کیوں اُس کی دُعائیں مستجاب نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ بڑے
خشوع وخضوع سے دُعا کرتی تھی۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتی۔ اُسے اپنی خبر نہیں
رہتی۔ مجھے اُس پر نگاہیں ہٹانے کے لئے خاصی جدوجہد کرنا پڑتی تھی۔ وہ ان حالات اور
خطروں سے بے پرواہ سی لگتی جن میں ہم زندہ رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں اُس مکان میں جا کر آگ پر کچھ لکڑیاں رکھ آتا کہ وہ بجھنے نہ پائے اور جلتی
رہے۔ پھر میں ان پرندوں اور جانوروں کو دیکھتا جو آزاد اور ہماری دسترس سے دُور تھے۔
باوجود کوشش کے ہمارے ہاتھ نہیں آ سکے تھے۔ ایک مچھلی بھی ہاتھ نہ لگ سکی تھی۔ پکڑنے
کے لئے نہ ڈوری کانٹا تھا نہ جال تھا۔ میں تو بعض اوقات بری طرح جھنجھلا جاتا۔ احساسِ
محرومی پر اندر ہی اندر کڑھنے لگتا۔ یہ مچھلیاں، جانور اور پرندے جیسے میرا منہ چڑاتے تھے۔

ایک روز صبح جب ہم پناہ گاہ سے باہر آئے تو پھلوں سے ناشتہ کیا۔ تب ناجیہ نے مجھ
سے کہا۔ ''میں نہانے کے لئے ندی کی طرف جا رہی ہوں۔''

نہانا تو روز کا معمول تھا۔ کیونکہ گرمی اتنی سخت پڑتی تھی کہ نہائے بغیر رہا نہیں جا سکتا
تھا۔ جب وہ نہانے کے لئے ندی کی طرف بڑھی تو میں اُسے تنقیدی نظروں سے اس طرح

دیکھنے لگا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ وہ ساڑھی اور سفید دوپٹے میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ اُس کی مستانہ خرامی میں شاخِ گل جیسی لچک اور ایک سحر انگیز تاثر سا تھا۔

میں ایک مافیا کا سرگرم رُکن تھا۔ میں کوئی پارسا اور صاحب کردار شخص نہیں تھا۔ جرائم پیشہ افراد کی صحبت میں رہ کر میرے خیالات اور تصورات پراگندہ سے ہو گئے تھے۔ اس لمحے مجھے بہت ساری لڑکیاں یاد آئیں۔ ان میں اداکارائیں بھی تھیں اور بازارِ حُسن کی تتلیاں بھی، ماڈرن گھرانوں کی دولت مند لڑکیاں بھی جو میرے ساتھ فوراً بے تکلف ہو جاتی تھیں۔ میں نے لڑکیوں کو ہر عالم اور رُوپ میں دیکھا تھا۔ پھر میری نظروں میں ہر لڑکی کا چہرہ لہرانے لگا۔ میں نے چشم تصور میں ہر چہرے کا ناجیہ کے چہرے سے موازنہ کیا۔ ناجیہ کے چہرے میں دلکشی اور تقدس کا جو سحر تھا، وہ مجھے کسی میں نظر نہیں آیا۔ وہ سب جیسے ماند پڑ گئے تھے۔

میرا ذہن اور میری سوچ ایک مافیا تنظیم کے زیر اثر تھی۔ گو کہ میں پیشہ ور قاتلوں اور سفاک قسم کے مجرموں میں سے نہیں تھا لیکن میں ایک عام قسم کا آدمی نہ تھا۔ میرے خیالات اعلیٰ وارفع نہ تھے۔ ان میں کوئی گہرائی نہ تھی۔ اس لئے میں اس وقت یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس لڑکی کے حسن میں جو سحر ہے وہ حیا اور پاکیزگی کا پرتو ہے۔

میں اس جدید دور کا جوان آدمی ان باتوں کو جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی جیسے بہت کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔ میری نظر میں ناجیہ صرف ایک لڑکی تھی۔ جانے کیا بات تھی کہ انجانی خواہش کو جتنا دبا رہا تھا، وہ اتنی ہی اُبھر رہی تھی کہ میں ندی کی طرف جاؤں۔ مگر میرے اندر کوئی ایسی نادیدہ قوت تھی جو مجھے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

مجھے فوراً اس بات کا احساس ہوا کہ میرے خیالات پراگندہ نہیں ہونے چاہئیں۔ وہ میرے لئے بھی دُعا کرتی ہے۔ میرے اور خدا کے درمیان اُس کا وجود اور اُس کا غیر متزلزل عقیدہ ایک رابطہ ہے۔ شاید یہ اُس کی مستجاب دُعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ یہ جو بے تحاشہ گولہ باری ہوئی تھی، اس میں بھی زندہ رہا ہوں۔ اگر ایک گولہ مجھ پر گر جاتا تو...... اور پھر کاکامیاں کے آدمی جو اُدھر نہ آسکے، یہ بھی دُعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔

میرے جذبات میں جو وحشت آ گئی تھی وہ سرد پڑنے لگی۔ پھر مجھے اپنے آپ پر غصہ آیا کہ میں انسان سے شیطان کیوں بن گیا تھا۔ میں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ پھر میں اپنے

آپ کو بہت ہی ذلیل، حقیر اور قبیح محسوس کرنے لگا۔

پھر میں نے اپنے ذہن کو ہٹانے کے لئے سوچا۔ یہاں جو کوئی بھی آئے گا وہ ہمارا دشمن ہوگا۔ کاکامیاں کے آدمی کے سوا دوسرے جو فوجی آئیں گے، وہ اپنے ساتھ سنگین خطرے لے کر آئیں گے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ کہ ناجیہ کو قیدی بنا لیں گے، اُسے مالِ غنیمت سمجھ لیں گے۔ کیونکہ وہ بہت حسین اور پُرکشش ہے۔

اس خیال کے آتے ہی میری رگوں میں لہو اُبلنے لگا۔ مجھے ایسا لگا کہ ناجیہ اس ویران جزیرے میں اُن کے پاس یرغمال ہے۔ ایسا کسی دن ممکن تھا۔ یہ واقعہ رونما ہو سکتا تھا۔ میں ایسی صورت میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ایسا شخص جس کے پاس ایک پستول تک نہ ہو، کیسے مقابلہ کر سکتا ہے؟ اور پھر میں تنہا بھی تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ بدمعاش اُسے اغواء کرنے کے لئے ندی کی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ دوڑ کر ندی پر جاؤں اور اُسے لے جا کر زمین دوز پناہ گاہ میں چھپا دُوں...... میرے اندر مردانگی کی لہر اُٹھی تھی اور میں نے محسوس کیا کہ میری غیرت جاگ اُٹھی ہے۔ میں چند قدم چل کر رُک گیا، کیونکہ مجھے خیال آیا کہ وہ وہاں نہانے گئی ہے۔ میں پھر سے اُسے دیکھنے کے لئے بے چین ہو گیا۔ پھر میں اُس کے انتظار میں ٹہلنے لگا۔ میں نے اُس کے جلد آجانے کی دُعا مانگی۔

کچھ دیر بعد وہ خراماں خراماں آتی ہوئی دکھائی دی۔ اُس کا چہرہ دُھل کر تر و تازہ گلاب لگ رہا تھا۔ ایک ایسا نکھار آ گیا تھا کہ وہ کسی حور کی مانند لگ رہی تھی۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا۔ مجھ میں اتنی تاب نہیں رہی تھی کہ میں اُس سے نگاہیں ملا سکوں۔ میرے ذہن میں اُس کے متعلق کیسی پراگندہ باتیں آئی تھیں۔ اب جبکہ وہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہوئی تو میری وحشت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

یہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ وہ ایک عورت ہونے کے ناتے بہت کم گو تھی۔ اگر وہ باتیں کرنے کی عادی ہوتی تو میں اُس سے باتیں کر کے وقت گزارتا۔ وہ جو بھی بات کرتی تھی بڑی مختصر سی ہوتی تھی۔ وہ ایسی کوئی بات نہیں کرتی تھی جو فضول، تفریح اور شو بزنس سے متعلق ہو۔ حیرت کی بات تھی کہ وہ شہر کی لڑکی ہوتے ہوئے اس ترقی یافتہ دنیا سے بہت دُور اور کسی دوسری دنیا کی مخلوق دکھائی دیتی تھی۔ اب وہ نہا کر آئی تھی۔ اُس نے مجھ سے ایک بات بھی نہیں کی تھی۔ پھر وہ مجھ سے قدرے فاصلے پر جا بیٹھی۔ میں مچھلیاں

پکڑنے کے لئے تدبیر سوچنے لگا۔ جب کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آئی تو میں پہاڑی کے اُوپر جا کر بیٹھ گیا۔ پھر آسمان اور سمندر کا نظارہ کرنے لگا۔

دن ڈوبنے کے بعد اندھیرا پھیل گیا تو ہم دونوں پناہ گاہ میں اُتر گئے۔ وہ گھپ اندھیرے میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ہمارے پاس روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جب میں سونے کے لئے دراز ہوا تو ناجیہ ایک بار پھر میرے سامنے شہر کی بے حد ماڈرن اور بے باک لڑکیوں کے رُوپ میں آ گئی۔ میرے اور ناجیہ کے درمیان صرف گھپ اندھیرا حائل تھا۔ میں ایک بار اپنے تصورات کی دنیا میں بہت دُور چلا گیا۔ ایک بار پھر میرے اندر کی نیکی کی آواز نے مجھے پراگندہ خیالات سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ میں اپنی جذباتی کیفیت سے پریشان ہونے لگا۔ جب طیاروں نے جزیرے پر گولے برسائے تھے، میں نے ایسا خوف محسوس نہیں کیا تھا جتنا اس کے قریب ہو کر محسوس ہو رہا تھا۔ اُلٹے سیدھے خیالات نے مجھے بری طرح اُلجھا دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ لیٹی نہیں بلکہ بیٹھی ہوئی ہے، جاگ رہی ہے۔ شاید دُعا میں مصروف ہے۔ میں اس قدر پریشان ہو گیا کہ مجھے ایک صورت نظر آئی جس سے میں اپنے آپ کو پُرسکون رکھ سکتا تھا۔

''ناجیہ! کیا تم جاگ رہی ہو......؟'' میں نے اُس کی طرف رُخ کر کے کہا۔

''ہاں...... کیا بات ہے؟'' اُس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

''مجھے بڑی وحشت سی ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم مجھے دُعا کے متعلق بتاؤ...... کیا دُعا میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ ذہن پراگندہ خیالات سے نجات پا لے اور بیہودہ ارادوں کے اثر سے نکل جائے؟ میری مراد یہ ہے کہ کوئی شخص غلط قدم اُٹھانا نہ چاہتا ہو لیکن شیطانی قوت اُسے یہ قدم اُٹھانے پر مجبور کر رہی ہو تو کیا دُعا اُسے اس شیطانی قوت سے نجات دلا سکتی ہے؟''

''تم تو بڑی گہرائی کی باتیں کر رہے ہو۔'' اندھیرے میں اُس کی آواز لہرائی۔ ''تم جذباتی انداز سے سوچ رہے ہو...... تم اُس وقت کی باتیں کر رہے ہو جب ہم واپس اپنی اپنی دنیا میں پہنچ جائیں گے۔ آدمی غلط قسم کی حرکتیں وہیں سوچتا اور کرتا ہے۔ جتنا بڑا شہر اور جتنی زیادہ آبادی، اُتنی ہی برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ ہم یہاں کون سی غلط حرکت کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ یہاں تو صرف ہم دونوں ہیں۔ لہٰذا کسی برائی کے جنم لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

اُس کی اُلجھی باتوں نے مجھے اور اُلجھا دیا۔ وہ کسی اور انداز سے سوچ رہی تھی۔ اُسے اس بات کا کوئی احساس نہیں تھا کہ وہ ایک نوجوان لڑکی ہے اور ایک جوان مرد کے ساتھ اکیلی ہے۔ میں یہ مسئلہ اُس کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا کہ ہم دونوں کے سوا یہاں کوئی اور نہیں ہے۔

اُس کے جواب سے مجھے تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا۔ ''مجھے تمہاری بات سے اتفاق ہے۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آیا دُعا کسی آدمی کی مدد کر سکتی ہے یا نہیں......؟''

''کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......'' وہ کہنے لگی۔ ''دُعا میں بہت اثر ہوتا ہے۔ دُعا نے میری کئی بار مدد کی ہے۔ دُعا ہر کسی کی مدد کرتی ہے۔ وہ تمہاری بھی مدد کر سکتی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ دُعا اپنے اندر کتنا اثر رکھتی ہے؟''

''میں خدا کی ذات پر پختہ یقین رکھتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا تو میری آواز میں ارتعاش سا تھا۔ معلوم نہیں اُس نے محسوس کیا کہ نہیں۔ ''میں نے خدا کے متعلق سوچا نہیں تھا۔ جس طرح ہم روز سورج کو دیکھتے ہیں لیکن اس کے متعلق سوچتے نہیں ہیں۔ البتہ جب شدید سردی پڑتی ہے، جب ہمیں سورج کی یاد آتی ہے۔ اپنے ملک میں رہ کر ہم کسی ملک کے متعلق نہیں سوچتے ہیں۔ جب کوئی دشمن ہمارے ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو اپنا ملک بہت پیارا لگتا ہے۔ اب جبکہ مصیبت آن پڑی ہے اور خدا کی مدد کی ضرورت ہے تو وہ بہت یاد آ رہا ہے۔''

ناجیہ میری اُلجھن سمجھ نہیں سکی تھی۔ میں دراصل اُس حسین اور بے حد بھولی بھالی لڑکی سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ...... کیا دُعا میری یہ مدد کر سکتی ہے، میں تمہارے متعلق غلط باتیں نہ سوچوں...... لیکن وہ میری باتوں کی تہہ میں نہ پہنچ سکی۔ میں اپنے آپ سے اُلجھتا اور تکرار کرتا ہوا سو گیا۔

❑......❑
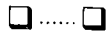
صبح میں بیدار ہوا تو پناہ گاہ سے باہر نکل آیا۔ ناجیہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے باہر نکل کر اپنی پناہ گاہ کا اچھی طرح سے جائزہ لیا کہ باہر سے کسی کو شک تو نہیں ہو سکتا کہ یہاں کوئی زمین دوز پناہ گاہ موجود ہے۔ میں نے اچھی طرح سے اطمینان کرنے کے بعد آسمان کی طرف دیکھا۔ بارش کے دُور دُور تک آثار نہیں تھے لیکن آسمان ابر آلود تھا۔ بادلوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے آسمان پر بکھرے تیر رہے تھے۔ اُن کے درمیان سورج

چمک رہا تھا۔ جزیرے میں کسی دشمن کا نام و نشان نہ تھا۔ میں نے سمندر کی طرف دیکھ
سمندر میں بھی دُور دُور تک کسی جنگی جہاز اور گن بوٹ کا وجود دکھائی نہ دیا۔ میں نے اچھ
طرح سے جائزہ لینے اور اطمینان کرنے کے بعد سوچا کہ نہا لیا جائے۔ اس خیال سے م
ندی کی طرف بڑھ گیا۔

میں پانی میں اُتر گیا۔ تب مجھے وہ خواب یاد آئے جو میں ساری رات دیکھتا رہا تھا
میں نے کوئی اچھے خواب نہیں دیکھے تھے۔ میں نے پانی میں ڈبکی لگائی۔ پانی کی خنکی نے
میرے ذہن کو پریشان کن خیالات سے صاف کر دیا۔ پھر میں نہا کر اپنی پناہ گاہ پہنچ
ناجیہ ناشتہ کرنے کے لئے میرے انتظار میں بیٹھی تھی۔ میں نے کچھ پھل اکٹھے کئے ہوئے
تھے۔

''میں ساری رات سوچتی رہی کہ وہ لوگ کیسے ہوں گے جو ہمیں لینے یہاں آئیں
گے۔'' ناجیہ نے کہا۔

''یہاں جو بھی آئیں گے، وہ ہمارے دشمن ہوں گے۔ چاہے وہ بردہ فروش ہوں یا کا
میاں کے آدمی......''

''تم سمجھے نہیں...... میں اُن لوگوں کے بارے میں پوچھ رہی ہوں جو ہمیں یہاں سے
نکال کر لے جانے آئیں گے۔''

''یہ تو ایک خواب ہے ایک دیوانے کا......'' میں نے کہا۔ ''تم ایسے خواب نہ دیکھو
اچھا ہے۔''

''لیکن میرا دل بڑے یقین سے کہہ رہا ہے کہ وہ ضرور آئیں گے۔'' ناجیہ نے پُر اعتم
لہجے میں کہا۔ ''مگر یہ بھی سوچتی ہوں کہ وہ کب آئیں گے؟ جب ہم زندہ نہیں رہیں گے او
کسی کو ہماری موت کی خبر بھی نہ ہوگی۔ ہمارے جسم یہاں کے گدھ اور درندے کھا جائیں
گے۔''

وہ اپنی عادت کے مطابق دھیمے دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے سُر بول
رہے ہوں۔ اُس پر ایک گہری اُداسی چھا گئی۔ رنج و الم کی سی کیفیت میں نجانے کیوں
مجھے بہت حسین دکھائی دیتی تھی۔ مگر اب میں زخم خوردہ باتیں سننا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس
سے حوصلہ مجروح ہوتا تھا۔ میں نے اُس کی اُداسی دُور کرنے کے خیال سے کہا۔

''آج میں کسی نہ کسی طرح مچھلیاں پکڑ کر رہوں گا...... میرے ذہن میں پرندوں

شکار کرنے کی ایک تدبیر بھی آ گئی ہے۔ میں اپنے طریقے آزمانے جا رہا ہوں۔''

''تو پھر میں اتنی دیر میں ندی میں نہا کر آ جاتی ہوں۔'' اُس نے کہا۔

پھر ہم دونوں الگ الگ راستوں پر ہو لئے۔ میں پرندوں کی حرکتیں اور عادتیں دیکھنے
کے لئے ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ جزیرے میں ہرن بھی تھے۔ میں نے ایک جگہ تین ہرن
کھڑے دیکھے تو ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتا جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ چھپ کر
دبے پاؤں اُن کی طرف بڑھنے لگا۔ ذرا آگے جا کر دو جھاڑیوں کے درمیان میں سے
دیکھا تو مجھے ہرن نظر نہیں آئے۔ وہ شاید آہٹ پا کر اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ میں نے
چاروں اطراف نظریں گھمائیں۔ مگر ہرن، گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو چکے تھے۔

معاً مجھے ان جھاڑیوں کے درمیان سے ایسا منظر نظر آیا جس نے میرا لہو رگوں میں منجمد
کر دیا...... میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دوسرے لمحے ایسا محسوس ہوا جیسے مجھ پر کوئی بجلی
سی آ گری ہو...... میں ایک لمحے کے لئے ساکت و جامد ہو گیا۔ یہاں سے دُور سے
بندرگاہ نظر آ رہی تھی اور بندرگاہ پر ایک لانچ کھڑی تھی۔ بندرگاہ سے ذرا ہٹ کر بلند جگہ پر
مکان تھا۔ کوئی بارہ پندرہ آدمی بندرگاہ اور مکان کے درمیان آ جا رہے تھے۔ کچھ آدمی لانچ
سے سامان اُتار رہے تھے۔

چند لمحوں تک مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری رہی اور میں خوف سے پھٹی پھٹی آنکھوں
سے اُن بدمعاشوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ کاکا میاں کے آدمی تھے۔ سارے کے سارے چھٹے
ہوئے بدمعاش تھے۔ سفاک ترین درندے، پیشہ ور قاتل تھے۔ کاکا میاں نے اُنہیں
میری تلاش میں بھیجا تھا۔

یکلخت مجھے ہوش آیا اور ساتھ ہی ناجیہ کا خیال۔ میں چونکا۔ میں ہاتھوں اور گھٹنوں کے
بل پیچھے کو سرکنے لگا۔ جب میں نے دیکھا کہ میں اُن بدمعاشوں کی نظروں میں نہیں آ
سکوں گا تو پھر سیدھا ہو کر ندی کی طرف سرپٹ دوڑا۔ ناجیہ ندی میں نہانے گئی ہوئی تھی۔
مجھے ڈر تھا کہ وہ ابھی ندی میں ہو گی۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ان بدمعاشوں کی
موجودگی سے بے خبر بندرگاہ کی طرف چل پڑے۔ میں نے سوچا کہ اُسے آواز دُوں لیکن
میری آواز بدمعاش بھی سن سکتے تھے۔ میں برق سرعت سے ندی تک پہنچ گیا۔

مجھے ناجیہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں کنارے کنارے اُوپر کے رُخ دوڑتا گیا۔ جب میں
ایک موڑ کاٹ کر آگے پہنچا تو ناجیہ نظر آ گئی۔ وہ واپس آ رہی تھی۔

میں نے فوراً ہی اُسے پکارا۔ ''ناجیہ.....! ناجیہ.....! دشمن آ گیا ہے۔ آخر وہ آ
ہے۔''

جب میں اُسے نظر آیا تو وہ میری طرف لپکی۔

میں نے اُسے کھینچتے ہوئے کہا۔ ''چلو بھاگو.... یہاں خطرہ ہے۔ وہ ہمیں دیکھ ل
گے۔''

ہماری پناہ گاہ اور ندی کے درمیان وہی فاصلہ تھا جو پہلے تھا۔ پناہ گاہ تک چڑھائی بھ
وہی روز مرہ والی تھی۔ مگر یہ فاصلہ اور چڑھائی بالکل محسوس نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت
یہ مسافت صدیوں کی محسوس ہو رہی تھی۔ ہمیں بہت تیز چلنا تھا اور دشمن کی نظروں سے
چھپ چھپ کر منزل پر پہنچنا تھا۔ جب پہاڑی کی چڑھائی چڑھنے لگے تو چڑھائی،
کے پہاڑ کی طرح ختم ہونے ہی میں نہیں آ رہی تھی۔ راستے میں ہم دونوں کے درمیان
خاموشی رہی۔ بات کرنے کا موقع محل نہ تھا۔ خدا خدا کر کے ہم پناہ گاہ تک دشمن کی نظروں
سے بچتے بچاتے پہنچ گئے۔

میں نے ناجیہ کو سہارا دے کر پناہ گاہ میں اُتارا، پھر خود اُترا۔ اچانک مجھے خیال آیا
فوراً ہی باہر نکل آیا۔ میں نے درختوں کی کچھ تازہ شاخیں توڑ کر ڈال دیں۔ تازہ شاخوں
سے شک نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر باہر کی مٹی پر زمین پر جو پاؤں کے نشان بن گئے تھے، انہیں
مٹایا اور پناہ گاہ میں اُتر گیا۔ میں نے ٹین کی ایک چادر کھینچ کر اُوپر کر دی لیکن خلا سا رہنے
دیا تا کہ اُس میں کھڑے ہو کر باہر دیکھ سکوں۔ وہ میری تلاش میں آئے تھے۔ چپہ چپہ
کھنگال ڈالے بغیر رہ نہیں سکتے تھے، اس لئے حفاظتی تدبیر اور احتیاط بہت ضروری تھی۔

ناجیہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ میں نے اُسے دلاسہ دیا۔ ''ڈرنے کی بات نہیں
ہے۔ ہم لوگ یہاں پوری طرح محفوظ ہیں۔ تم دُعا کرو کہ دشمن ادھر نہ آ جائے۔''

اُس نے جواب میں اس طرح سے اچھا کہا جیسے سسکی بھری ہو۔

میں نے چھت میں جو خلا سا بنایا ہوا تھا، اُس میں کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ میں نے
جھاڑیاں اور ٹہنیاں اس طرح ڈال رکھی تھیں کہ کوئی قریب سے بھی دیکھے تو اُسے پتہ نہ
چل سکتا تھا کہ یہاں کوئی چھپا ہے۔ میں سر اُٹھا اُٹھا کر جہاں تک دیکھ اور جائزہ لے
تھا، لے رہا تھا اور باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے اس بات کا خوف و خدشہ
کہ وہ ادھر ضرور آئیں گے۔ مجھے بہت دیر تک ایسی کوئی آواز سنائی نہیں دی جو دشمن کی

کا پتہ دے اور نہ ہی کوئی ایک بدمعاش ادھر آتا دکھائی دیا۔ میری گھبراہٹ کم ہونے لگی۔
ذہن پر جو خوف سوار تھا، وہ کم ہو گیا۔

میں سوچنے لگا کہ کاکا میاں نے اتنے سارے بدمعاشوں اور ساز و سامان کو جزیرے
پر کس لئے بھیجا؟ صرف میری تلاش مقصود تھی تو دو تین مسلح بدمعاش ہی کافی تھے۔ کہیں ایسا
تو نہیں کہ پولیس نے میری مخبری پر کاکا میاں کے گروہ کا قلع قمع کر دیا ہو؟ اور اب اُس
نے اس ویران جزیرے کو اپنا اڈا بنا لیا ہو تا کہ وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔
اُس روز جو ہیلی کاپٹر آئے تھے، وہ اسی سلسلے کی کڑی تھے۔ اُنہوں نے اس جزیرے کا
فضائی سروے کر کے کاکا میاں کو رپورٹ دی ہو گی۔ اب یہ یہاں مستقل طور پر رہیں
گے۔ ایسی صورت میں ہم دونوں کب تک ان کی نظروں سے محفوظ رہ سکیں گے؟ میں
زندگی سے مایوس اور نا اُمید ہونے لگا۔ کیونکہ وہ دس بارہ دن بھی رہتے تو ہمارا زندہ رہنا
ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اتنے دن گرمی میں کچھ کھائے پیے بغیر رہا نہیں جا سکتا تھا۔ میں زیادہ
سے زیادہ یہ کر سکتا تھا کہ ناجیہ کے ساتھ پناہ گاہ میں چھپا رہوں۔ اس سے صرف یہ فائدہ
ہوتا کہ بدمعاشوں کے قیدی بننے سے بچ جاتے اور ناجیہ کی عزت و آبرو سلامت رہتی۔
لیکن بھوک اور پیاس سے مر جاتے۔

پھر میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح آیا کہ میں رات کے وقت پانی اور
کھانے کے لئے کچھ لا سکتا ہوں۔ پھر میں نے اپنے آپ کو جیسے فریب دیا کہ رات کے
وقت جب پرندے درختوں اور گھونسلوں میں سو رہے ہوں گے تب میں اُنہیں آسانی سے
پکڑ سکتا ہوں۔ مجھے اب اس بات کا دُکھ اور پچھتاوا ہو رہا تھا کہ دشمن کی یقینی آمد کے
باوجود میں نے پانی اور پھلوں کو جمع کرنے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟ میں ناجیہ کے
متعلق اُلٹے سیدھے خیالوں میں اُلجھا رہا۔

اچانک لانچ کی وسل گہری خاموشی میں بج اُٹھی۔ اُس کی آواز خطرے کے سائرن کی
طرح تھی۔ آواز اس قدر قریب معلوم ہوئی جیسے لانچ ندی میں آ جائے گی۔ میرا دل دہل
اُٹھا۔ پھر مجھے ناجیہ کا خیال آیا کہیں وہ ڈر تو نہیں رہی؟ پھر میں فوراً ہی اُس کے پاس چلا
گیا تا کہ اُس کی ڈھارس بندھا سکوں۔

ناجیہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔ ''یہ کیسی آواز تھی.....؟ اُف کتنی خوفناک آواز تھی۔''

''یہ لانچ کی روانگی کی وسل تھی۔'' میں نے کہا۔ ''وہ یہاں کچھ بدمعاشوں کو چھوڑ کر جا

رہی ہے۔ اب ہمیں یہیں روپوش رہنا ہوگا۔ ہم باہر نہیں نکل سکتے۔ ایک طرح سے قید بن گئے ہیں۔"

"لیکن میں یہ سوچ رہی ہوں کہ میں اکیلی ہوتی تو کیا کرتی؟"

اتنا کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میں بھونچکا سا ہوگیا۔ کیونکہ مجھے اُس کی ہنسی کسی عام لڑکی کی ہنسی معلوم نہیں ہوئی۔ میں نے اُسے اس سے پہلے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اب تک صرف ایک مرتبہ مسکرائی تھی۔ حیرت کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ ہنسنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں نے اُسے کوئی لطیفہ نہیں سنایا تھا لیکن اُس کی ہنسی سے میں نے اپنے اعصاب قدرے پُرسکون محسوس کئے۔ ناجیہ کی ہنسی نے اُسے اور حسین بنا دیا تھا۔ میں اُس کے حسن کے طلسم میں پھر سے کھو گیا۔

میرے ہونٹ پیاس سے خشک ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں پیاس تو نہیں لگ رہی ہے؟ میں رات کے وقت ہی پانی لا کر دے سکتا ہوں۔ مجھے پہلے ہی خطرے کے پیش نظر پانی لا کر رکھ لینا چاہئے تھا۔ یہ میری غلطی ہے۔"

"اس میں تمہاری کوئی غلطی اس لئے نہیں ہے کہ دشمن کی آمد کا کچھ پتہ نہیں تھا۔" اُس نے بڑی متانت سے کہا۔ "مجھے بھوک لگی ہے نہ پیاس۔ تم بلاوجہ پریشان نہ ہو۔"

میں جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ باہر ایک زبردست دھماکہ ہوا......!

○□○

ہم دونوں اس طرح اُچھل پڑے جیسے یہ دھماکہ باہر نہیں بلکہ پناہ گاہ میں ہوا ہو۔ میں تی ساعت سے اُٹھا اور باہر خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ یہ دھماکہ بم کا نہیں تھا بلکہ اسٹین ئن کا تھا۔ باہر کچھ بھی دکھائی نہیں دیا، البتہ پرندوں کا شور ضرور سنائی دیا۔ دوسرے لمحے یک اور فائر ہوا۔ یہ کسی عام بندوق سے کیا گیا تھا۔ یہ آواز ندی کی سمت سے آئی تھی۔

میں سمجھ گیا، بدمعاش شکار کھیل رہے ہیں۔ اس جنگل میں سوٗروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ یسے یہ خود بھی کسی سوٗر سے کم نہ تھے۔ انہیں حرام حلال کی تمیز نہ تھی۔ اُنہیں گوشت اور پیٹ ھرنے سے مطلب تھا۔ مجھے غصہ آیا کہ یہ کوئی وقت ہے شکار کھیلنے کا...... کیا یہ اپنے ساتھ ورد و نوش لے کر نہیں آئے ہوں گے؟ کیا یہ کئی وقتوں کے بھوکے ہیں جو اس وقت شکار کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں؟ میں کچھ دیر تک کھڑا رہا اس خیال سے کہ وہ ادھر نہ آنکلیں۔

پھر میں ناجیہ کے پاس جا بیٹھا۔ اُس سے کوئی گفتگو اس لئے نہ ہو سکی کہ وہ دُعا میں صروف تھی۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ اُس کے پُرنور چہرے پر ایک عجیب سی تمکنت تھی۔ ہ ایسی پُروقار اور دلکش دکھائی دے رہی تھی کہ میں اُس کے چہرے سے بہت دیر تک نگاہیں نہ ہٹا سکا۔ میری نظروں میں میلا پن نہیں تھا، ایک عقیدت سی تھی جسے میں خود سمجھنے سے قاصر تھا۔ مجھے اُس پر ترس بھی آ رہا تھا کہ یہ غریب کہاں آ پہنچی۔

میں نے ناجیہ کی بے نیازی محسوس کر لی تھی۔ اُس کے بشرے اور باتوں سے میں نے محسوس کیا تھا کہ اُسے نہ صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے بلکہ مجھ پر اندھا اعتماد بھی ہے اسی لئے اس وقت میرے ساتھ بے فکری سے رہ رہی ہے۔ میرے دل میں کئی بار خیال آیا کہ اس سے دریافت کروں کہ وہ میری رفاقت اور حفاظت میں کیا محسوس کر رہی ہے؟ کیا اُسے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ صیاد نے ایک خوبصورت پرندے کو پنجرے میں قید کر رکھا ہے۔

بعض اوقات نیند رُوٹھ کر کوسوں دُور چلی جاتی ہے۔ لاکھ منانے اور جتن کرنے پر بھی نہیں آتی ہے۔ لیکن اس وقت صورتحال قدرے مختلف تھی۔ نیند مجھے دبوچنے پر تلی ہوئی تھی

لیکن میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ میں نیند بھگانے کی کوشش کرنے لگا۔ بستر پر بے چینی
کروٹیں بدلتا رہا۔ رات اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ پھر مجھے اچانک پانی کا خیال آیا۔ ایک
پانی بھی نہیں تھا اور سخت پیاس لگ رہی تھی۔ سوچا کیوں نہ ندی پر جا کر پانی لے آؤ
بدمعاش گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ اُنہیں جاگنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اُنہیں
ذات سے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ میں کیا کوئی بھی تنہا شخص
کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

میں پناہ گاہ سے ندی کا فاصلہ تیزی سے کودتا اور پھلانگتا ہوا طے کر لیتا تھا۔ یوں یہ فا
چند منٹوں میں طے ہو جاتا تھا۔ لیکن مجھے ندی پر پہنچنے میں کافی دیر لگ گئی۔ میں نے سوچا
پی لوں۔ مگر ناجیہ کو چھوڑ کر پانی پینے کو دل نہ مانا۔ دونوں پیالے پانی سے بھرے پھر تیزی
سے واپس ہوا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا کہ پانی چھلک نہ جائے۔ اس کی قدر و قیمت
اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا۔

جب میں پناہ گاہ پہنچا تو میں نے ناجیہ کو باہر منتظر پایا۔ میں نے اُس کی طرف پ
بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ناجیہ! تم باہر کیوں آئیں......؟ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ
خطرات میں گھرے ہوئے ہیں؟''

ناجیہ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اُس نے پیالہ منہ سے لگا لیا، پھر وہ دو گھونٹ
لے کر بولی۔ ''ہاں مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ لیکن
میں اس لئے باہر نکل آئی کہ تمہیں گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی، کہیں تمہیں کوئی حادثہ تو پیش
نہیں آ گیا......؟ اس خیال نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا کہ کہیں تم بدمعاشوں کے ہتھے تو نہیں
چڑھ گئے؟''

''خدانخواستہ میں اُن کے ہتھے چڑھ جاتا تو تم کیا کرتیں......؟'' میں نے مسکراتے
ہوئے پوچھا۔

''پھر میں تمہاری تلاش میں نکلتی اور بدمعاشوں کی قید سے تمہیں چھڑانے کی کوشش
کرتی۔''

''میں تمہیں اُن بدمعاشوں کے بارے میں بتا چکا ہوں، یہ آدمی نہیں درندے ہیں
ایک نازک لڑکی ہو۔ ان سے اکیلی کیسے مقابلہ کرتیں؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''میں اتنی کمزور نہیں ہوں......عورت ایک شیرنی کی طرح ہوتی ہے۔ دس درندے بھی

بال بیکا نہیں کر سکتے۔'' ناجیہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''میں ایسی نہیں، جیسی نظر آتی ہوں۔''
ناجیہ کے جواب نے مجھے ششدر کر دیا۔ اس وقت اُس کا ایک انوکھا اور ناقابلِ یقین
رُوپ میری نظروں کے سامنے آیا تھا۔ اس لمحے وہ کمزور اور پھول جیسی نہیں بلکہ واقعی کسی
شیرنی کی طرح نظر آ رہی تھی۔

''یہ پانی کل شام تک کے لئے ہے۔ کیونکہ میں دن میں پانی نہیں لا سکتا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے اس بات کا احساس ہے کہ تمہیں پانی لانے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑی۔'' اُس
نے کہا۔

میں نے چند لمحوں تک باہر کھڑے ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی بدمعاش گھات
میں چھپا ہوا تو نہیں ہے؟ اُس نے ہم دونوں کی گفتگو تو نہیں سن لی ہے؟ پھر میں اچھی طرح
سے تسلی کرنے کے بعد زمین دوز پناہ گاہ میں اُتر گیا۔ میں اس وقت بہت تھکن محسوس کر رہا
تھا۔ لیکن میرا ذہن اس کے برعکس تھا، پُرسکون اور بیدار......!

مجھے خطرہ اُن بدمعاشوں سے تھا جنہوں نے اس جزیرے پر ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ ابھی تک
یہ بات صاف اور واضح نہ ہو سکی تھی کہ وہ کیوں آئے ہیں؟ میری تلاش میں یا کوئی نیا ٹھکانہ
بنانے کے لئے؟ دونوں صورتوں میں میرے لئے خطرہ لاحق تھا۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ ان
بدمعاشوں سے کیسے نجات حاصل کروں؟ اس کے علاوہ مجھے اُن کی نقل و حرکت سے محفوظ
رہنے کی تدبیر بھی کرنی تھی۔ میں تدبیریں سوچتا رہا، پھر سو گیا۔

بیدار ہوا تو دیکھا کہ پناہ گاہ کی چھت میں جو تنگ راستہ تھا اُس میں سے دن کی روشنی
جھانک رہی ہے۔ میں نے گردن گھما کر ناجیہ کی طرف دیکھا۔ وہ نہ صرف بیدار ہو چکی تھی
بلکہ تسبیح پڑھ رہی تھی۔ میں ایک جماہی لے کر اُٹھ بیٹھا، پھر چھت کے پاس جا کر سر باہر
نکالا۔ میری نگاہ اُن بدمعاشوں پر پڑی جو اس طرف آ رہے تھے۔ میرا دل اُچھل کر
دھڑکنے لگا......میری رگوں میں لہو منجمد ہو گیا۔ میرے جسم میں ہلنے کی سکت تک نہیں رہی۔

میں نے فوراً ہی خود پر قابو پایا اور غیر محسوس انداز سے ایک جھاڑی گھسیٹ کر اس سے
سر چھپا لیا۔ پھر اُس کی جھریوں سے دیکھتا رہا۔ وہ کل چھ تھے اور بندوقوں سے مسلح تھے۔ وہ
اُوپر میری سمت آ رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مجھ سے چند قدم پر رُک گئے۔ میں
نے اپنی سانس روک لی۔

پھر وہ آپس میں گپ شپ کرنے لگے۔ ایک بدمعاش نے فحش قسم کا لطیفہ سنایا تو وہ

قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ وقت کی نبض جیسے رُک گئی تھی۔ وہ چند لمحوں تک مخالف سمت دیکھتے رہے تھے۔ میں اُنہیں جانتا تھا اور وہ بھی مجھ سے واقف تھے اس لئے کہ ہم سب [illegible] کے گروہ سے تھے۔ وہ میرے لئے فرشتۂ اجل تھے۔ ایک ایک لحظہ صدی سے کم نہ تھا۔ کیونکہ میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ مجھے اپنے نرغے میں لے لیتے۔

اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر دُوں۔ ناجیہ کے بارے میں سوچا کہ اُس کے بارے میں بدمعاشوں کو کچھ نہ بتاؤں۔ اس طرح ناجیہ کی عزت اور زندگی محفوظ رہ سکتی تھی۔ شاید حالات ناجیہ کو یہاں سے باعزت نکلنے میں مدد دیں، شاید اُس کی دُعا قبول ہو جائے۔

ان بدمعاشوں نے یہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف کا جائزہ لیا، پھر وہ شمال کی سمت چلے گئے۔ میں نے سکون و اطمینان سے بھرا سانس لیا۔ میرے اعصاب پھول کی طرح ہلکے ہو گئے۔ مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ وہ یہاں سے اتنی جلدی چلے جائیں گے، مصیبت اتنی جلدی ٹل جائے گی۔

ان بدمعاشوں کے دفع ہونے کے بعد مجھ پر سرشاری طاری ہو گئی کہ میں نے جو زمین دوز پناہ گاہ بنائی تھی، وہ اس قدر محفوظ اور ڈھکی چھپی تھی کہ بدمعاش اس کے قریب کھڑے ہو کر بھی اس کا پتہ نہ چلا سکے۔ لیکن پھر اس خیال سے میری ساری خوشی غارت ہو گئی کہ یہ بدمعاش جس طرح آج آئے، کل بھی آ سکتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ چل پڑے گا۔ بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی؟

جب میں نیچے آیا تو ناجیہ نے میرا بشرا بھانپ کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے...... خیریت تو ہے؟ تم بہت پریشان اور متفکر دکھائی دے رہے ہو؟“

”تھوڑی دیر پہلے کچھ مسلح بدمعاش پناہ گاہ کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔“ میں نے جواب دیا۔

”یہ تو بہت برا ہوا۔“ ناجیہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ ”اُنہوں نے تمہیں دیکھا تو نہیں......؟“

”مجھے دیکھ لیتے یا اُنہیں موجودگی کا احساس بھی ہو جاتا تو اب تک قیامت آ چکی ہوتی۔“ میرے اندر ایک نڈر پن پیدا ہو گیا۔ میں دلیر بن گیا۔ میں اُس لڑکی کی خاطر بہت بڑے خطروں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اب ہم باہر نہیں جا سکتے تھے۔ کیونکہ صورت حال ہی ایسی تھی۔ میں ناجیہ کو غور سے دیکھنے لگا جو چپ چاپ بیٹھی تھی۔ میرے لئے جو سب سے بڑا مسئلہ پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا وہ یہ تھا کہ ناجیہ بہت کم باتیں کرتی تھی، میرے ساتھ شہر کی ماڈرن لڑکیوں کی طرح بے تکلف نہیں ہوتی تھی۔ آج شہر کی لڑکیاں بہت دُور جا چکی تھیں۔ اتنی دُور کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اُس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ہم دونوں کے درمیان کوئی دیوار نہ ہوتی، فاصلہ نہ ہوتا۔ وہ دیوار کب کی گر چکی ہوتی اور فاصلہ بھی نہیں رہتا۔

میں کبھی اُسے دیکھنے بیٹھ جاتا اور کبھی سر چھت کے سوراخ سے باہر نکال کر جنگل کو دیکھنے لگتا۔ میں اب اس جنگل سے اس طرح خائف ہو گیا تھا جیسے یہ آسیب زدہ ہو۔ مجھے درختوں اور جھاڑیوں میں اور اِرد گرد دشمن کے آدمیوں کی بدروحیں ناچتی اور قہقہے لگاتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا میرے باہر آتے ہی مجھے دبوچ لیں گی۔ اس لئے میرے اعصاب تنے ہوئے تھے۔

انہیں ہلکا پھلکا کرنے اور سکون دینے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ ناجیہ میرے ساتھ بغیر کسی جھجک اور بے تکلفی سے باتیں کرے۔ ہم دونوں میں نوک جھونک ہو۔ ہم دونوں کھلی فضا میں دشمن کی غیر موجودگی میں بھاگیں دوڑیں۔ اس وقت بھی وہ ہنسے کھیلے۔ وہ کوئی پتھر کا مجسمہ نہیں تھی، گوشت پوست کی بنی ہوئی تھی۔ اُوپر والے نے عورت کے وجود کو ایسا خمار عطا کیا ہے جو مرد کو مخمور کر کے اس کی تھکن دُور کر دیتا ہے۔ یہ وصف جو عورت کو اس نے ودیعت کیا ہے وہ کسی شراب یا دنیا کی کسی شے میں موجود نہیں ہے۔ عورت میں جتنی دلفریبی، دلکشی اور رعنائیاں ہیں قدرت کی شاید ہی کسی تخلیق میں ہوں۔ جب کوئی مرد، عورت کا قرب پا لیتا ہے تو وہ خطروں سے نبرد آزما ہونے کے لئے تر و تازہ اور تیار ہو جاتا ہے۔ مگر یہ لڑکی نجانے کیوں ایسا معمہ بن گئی تھی کہ میں اُسے جتنا سمجھنے کی کوشش کرتا اُتنا ہی اُلجھ جاتا۔

میں نے سوچا کہ اس سے کہوں کہ تم خول سے باہر نکل آؤ۔ میں تمہیں اس طرح اور اس عالم میں دیکھ چکا ہوں جیسے تم ابھی ابھی پیدا ہوئی ہو۔ میں نے اُسے نہیں بتایا تھا کہ اُسے بے حجاب دیکھ چکا ہوں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں نے اُس سے کہا تھا کہ آج کسی نہ کسی طرح مچھلیاں پکڑوں گا۔ میں نے پرندے پکڑنے کا ایک طریقہ بھی سوچ لیا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں...... اُس نے میری بات سن کر کہا تھا کہ اتنی دیر میں ندی پر نہانے چلی جاتی ہوں۔ اُس نے یہ بات بڑی سادگی سے کہی تھی۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ یہ بات کس سے کہہ رہی ہے، ایک بھرپور جوان مرد ہے...... یہ جنگل

ہے۔ ان دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے، یہ مرد اسے نہاتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ وہ کوئی فرشتہ نہیں ہے جو اپنے جذبات کو قابو میں رکھے۔ وہ ندی پر جا کر اسے دبوچ لے، پھر وہ سب کچھ ہار جائے تو کیا ہوگا......؟ چونکہ اُسے مجھ پر اندھا اعتماد تھا اس لئے اُس نے یہ بات کہی تھی۔ لیکن اُس کے اس جملے سے میرے سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔

اُس کے اس اعتماد کا خیال آیا تو میں متزلزل ہو گیا تھا۔ میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا کہ ندی میں نہاتے وقت فائدہ اُٹھاؤں۔ پھر ہم دونوں الگ الگ سمتوں کو چلے گئے تھے۔ میں جنگل میں پرندوں اور ہرنوں کو دیکھنے لگا۔ میں نے ایک جگہ تین سؤر کھڑے دیکھے تھے اور ہرن اُن سے فاصلے پر تھے۔ میں جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر ہرنوں کی طرف بڑھا تھا لیکن وہ مجھے نظر نہ آئے تھے۔ چند لمحوں میں اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے میری آہٹ سن لی یا بو سونگھ لی تھی۔ البتہ جھاڑیوں کے درمیان سے مجھے ایسا منظر نظر آیا جس نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میری رگوں میں لہو منجمد ہو گیا تھا۔ بندرگاہ میں ایک لانچ کھڑی دکھائی دی۔ اُس لانچ کے قریب اور بھی دو ایک لانچیں لنگر انداز تھیں۔ بندرگاہ سے ہٹ کر بلند جگہ پر مکان تھا۔ بدمعاش مکان اور بندرگاہ کے درمیان آ جا رہے تھے۔ اُن کی تعداد پچیس تیس کے لگ بھگ ہوگی۔ کچھ بدمعاش لانچ سے سامان اُتار رہے تھے۔

مجھ پر اس وقت جیسے کوئی بجلی سی آ گری تھی۔ میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن بدمعاشوں کو دیکھتا رہا۔

پھر میں اُن بدمعاشوں کی نظروں سے چھپتا چھپاتا ندی کی طرف کوندا بن کر لپکا تھا۔ ناجیہ ندی پر نہانے گئی تھی۔ اگر اتفاق سے بدمعاش ادھر آ نکلے اور انہوں نے اُسے نہاتے ہوئے دیکھ لیا تو اُس پر گدھ بن کر ٹوٹ پڑیں گے۔ جب میں ندی پر پہنچا تو وہ مجھے دکھائی نہیں دی۔ پھر میں کنارے کنارے اُوپر کے رُخ پر گیا۔ ایک موڑ کاٹ کر آگے گیا تو ناجیہ نظر آ گئی تھی۔ اُس کے کپڑے کنارے خشکی پر ایک پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ وہ پانی میں کھڑی نہا رہی تھی۔ اُس کی پشت اور کمر کا حصہ اور کندھے اور سر پانی سے باہر تھے۔ اُس کے کھلے ہوئے بال پیٹھ اور کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ ایسے ریشمی اور چمکیلے بال میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھے تھے۔ میں ٹھٹک کر رُک گیا۔ اُس کی پشت میری جانب تھی۔ وہ گھومی اور خشکی کی طرف بڑھی تو کوئی حجاب نہ تھا۔

میری زندگی میں بہت ساری حسین اور نوجوان لڑکیاں آئی تھیں مگر ان میں سے کسی ایک میں وہ بات نہ تھی جو ناجیہ میں تھی۔ میں اس نظارے میں ایسا محو ہوا کہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گیا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس وقت کتنا بڑا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ وہ قدرت کا ایک انمول اور نادر شاہکار تھی۔ لیکن ایک بات یہ تھی کہ میں اُسے ہوس بھری نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا اور نہ ہی میرے جذبات بھڑکے اور اُن میں تلاطم پیدا ہوا تھا۔ میں تو یہ دیکھ کر عش عش کر رہا تھا کہ قدرت کے کارخانے میں کیسے کیسے پیکر تراشے جاتے ہیں۔ اس جیسا مصور کون ہو سکتا ہے؟

دوسرے لمحے میرے ضمیر نے ملامت کی تھی۔ پھر میں نے اُس کے سراپا سے نگاہیں ہٹا لی تھیں، منہ پھیر لیا تھا۔ مجھے اس بات کا بے حد قلق ہوا تھا کہ میں نے اپنی نظروں کو رُسوا کیوں کیا؟ میں گناہ گار کیوں ہوا؟ میں نے کئی بار دل میں سوچا تھا کہ اُس سے کہہ دُوں کہ میں تمہیں نہاتے ہوئے دیکھ چکا ہوں تو اس کا ردِعمل کیا ہوگا؟ لیکن یہ بات کہنے کی جرأت نہ ہو سکی تھی۔ لیکن مجھے وہ نظارہ یاد آ جاتا تھا اور میں اسے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتا تھا۔

پناہ گاہ میں ناجیہ اور باہر بدمعاشوں کو دیکھتے دیکھتے آخر کار دن بیت ہی گیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اس سخت گرمی میں پانی بھی نہیں ملا، اور پھر کھانے کے لئے کچھ ملنے کی تو اُمید ہی نہیں تھی۔ پانی مل سکتا تھا مگر آدھی رات کے وقت...... یہ وقت رینگتے رینگتے اتنی دیر بعد آیا جیسے نجانے کتنی راتیں گزر گئی ہوں۔ ایسا بھی لگ رہا تھا جیسے یہ وقت ہی نہیں آئے گا۔

آدھی رات کے وقت میں نے پانی لانے کے لئے پیالے اُٹھائے تو وہ بولی۔ ''میں بھی ساتھ چلوں گی۔''

میں نے اُسے منع نہیں کیا لیکن میں یہ بات جانتا تھا کہ اُسے ساتھ لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اور پھر اس کا اکیلے پیچھے رہ جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اسے ساتھ لے لیا جائے۔ میں اُسے لے کر ندی کی طرف چل پڑا۔ ہم دونوں نہ صرف بے حد خائف تھے بلکہ محتاط بھی...... جب بھی کوئی بات کرنا ہوتی تو ایک دوسرے کے کان کے ساتھ منہ لگا کر سرگوشی میں کرتے تاکہ رات کے اس گہرے سناٹے میں ہماری آواز کسی دشمن کے کان میں نہ پڑ جائے جو قریب ہی گشت کر رہا ہو۔ ذرا سی سرسراہٹ کی آواز بھی سنائی دیتی تو ہم بدک کر رُک جاتے۔ ایک دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کسی

آہٹ پر وہ چونک کر اور خوف زدہ ہو کر مجھ سے چمٹ گئی اور میں نے اُسے دلاسہ دینے
لئے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ اُس کے جسم کے لمس نے میرے سارے
میں سنسنی بھر دی اور رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ میں ایک مافیا کا آدمی تھا، کوئی
پارسا نہیں تھا۔ اُس کے آنچ دیتے شعلہ بدن نے میرے جذبات میں ہلچل مچا دی تھی۔
نے اپنے آپ کو اور اپنے بھڑکیلے جذبات کو کس طرح قابو میں کیا یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔

میں نے اپنے تند جذبات کو سرد کرنے کے لئے اپنی ساری توجہ دوسری طرف کر دی۔
میں نے دل میں سوچا، عجیب بے وقوف لڑکی ہے۔ وہ کیوں نہیں سوچتی کہ میں ایک جو
مرد ہوں۔ اس کے گداز اور دہکتے بدن کے لمس سے میں بے قابو ہو سکتا ہوں۔ مجھے غصہ
آیا تھا لیکن یہ وقت غصہ کرنے کا نہیں تھا۔

آخر کار ہم ندی تک پہنچے اور جنگل کے ایسے جانوروں کی طرح پانی پیا جو رات کے
وقت نکلا کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو اب ہم بھی زمین پر یعنی زمین کے نیچے رہنے والے
جانور ہی تھے۔ اور یہ جو بدمعاش تھے وہ اس جنگل کے خون آشام بھیڑیئے تھے۔ دراصل
مجھے زیادہ ڈر اور خیال ناجیہ کا تھا۔ مجھے اُس کی فکر پریشان کئے ہوئے تھی۔ ہم نے پانی پیٹ
بھر کر پیا۔ پھر پیالے بھی بھر لئے اور واپس چل پڑے۔ واپسی کا سفر آسان نہ تھا، وہ
بہت کٹھن اور دُشوار تھا۔ فاصلہ گو کہ زیادہ نہ تھا لیکن یہ مسافت صدیوں کی بن گئی تھی۔

راستے میں کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی کہ ہم اس کا نشانہ بن جاتے۔ ہم نے یہ سفر
وخوبی طے کر لیا اور پناہ گاہ پر پہنچ کر سکون واطمینان کا سانس لیا۔ پھر ہم نیچے اُتر گئے۔
سنبھال کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر ہم دونوں اپنی اپنی جگہ لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں
بھوک محسوس کی۔ شاید میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی بھوک محسوس نہیں کی تھی۔ میں
بھوک کو مٹانے کے لئے ندی پر اتنا پانی پی لیا تھا کہ وہ میرے پیٹ میں گڑگڑ کی عجیب
غریب آوازیں پیدا کرنے لگا۔ اور پھر خالی پیٹ نے میرے اندر ایک بے چینی سی پیدا کر
دی تھی۔ لیکن اس بھوک کی پیدا کردہ بے چینی کا علاج میرے پاس نہیں تھا۔ یہ اس قدر
تھی کہ اسے بالکل بھی رحم نہیں آرہا تھا۔

اس ظالم اور بے رحم بھوک سے جان چھڑانے کی تدبیر میرے ذہن میں آئی تو میں
طرح سے خوش ہو گیا۔ میں نے اپنی ساری توجہ ناجیہ پر مرکوز کر دی۔ اس کے سوا چارہ
نہیں تھا۔ یہ تراشا ہوا قدرت کا حسین مجسمہ اندھیرے کا حصہ بنا ہوا تھا۔ آنکھیں پھاڑ کر

بھی وہ مجھے نظر نہیں آرہی تھی۔ لیکن میرے چشم تصور میں اُس کی موہنی صورت اور گدرایا ہوا
قیامت خیز جسم تھا۔ میں اُسے اس طرح محسوس کر رہا تھا جیسے وہ روشنی میں نہا رہی ہو اور اُس
کے انگ انگ سے مستی اُبل پڑی ہو۔ یہ اندھیرا میرے چشم تصور میں حائل نہ ہو سکا۔

پھر مجھے یکلخت یہ احساس ہوا کہ ناجیہ بھی میری ہی طرح بھوک سے بے چین اور
پریشان ہو گی۔ میں تو زیر زمین دنیا کا باسی تھا، بعض اوقات بعض مشن پر کئی وقتوں کا فاقہ بھی
کیا تھا۔ اور میں ایک مرد ہونے کے ناتے اس سے بھی کہیں مصیبت برداشت کر سکتا تھا۔
مگر ناجیہ تو پھول کی طرح نرم و نازک لڑکی تھی جس کے لئے بھوک کی اذیت ناقابل
برداشت تھی۔ لیکن جب میرے پاس اپنی بھوک کا علاج نہیں تھا تو میں اس کی بھوک کا
علاج کیسے کر سکتا تھا؟ میں اُس کے اور اپنے بارے میں سوچتا رہا۔ میرا پیٹ حقے کی طرح
گڑگڑاتا رہا۔ پھر میری آنکھ لگ گئی۔

جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ صبح ہو چکی ہے۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ بھوک نے اذیت
ناک کرب کی شکل اختیار کر لی تھی۔ پیٹ میں جو آگ بھڑک رہی تھی اسے سرد کرنے کے
لئے پانی ہی تھا جو ہم نے رات حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔

❑ ...... ❑
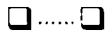
یہ میری ڈیوٹی تھی۔ میں نے حسب معمول چھت میں سے سر نکالا اور جنگل کی سمت
دیکھنے لگا۔ خاصی دیر بیت گئی۔ دشمن کا ایک آدمی بھی نظر نہیں آیا اور نہ اُن کی وہ آوازیں سنائی
دے رہی تھیں جو میں سن چکا تھا۔ یہ بدمعاش جنگل میں گشت پر جاتے تھے اور چکر لگاتے
تھے۔ یہ جیسے اُن کی ڈیوٹی تھی۔ لیکن آج ادھر کوئی بھی نہ آیا۔ مجھے خیال آیا کہ بدمعاش
جزیرے سے چلے نہیں گئے ہیں بلکہ جنگل سے چلے گئے ہیں۔ انہوں نے گشت کر کے اچھی
طرح اپنا اطمینان کر لیا تھا کہ جنگل میں ان کے سوا کوئی اور نہیں ہے، اس لئے ان کا ادھر کا
رُخ کرنا فضول ہی تھا۔ دن اسی سوچ میں گزر گیا تھا۔

''سنو ناجیہ!'' میں نے کہا۔ ''میں باہر جا رہا ہوں۔ تم یہیں رہنا۔''

''وہ کس لئے....؟'' ناجیہ میری بات سن کر بڑے زور سے چونکی۔ اُس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

''اس لئے کہ یہ دیکھنا بہت ضروری ہو گیا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟''

ناجیہ نے فوراً ہی سراسیمگی سے کہا۔ ''نہیں...... تم نہیں جاؤ......'' اُس کی آنکھوں سے
خوف جھانکنے لگا۔

میں نے ہنستے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں کس لئے نہ جاؤں؟''
''اس لئے کہ وہ بدمعاش تمہیں پکڑ کر ختم کر دیں گے۔'' ناجیہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں
کہا۔

ناجیہ کو میری بہت زیادہ فکر تھی، اور پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ اکیلی بھی رہنا نہیں چاہتی
ہے۔ وہ کچھ زیادہ ہی ڈر گئی تھی۔ میں نے اُس سے کہا۔

''ناجیہ! تم فکرمند اور پریشان نہ ہو۔ میں ہر طرح سے پوری احتیاط سے اور چھپ کر
جاؤں گا۔ لہٰذا ان کی نظروں میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کوئی بچہ تو نہیں ہوں۔''

ناجیہ میری بات نہیں مانی۔ اُس نے مجھے روکنے کی بڑی کوشش کی۔ مجھے یکلخت اُس
کے باز رکھنے پر غصہ آ گیا۔ میں نے اُسے بری طرح ڈانٹ دیا کہ وہ خاموش رہے اور پناہ
گاہ میں چھپی رہے اور میری غیر موجودگی میں اسے باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں...... رات
کا وقت بھی ہے۔

میں ایک تربیت یافتہ شخص تھا اس لئے ہر بات کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ یہ پہلا
موقع تھا کہ میں نے ناجیہ سے غصے سے بات کی تھی اور اُسے ڈانٹ دیا تھا۔ میری ڈانٹ
سن کر اور غصہ دیکھ کر وہ غریب خاموش ہو گئی تھی۔ پھر بھی میں نے اُسے دلاسہ دیا اور رات
کی تاریکی میں باہر نکل گیا۔ میں بہت محتاط ہو کر بے آواز چلتا گیا۔ میرے کان ہر ایک
آہٹ کو بڑے غور سے سنتے تھے کہ یہ آہٹ کسی جانور یا پرندے کی ہے یا کسی بدمعاش کی۔
...... میں ہوا میں انسانوں کی بو سونگھنے کی بھی کوشش کر رہا تھا۔ میرے پاؤں زمین پر بڑی
احتیاط سے پڑ رہے تھے کہ ان کی دھمک مجھے خود محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

میں کیچوے کی چال چلتے ہوئے بدمعاشوں کے کیمپ کے قریب پہنچ گیا۔ اب میں
پیر اور بھی آہستہ رکھتا اور ہر قدم پر رُک کر اندھیرے میں دیکھنے، سننے اور سونگھنے کی کوشش
کرنے لگا۔ کیمپ کی بتیاں نظر آنے لگیں۔ یہ نیلے رنگ کی مدھم بتیاں تھیں جن کے اوپر شیڈ
تھے تاکہ کسی طیارے کو نظر نہ آ سکیں۔ میں اس جانب رینگنے لگا جدھر بندرگاہ تھی۔ اُفق کے
پس منظر میں مجھے بندرگاہ میں ایک لانچ کا سیاہ سایہ کھڑا نظر آیا۔ لانچ میں بھی بہت ہی
نیلی بتیاں روشن تھیں۔ میں چھپ چھپ کر اس قدر قریب چلا گیا جہاں سے میں
بدمعاشوں کی باتیں سن سکتا تھا۔ اندھیرے میں سے ان کی باتوں کی، چلنے کی اور ہنسنے کی
آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان آوازوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ بدمعاش لانچ میں

آ رہے ہیں۔

میں فوراً ہی پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ چند لمحوں کے بعد میں ایک ایسی جگہ کی سمت رینگنے
لگا جہاں سے میں اُن بدمعاشوں کی حرکات کو اور قریب سے دیکھ سکوں اور اُن کی نظر مجھ پر
نہ پڑے اور نہ ہی میری موجودگی کی خبر ہو سکے اور نہ میری آہٹ سن سکیں۔ اُنہوں نے
پہرے دار کھڑے نہیں کئے تھے۔ لیکن نجانے کیوں مجھے یہ ڈر بھی محسوس ہونے لگا کہ شاید
کوئی گشت پر نکلا ہوا ہو اور وہ مجھے دیکھ کر گولی نہ مار دے یا پھر دھر لے۔ میں نے بہت بڑا خطرہ
مول لیا تھا۔ کیا کرتا؟ میں خطرے میں زندگی کی پرواہ کئے بغیر رینگتا جا رہا تھا۔

اچانک لانچ کی وسل بج اُٹھی۔ یہ روانگی کی وسل تھی۔ میرا دل اچانک وسل بجنے سے
دہل اُٹھا تھا۔ چند لمحوں کے بعد مجھے ایک اور وسل سنائی دی جو کسی نے منہ کے ساتھ لگا کر
بجائی تھی۔ چند ثانیوں بعد فوراً ہی بتیاں گل ہو گئیں۔ پھر مجھے بھاگتے، دوڑتے اور لپکتے
ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور لانچ کی بتیاں بھی بجھ گئیں۔ مجھے لانچ کا سایہ نظر
آتا رہا۔ چند ساعتوں کے بعد اُس سائے نے حرکت کی۔ انجن کی گرر گرر بلند ہوئی اور سایہ
سمندر پر رینگنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رات کی تاریکی میں لانچ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میرا دل حیرت اور خوشی سے اُچھل پڑا۔ میں ایک طرح جھوم جھوم گیا۔ مجھے یقین نہیں
آیا۔ میں نے اپنی آنکھیں ملیں کہ کہیں میں نے کوئی سندر سپنا تو نہیں دیکھا ہے؟ نہیں، یہ
سپنا نہیں تھا۔ یہ ایک حقیقت تھی۔ میں جاگ رہا تھا۔ اُس لانچ کے جانے کا مطلب یہ تھا
کہ بدمعاش چلے گئے ہیں اور جو خطرہ منڈلا رہا تھا وہ ٹل گیا ہے۔

لیکن میری یہ مسرت عارضی تھی۔ چند لمحوں کے بعد میرا دل پھر بیٹھ گیا۔ کیونکہ مجھے کیمپ
میں سے باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ یہ بدمعاش جزیرے سے گئے نہیں تھے۔
اُن کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ لانچ کچھ نفری کو لے کر گئی ہے اور کچھ کسی وجہ سے
پیچھے رہ گئی ہے۔ میں کچھ دیر تک وہیں پیٹ کے بل لیٹا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کیمپ پر گہری
خاموشی طاری ہو گئی۔

اب یہاں رُکنا فضول ہی تھا۔ میں نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ میں جس
طرح سے یہاں پہنچا تھا اُسی طرح یہاں سے واپسی شروع ہوئی۔ واپسی بھی کٹھن تھی کہ اس
گہری خاموشی میں اُنہیں میری آہٹ نہ سنائی دے جائے۔

پھر میں جلد ہی پناہ گاہ والی پہاڑی پر پہنچ گیا۔ میں نے اپنی سانسیں بحال کرتے ہوئے

اطراف میں دیکھا۔ گہری تاریکی خاموشی کی آغوش میں تھی۔ میں نے سوراخ میں سے
جھانکا۔ ناجیہ وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ اُس نے میری آہٹ سن لی تھی۔ پھر وہ اس بچی کی
بیتابی سے جسے ماں اکیلا چھوڑ گئی ہو بول اُٹھی۔ ''تم آ گئے......؟''

اُس کے لہجے میں اُنس، اپنائیت اور مسرت بھری ہوئی تھی۔ میرے اعصاب جو
بھاری ہو رہے تھے وہ پھول کی طرح ہلکے ہو گئے۔ مجھے اس احساس سے ایک سرشاری
سکون ملا کہ موت کے اس جنگل میں کوئی ایسا بھی ہے جو فکرمندی اور بے تابی سے میری
دیکھ رہا ہے۔ میرے لئے بہت ہی بے چین ہے۔ یہ رُوحانی سکون بھی کیا ہے۔ اس
دل و دماغ کو ایک بالیدگی سی ملتی ہے۔

میں بڑی تیزی سے نیچے اُتر گیا۔ اندر اس قدر گھپ اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی
نہیں دے رہا تھا۔ تاہم میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اُس کے اور میرے درمیان صرف ایک
ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ میں اُس کی موجودگی کو محسوس کر رہا تھا۔ یہ احساس مجھے سرشار کئے دے
رہا تھا، یہ حسین و جمیل ناجیہ میرے بغیر پریشان ہو جاتی ہے۔ میرے دل میں آیا کہ اپنا ہاتھ
بڑھا کر اُسے اپنی آغوش میں لے لوں۔ وہ کانٹے کی مچھلی کی طرح میرے بازوؤں کی
گرفت میں آ جائے گی۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اُسے آسانی سے دبوچ سکتا تھا، وہ کوئی
دفاع اور مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔

پھر میں نے کسی خیال کے زیرِ اثر اپنا ہاتھ روک لیا۔ میں نے اپنے بھڑکیلے جذبات
قابو پانے کے لئے کہا۔ ''ناجیہ! لانچ تو چلی گئی ہے۔ میں اُسے جاتا ہوا دیکھ آیا ہوں۔''

''وہ آئے کس لئے تھے جو چلے گئے......؟'' ناجیہ نے سوال کیا۔

''شاید کسی وجہ سے اُنہوں نے جزیرے کو اہم نہیں سمجھا ہے۔ مجھے پہرے دار تو
دکھائی نہیں دیئے۔''

''کیا اب ایک بھی بدمعاش جزیرے پر نہیں رہا ہے؟'' ناجیہ نے پوچھا۔

''کچھ رہ گئے ہیں...... کیوں؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ شاید اس لانچ میں کوئی گنجائش نہ
ہو۔ وہ دوبارہ آ کر اُنہیں لے جائے۔ یہ میرا قیاس ہے۔ اب جبکہ ان کی نفری نہ ہونے کے
برابر معلوم ہوتی ہے اس لئے میں دن کے وقت بھی باہر نکلوں گا اور کوئی شکار مارنے کی
کوشش کروں گا۔''

''ہاں...... ایسا ہی کرو۔'' وہ بولی۔ ''اب تو کھانے کو کچھ ملنا چاہئے۔ بھوک ناقابلِ

برداشت ہو رہی ہے۔'' اُس کی آواز میں دُکھ بھرا ہوا تھا۔ اُس کی بات سن کر میرے دل پر
چوٹ سی لگی۔ میں نے سوچا کہ...... ناجیہ کسی شہر میں ہوتی تو رئیس زادے اس کی راہ میں
آنکھیں بچھائیں اور دل والے اس کے غلام بن کر رہ جائیں۔ اُسے شہزادیوں کی طرح
رہتی۔ مگر یہ کتنی بدنصیب تھی کہ یہاں بھوک سے مر رہی تھی۔ زندہ درگور تھی۔ میں نے ایک
سرد آہ بھرتے ہوئے سوچا کہ...... کاش! میں اس کے لئے کچھ کر سکتا......!

میرے دل کے کسی کونے میں ایک جذبہ سا پیدا ہوا۔ یہ میرا بڑا خطرناک ارادہ تھا۔ میں
نے تہیہ کر لیا کہ دن کے وقت کوئی پرندہ یا جو کچھ بھی مل سکا اس لڑکی کے لئے لاؤں گا۔ اب
میں ان بدمعاشوں کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔ سارے جہنم میں جائیں۔

''صبح ہوتے ہی تمہاری آنکھ کھل جائے تو مجھے جگا دینا۔'' میں نے ناجیہ سے کہا۔

ناجیہ نے کچھ نہیں پوچھا کہ کیوں اور کس لئے...... پھر میں سونے کے لئے دراز ہو گیا۔
بھوک کی وجہ سے درد کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ مجھے اس درد سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی جتنی یہ
سوچ کر ہو رہی تھی کہ اس پھول کی طرح نازک سی لڑکی کا کیا ہو رہا ہو گا؟ اس احساس نے
مجھے بہت دیر تک سونے نہیں دیا۔ اگر میں تھکا ہوا نہیں ہوتا تو شاید ساری رات ایک پل کے
لئے سو نہیں پاتا۔ نیند نے مجھے کب دبوچ لیا؟ کچھ خبر نہ ہو سکی۔

❑......❑
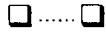
ناجیہ نے مجھے جگایا تو اس وقت صبح طلوع نہیں ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا اُس کی آنکھوں
میں نیند بھری ہوئی ہے۔ اُس کے چہرے پر تھکن سی تھی۔ وہ بھوک کی وجہ سے رات ٹھیک
سے سو نہ سکی تھی۔ میں فوراً ہی باہر نکل گیا۔ پھر بہت محتاط اور دبے پاؤں ان بدمعاشوں کے
کیمپ کے قریب جا پہنچا۔ بندرگاہ میں کوئی لانچ موجود نہیں تھی۔ میں جھاڑیوں میں چھپا ہوا
تھا۔ صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ معاً میری نگاہ ایک پہرے دار پر پڑی جو ایک مچان پر مستعد
کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے اور میرے درمیان فاصلہ بمشکل تین سو گز کے لگ بھگ ہو گا۔ میں
اُسے ایک جھاڑی کی اوٹ سے دیکھتا رہا۔ اُس کی نگاہیں سمندر کی طرف مرکوز تھیں۔ وہ
شاید یہ دیکھ رہا تھا کہ حکومت کی کوئی گشتی لانچ ادھر نہ آ نکلے۔ نیوی فورس یا کوسٹ گارڈ کی
گشتی لانچ کے ادھر آنے کے امکانات تھے۔

کیمپ سے قدرے ہٹ کر دو تین کمروں کا مکان تھا جو قدرے بلند جگہ پر واقع تھا۔
اچانک وسل بجی اور کیمپ میں بدمعاش دکھائی دینے لگے۔ وہ جاگ اُٹھے تھے۔ میں اُس کی

نقل و حرکت دیکھنے لگا۔ وہ اِدھر اُدھر جانے لگے۔ پھر وہ مکان کی طرف بڑھے۔ مکان کی
چمنی سے دُھواں نکل رہا تھا۔ یہ بدمعاش ناشتہ کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ اُن کی تعداد
کل بیس تھی۔ ناشتے کے تصور نے میری بھوک تیز کر دی۔ جب مچان پر کھڑے ہوئے
پہرے دار کے سوا تمام بدمعاش مکان میں چلے گئے تو میں نے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ کیونکہ
اب یہاں چھپا رہنا فضول تھا۔

ناجیہ میرے انتظار میں پریشان ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی۔
اُس نے فکرمندی سے کہا۔ ''تم مجھے بتائے بغیر کہاں چلے گئے تھے......؟ میں تمہارے لئے
دُعائے خیر مانگ رہی تھی۔''

''میں کیمپ کی طرف گیا تھا۔'' میں نے اُسے بتایا۔ ''بدمعاش ناشتے میں مصروف
ہیں۔ میں شکار کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ موقع اچھا ہے۔ تم فکر نہ کرنا، نہ پریشان ہونا۔ میں
جلد واپس آجاؤں گا۔''

جس وقت میں پناہ گاہ سے نکل رہا تھا تب میں نے سنا وہ خود کلامی کے انداز میں سرگوشی
میں کہہ رہی تھی۔ یہ جواں سال شخص یونانی دیوتاؤں جتنا طاقتور اور نڈر ہے اور میری خاطر
کتنے خطرے مول لے رہا ہے۔ یا اللہ! تو اس کی جان کی حفاظت فرما...... اسے سلامتی سے
واپس لا۔ آمین!

میں اُسے دُعا میں مصروف چھوڑ کر ایک طرف چلا گیا۔ میں ایک بھوکے بھیڑیئے کی
طرح جنگل میں چھپ چھپ کر پھرتا رہا۔ میں نے پرندوں کو دیکھا جو مجھے دیکھتے ہی اُڑ
جاتے تھے۔ مجھے جنگل میں نہ ہرن اور نہ ہی جنگلی سؤر نظر آیا۔ میں جھاڑیوں اور اُونچی اُونچی
گھاس پر پیٹ کے بل رینگتا رہا تا کہ کوئی جانور نظر آئے تو اُسے کسی بھیڑیئے کی طرح
جھپٹ کر دبوچ لوں۔ لیکن میری اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ یہ سب ایک طرح بے کار
ثابت ہوئی۔

میں ندی کے پُل سے آگے نکل گیا اور اُس مکان میں جھانک کر دیکھا جسے ناجیہ نے
عبادت گاہ بنایا ہوا تھا۔ وہاں جو آگ دہک رہی تھی اور جسے جلتا رکھنے کے لئے میں نے
بدمعاشوں کی آمد سے قبل لکڑیاں ڈال دی تھیں بجھ چکی تھی۔ آگ کو بجھا ہوا دیکھ کر میرا دل
بھی بجھ گیا۔ میں پھر وہاں سے جنگل میں آگیا۔ ناریل بھی نہ ملے۔ کیونکہ جہاں ناریل تھے
وہاں بدمعاش موجود تھے۔ مجھے میٹھے آلو نظر آگئے۔ میں نے بہت سے آلوؤں سے

جیبیں بھر لیں۔ قمیض تو تھی ہی نہیں۔

جب میں پناہ گاہ پہنچا تو ناجیہ میری بے چینی سے منتظر تھی۔ مجھے اُس نے دیکھا تو اُس کا
اُداس چہرہ کھل اُٹھا۔ میں پناہ گاہ میں اُتر گیا۔ پھر میں نے ناجیہ کو سامنے بٹھا لیا۔ آلو جیبوں
سے نکال کر اُس کے آگے رکھ دیئے۔

''کوئی پرندہ ہاتھ نہیں آیا......'' میں نے کہا۔ ''بالفرض ہاتھ آ بھی جاتا تو بیکار ہی تھا۔''

''بیکار کس لئے تھا......؟'' ناجیہ نے اپنی لانبی لانبی پلکیں جھپکائیں۔

''اس لئے کہ آگ بجھ گئی ہے۔ پکاتے کیسے؟ لو...... یہ میٹھے آلو کھا لو!''

میں چپ ہو گیا اور سوچوں میں غرق ہو گیا۔ میرے دل میں ایک اُداسی سی چھا گئی۔ پھر
میں نے دبی دبی آواز میں خود کلامی کی۔ ''کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ ہم اپنے آپ کو اُن
بدمعاشوں کے حوالے کر دیں؟ یہی بہتر بھی ہو گا...... موت فوراً آجائے گی جو ہمارے لئے
بہتر ہو گی۔ ورنہ ہمیں بھوک تڑپا تڑپا کر مار دے گی...... آلوؤں پر کب تک زندہ رہا جا سکتا
ہے؟ کیا ان سے ہم نزع کی سی حالت کو طول نہیں دے رہے ہیں؟ کھاؤ ناجیہ! ان سے
پیٹ تو بھر جائے گا۔ شاید ہماری جان ہی لے لے۔ یہ بہت اچھا ہو گا۔''

میں نے اچانک ایک قہقہہ لگایا۔ لیکن اس میں مسرت کا اظہار یا مزاح سے بھرپور قہقہہ
نہیں تھا۔ بلکہ ایک ہذیانی تاثر تھا جو میرے مُردہ دل اور مایوسی کا اظہار تھا۔

میرے اس ہذیانی قہقہے نے ناجیہ کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ زبان سے کچھ نہ بولی لیکن اُس
کی آنکھیں تو بہت کچھ کہے دے رہی تھیں۔ وہ کسی اور دنیا کی لڑکی تھی۔ گھر کی چار دیواری
میں عبادت کے ماحول میں خول میں بند ہو کر جوان ہوئی تھی۔ باہر کی دنیا کیا ہے؟ کیسی
ہے؟ وہ بالکل بھی نہیں جانتی تھی۔ میں شاید اُس کے لئے پہلا مرد تھا جو اُس کے اتنا قریب
ہوا تھا۔ اُس نے مجھے دیوتا سمجھ لیا تھا اس لئے کہ میں نے اب تک اُسے چھوا نہیں تھا۔ نہ
تاریکی میں اور نہ تنہائی میں...... میں اُس کا محافظ بنا ہوا تھا۔ بس وہ میری طرف دیکھ کر رہ
گئی۔ آلوؤں سے مٹی اُتارنے لگی۔ پھر ہم دونوں آلو کھانے لگے۔ ہمارے درمیان خاموشی
طاری ہو گئی۔ یکلخت ناجیہ کی بڑی بڑی آنکھوں سے صاف و شفاف آنسو نکل پڑے۔
میرے دل میں تو آیا کہ ان قیمتی صاف و شفاف، آبدار قیمتی موتیوں کو اپنے ہونٹوں میں
جذب کر لوں۔ لیکن مجھ میں جرأت پیدا نہ ہو سکی۔ آلو کھانے کے بعد میں لیٹ گیا۔ تھکن کی
وجہ سے جلد ہی نیند آگئی۔

❑……❑

پھر ایک اور رات آئی اور وہ بھی کسی نہ کسی طرح کٹ گئی۔ میں روزمرہ کی طرح بدمعاشوں کے کیمپ کے قریب جو جھاڑیاں تھیں اُن کی اوٹ میں چھپ گیا۔ بدمعاش مکان کے اندر چلے گئے۔ وہ پہریدار مچان پر کھڑا تھا۔ میں یہ دیکھنے لگا کہ وہاں کوئی سنتری ہے یا نہیں؟ اور میں اس بات کا بھی مشاہدہ کرنا چاہتا تھا کہ دن کے وقت ان بدمعاشوں کی کیا مصروفیت ہوتی ہے؟ بندرگاہ میں کوئی لانچ نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ لوگ جس بے فکری سے یہاں رہ رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں حکومت سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس لئے کاکامیاں نے اسے اپنے باپ کی ملکیت سمجھ لیا ہے۔ پھر بھی پہرے دار آسمان اور سمندر کی طرف دیکھتا رہتا تھا تاکہ بے خبری میں حکومت کے کارندے نہ آ جائیں۔

میں نے پناہ گاہ میں پہنچ کر ناجیہ سے کہا۔ ”بہت دُور دُور علاقے پر ان بدمعاشوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ کاکامیاں اسے شاید اپنا مرکز بنانا چاہتا ہے…… اگر یہ صحیح ہے تو پھر ہماری مصیبت آ گئی…… کیونکہ پھر ہمیں کئی سال چھپے رہنا ہوگا۔“

”تم نے جس پولیس انسپکٹر کو مخبری کی کیا وہ تمہاری تلاش میں نہیں آ سکتا؟“ ناجیہ نے پوچھا۔

”اُس غریب کو کیا خبر کہ میں کہاں روپوش ہوں؟ تاہم اُسے پتہ چلانا چاہئے۔ لیکن مجھے بالکل بھی اُمید نہیں رہی کہ وہ آئے گا۔ میں ابھی کسی خوش فہمی میں مبتلا رہنا نہیں چاہتا۔“ میں نے گہری سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

”وہ بردہ فروش بھی مجھے لینے نہیں آئے……“ ناجیہ نے کہا۔ ”وہ آئے بھی تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔“

”ایسی صورت میں ہم یہاں سے نکل نہ سکیں گے۔ کیا ہم اتنا عرصہ زندہ رہ سکیں گے ناجیہ؟“

”نہیں…… نہیں……“ وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ ”یہ ناممکن ہے کہ ہم زندہ رہ سکیں۔“

”میں بھی یہی بات سوچ رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”جانے یہ کیا مصیبت آ گئی؟“

وہ مجھے خوف و دہشت سے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اُس کے سرخ و گداز ہونٹ کانپنے لگے۔ اُس نے کپکپاتے ہونٹوں سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن کہہ نہ سکی۔ اُس کے دل پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری تھی جس سے وہ بری طرح دہل گئی تھی۔ پھر اُس نے اپنا نازک اور خوبصورت ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ یہ خوف اور سپردگی کا اظہار تھا۔ میں نے اُس کا پھول جیسا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ میرے سارے بدن میں ایک عجیب سی فرحت دوڑ گئی۔

”ناجیہ!“ میں نے اپنائیت کے لہجے میں کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ یہ خبر تمہارے لئے اچھی نہیں ہے۔ لیکن میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا ہوں۔ کیونکہ ہمیں اس وادیٔ اجل میں اکٹھے رہنا اور جینا ہے۔ مریں گے بھی تو اکٹھے ہی مریں گے۔“

ناجیہ نے اپنی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا لی اور غیر محسوس انداز سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں سے کھینچ لیا۔ پھر وہ خاموشی سے اپنی کھوہ میں چلی گئی۔ پھر وہ دوزانو بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے لگی۔

لیکن مجھ پر تو ایک یاسیت سی چھائی ہوئی تھی۔ میں فرش پر دراز ہو گیا۔ میرے پیٹ میں پھر سے عجیب و غریب آوازیں اُٹھنے لگیں جیسے کوئی حقہ پی رہا ہو۔ باہر پرندے چہچہا رہے تھے۔ باہر زندگی تھی۔ وہ بھوکے نہیں تھے۔ لیکن ہم بھوک سے مرے جا رہے تھے۔ اور پھر وہ آزادی اور سکون جیسی دولت اور نعمت سے مالا مال تھے۔

❑……❑

بھوک نے میرے ذہن کو صاف اور سوچنے کی صلاحیت کو جیسے بڑھا دیا تھا۔ اور پھر میں نے اپنے آپ میں بے خوفی اور خود اعتمادی سی محسوس کی۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی تو میں حیرت اور خوشی سے اُچھل پڑا میں نے درخت کی ایک لمبی سی اور بے حد مضبوط سی ٹہنی توڑی، پتے الگ کئے اور ٹوٹی ہوئی چھری سے جو میرے پاس موجود تھی ٹہنی کے ایک سرے کو چھیل کر اُسے برچھی کی طرح نوک دار بنا لیا۔ اُس کی نوک بہت تیز بن گئی تھی۔

میں اس سے مچھلیاں پکڑنا چاہتا تھا۔ میں نے دن کے وقت باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اُن بدمعاشوں کے معمول کو دیکھ آیا تھا۔ اب چونکہ انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس جزیرے میں ان کے سوا کوئی نہیں ہے اور یہ بھی کہ دُور دُور تک کا علاقہ ایک طرح سے ان کے قبضے میں ہے اس لئے جزیرے پر گشت کی اور ایک سے زیادہ پہریدار کھڑے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ حالانکہ یہ خطرہ موجود تھا کہ بدمعاش جزیرے کی سیر کے لئے کیمپ سے باہر جا سکتے ہیں۔ لیکن بھوک کی شدت کم کرنے اور ناجیہ کو غذا مہیا کرنے کے لئے میں نے غیر معمولی دلیری سے خطرہ مول لینے کا

فیصلہ کرلیا تھا۔

دوسرے دن صبح طلوع ہونے کے بعد میں جزیرے کے اُس ساحل پر چلا گیا جہار
چٹانیں تھیں۔ یہ مغربی ساحل تھا۔ بندرگاہ اور بدمعاشوں کا کیمپ جزیرے کے مشرقی حصے
میں تھا۔ میں ساحل کے اس حصے میں جا کھڑا ہوا جہاں پانی میں چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں۔
سمندر کی لہر آئی اور چٹانوں سے ٹکرا کر واپس چلی گئی۔ کچھ پانی چٹانوں کے درمیان رہ گیا۔
میں پانی میں جھانکنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور لہر آئی اور وہ بھی واپس لوٹ گئی۔ خوش قسمتی
سے ایک مچھلی چٹانوں کے درمیان رُکے ہوئے پانی میں آ گئی...... پانی صاف وشفاف تھا۔
میں نے فوراً ہی ٹہنی برچھی کی طرح ماری۔ اُس کی نوک مچھلی میں اُتر گئی۔ میں نے برچھی پانی
سے نکالی اور مچھلی اس کے ساتھ پروئی ہوئی آ گئی۔

میں نے اس مچھلی کو ساحل پر رکھ دیا اور پھر پانی میں اُتر گیا۔ خاصی دیر بعد جو لہر آئی وہ
اپنے ساتھ ایک اور مچھلی لے آئی جو چٹانوں کے درمیان رہ گئی۔ میں نے ٹہنی سے اُسے بھی
شکار کرلیا۔ میں نے دونوں مچھلیاں اُٹھائیں اور اُنہیں لے کر دوڑتا ہوا جنگل کی سمت نکل
گیا۔ میں نے تلاش کیا کہ کوئی اچھی قسم کا پھل مل جائے مگر وہ نہیں ملا۔

میں پناہ گاہ میں داخل ہوا۔ ناجیہ کا چہرہ زرد تھا۔ کچھ تو فاقہ کشی کا اثر تھا اور کچھ اس خوف
کا اثر کہ میں جو اتنی دیر سے نہیں آیا مجھے شاید ان بدمعاشوں نے پکڑ لیا ہوگا۔ مجھے دیکھ کر
اُس کا بجھا ہوا چہرہ دمک اُٹھا۔ اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

میں نے چھری سے ایک مچھلی کے کئی ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر میں آنکھیں بند کر کے کچی
مچھلی کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ ذائقہ اتنا برا نہیں تھا جتنا میں سمجھ رہا تھا۔ میں
چونکہ بھوکا تھا اس لئے اس ٹکڑے کو چبا کر نگل لیا۔ پیٹ میں جاتے ہی میں اپنے آپ میں
تازگی اور توانائی سی محسوس کرنے لگا۔ میں ناجیہ کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر مچھلی کا ایک ٹکڑا اُس کی
طرف بڑھا دیا۔ پھر اُس کے ہاتھ میں تھما کر ایک اور ٹکڑا منہ میں ڈال کر تیزی سے چباتے
ہوئے حلق میں اُتار لیا۔ میں نے دوسرا ٹکڑا کھا کر ناجیہ پر ظاہر کیا تھا کہ کچی مچھلی کھائی
سکتی ہے۔ ناجیہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹکڑے کو دیکھا اور چند لمحے بعد منہ میں
ڈال لیا۔ ایک ہی بار چبایا تو اُسے ابکائی آ گئی۔ پھر وہ فوراً ہی منہ پر ہاتھ رکھ کر سرعت سے
پناہ گاہ سے باہر نکل گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ منہ میں رکھا ہوا ٹکڑا اُگلنے گئی ہے۔ میں نے ایک
اور ٹکڑا منہ میں رکھ لیا اور اُسے وحشی درندوں کی طرح کھانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ناجیہ واپس آ گئی۔ اُس کی حسین آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ اُس کی
حالت عجیب سی ہورہی تھی۔ میں نے اُسے دیکھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا اور اُس کی حالت پر
ترس آنے لگا۔

''ناجیہ!'' میں نے کہا۔ ''مچھلی اتنی بری تو نہیں ہے....ایک بار ایک ٹکڑا کھا کر برداشت
کرلو!''

ناجیہ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ چپ چاپ سی اپنی
کھوہ میں اُتر گئی۔ چند لمحوں کے بعد اُس کی سسکیاں اندر گونجنے لگیں۔ میں اُس کی سسکیاں
سن کر ہنس تو پڑا لیکن میری اس ہنسی میں کرب اور دُکھ کی آمیزش تھی۔ میری آنکھوں سے
آنسو کا ایک قطرہ ٹپک پڑا۔ پھر میں نے مچھلی کا ایک اور ٹکڑا منہ میں ڈال لیا اور اسے چبا کر
حلق سے اُتار لیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اُس سے کہا۔ ''میں باہر جا رہا ہوں......تم میرے آنے تک پناہ
گاہ سے باہر نہیں آنا۔''

میری بات سن کر اُس کی سسکیاں تھم گئیں۔ اُس نے مجھے بھیگی بھیگی نظروں سے دیکھا
لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ پھر میں باہر نکل آیا۔ اور چھپتا چھپاتا جنگل سے ڈھکی ہوئی اس
بلند ٹیکری تک پہنچ گیا جہاں سے بدمعاشوں کا کیمپ دکھائی دیتا تھا۔ وہ تمام بدمعاش
بندرگاہ، مکان اور کیمپ کے درمیان گھوم پھر رہے تھے۔ مچان پر پہریدار بے پروائی سے
کھڑا تھا۔ میرا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ مچھلی کھانے سے بھوک ختم ہو چکی تھی۔ مجھے نیند آنے لگی۔
میں جہاں لیٹا ہوا تھا وہاں کسی بدمعاش کے آنے کا امکان نہیں تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی
کی نظر پڑ سکتی تھی۔ اس لئے میں نے آنکھیں بند کرلیں، پھر گہری نیند میں ڈوب گیا۔

دُھوپ کی تیز تپش میرے جسم میں سوئیوں کی طرح چبھنے لگی تو میری آنکھ کھل گئی۔ دن کا
دوسرا پہر تھا۔ سورج اتنا اوپر آ چکا تھا کہ مجھ پر سے درختوں کا سایہ ہٹ گیا تھا۔ میں نے
بیدار ہونے کے بعد بدمعاشوں کی طرف دیکھا۔ وہ بدمعاش بندرگاہ کی طرف جا رہے تھے
جبکہ سمندر میں لانچ موجود نہیں تھی۔ بدمعاش اکٹھے بھی ہوتے جا رہے تھے۔ کیمپ میں
سے چند سپاہی اور نکلے اور ہنستے اور قہقہے لگاتے ہوئے بندرگاہ کی طرف جانے لگے۔ بعض
نے کپڑے اُتار دیئے اور برہنہ ہوکر سمندر میں کود گئے۔ وہ شور وغل بپا کر رہے تھے۔
میں نے تاڑ لیا کہ وہ گرمی کی تاب نہ لا کر سمندر میں نہا رہے ہیں اور باقی تماشائی بنے

ہوئے ہیں۔ کیمپ میں صرف ایک پہریدار رہ گیا تھا جو مچان پر موجود تھا۔ اُس کی ساری توجہ اپنے ساتھیوں پر مرکوز تھی۔ میری نگاہیں بے اختیار کیمپ کے قریب والے مکان پر جا کر جم گئیں۔ یہ مکان میرے لئے نیا نہیں تھا۔ مگر اس وقت اس مکان نے میری نگاہوں کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔ ایک کمرے کی چمنی سے دُھواں نکل رہا تھا۔ جب میں نے دُھواں دیکھا تو میری بھوک کھل اُٹھی اور کسی ضدی بچے کی طرح ستانے لگی۔ صبح جو میں نے کچی مچھلی کھائی تھی وہ دن کے پچھلے پہر ہضم ہو چکی تھی۔ پھر مجھے ناجیہ کی یاد آئی جس نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ غریب بھوک سے مری جا رہی تھی۔ اُس نے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھ کر اُگل دیا تھا۔

ایک خیال میرے دماغ میں کوندا بن کر لپکا، اس پر عمل کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ بے حد خطرناک مشن تھا۔ اس مکان میں بدمعاشوں نے راشن کا ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ اسے انہوں نے گودام بنایا ہوا تھا۔

کیوں نہ میں اس مکان میں سے راشن لیتا آؤں......؟

یہ خیال بڑا ہی سنسنی خیز تھا۔ اس نے میرے خون کی گردش تیز کر دی اور میرا حلق اور ہونٹ خشک پڑ گئے۔ مجھے اس لمحے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے دل کے دھڑکنے کی رفتار حد سے زیادہ تیز ہو گئی ہے۔ لیکن میں نے جو ارادہ کیا تھا وہ اتنا مضبوط تھا کہ میرے حوصلے بلند ہو گئے۔ میرے اندر جتنی طاقتیں سوئی ہوئی تھیں ایک ایک کر کے بیدار ہو گئیں......!

پھر میں اُس راستے کا جائزہ لینے لگا جو مکان کی طرف جاتا تھا۔ میں نے پھر بدمعاشوں کی طرف دیکھا جو بندرگاہ پر کپڑے اُتار کر نہانے اور تیرنے کے شغل میں لگے ہوئے تھے۔ پہریدار جو بلند جگہ پر کھڑا ہوا تھا وہ وہاں سے ہر جگہ دیکھ سکتا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ دن رات پہرے کی ضرورت نہ تھی، لیکن بدمعاش بہت محتاط تھے۔

میں اس مکان تک اس صورت میں پہنچ سکتا تھا کہ ایک ایک انچ سے چھپ چھپ کر گزروں۔ میری آہٹ نہ ہو۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی تو میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر میں چھپتا چھپاتا ہوا آگے بڑھا۔ آگے گھاس اور جھاڑیاں اتنی اُونچی نہیں تھیں کہ میں اُن کی اوٹ سے ہوتا ہوا گزر جاؤں۔ میری نگاہوں کی زد میں ہر لحظہ وہ پہریدار تھا جو سمندر کی طرف منہ کئے کھڑا ہوا تھا۔ مجھے آگے تین چار درخت دکھائی دیئے۔ میں چونکہ ننگے پاؤں تھا اور آہٹ پیدا ہونے کا امکان نہیں تھا اس لئے پنجوں کے بل بے آواز لپکتا ہوا ان درختوں کی اوٹ

میں پہنچ گیا۔ یہاں سے مکان کا فاصلہ پچاس گز ہو گا۔ مکان قدرے بلند ٹیکری پر واقع ہوا تھا اور اس کے گرد جھاڑیوں یا درختوں کی کوئی اوٹ نہیں تھی۔

کچھ فاصلے پر ایک گڑھا تھا جس کے اِرد گرد خودرو گھاس اُگی ہوئی تھی۔ میں نے پھر ایک بار پہرے دار کو دیکھا جو گرد و پیش سے بے پرواہ اور غافل سا ہو کر اپنے ساتھیوں کو نہاتے اور ہنستے کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے فرشتوں کے بھی وہم و گمان میں نہیں ہو گا کہ ایک شخص چوری کرنے کے ارادے سے اُس کی ناک کے نیچے سے رینگ رہا ہے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لئے میرے پاس صرف چند لمحے تھے۔ کیونکہ بدمعاش جو سمندر میں نہا رہے تھے کسی بھی لمحے واپس آ سکتے تھے۔

جب میں قدرے مطمئن ہو گیا کہ پہریدار اس جانب نہیں دیکھ سکے گا، میں نے ایک دوڑ لگائی اور اس گڑھے میں بیٹھ گیا جو مجھے قدرے فاصلے پر دکھائی دیا تھا۔ میری سانسیں پھول گئی تھیں۔ میں نے سانسوں کو بحال کرنے کے بعد اپنا حوصلہ بڑھایا کہ اب مجھے نہایت ہی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ کیونکہ میں اس گڑھے کی نہیں بلکہ موت کی آغوش میں تھا۔ جانے کیوں میں اچانک حوصلہ ہارنے لگا۔ اس لمحے فوراً ہی مجھے ناجیہ یاد آئی......اُس کا زرد اور ستا ہوا چہرہ، خوف و دہشت سے بھری نظریں میرے تصور میں اُبھرنے لگیں۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ یہ حسین و جمیل اور نازک سی لڑکی بھوک سے مر جائے؟ بالفرض محال ایسا ہوا تو ضمیر تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا اور تم خدا کے سامنے بھی جواب دہ ہو گے......!

ناجیہ کا خیال آتے ہی میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ میں نے گڑھے کے کنارے اُونچی گھاس میں سے سنتری کو اور پھر مکان کو دیکھا۔ پھر میں رینگتا ہوا گڑھے سے باہر آیا۔ چند قدموں پر بھی گھاس تھی۔ وہ تین فٹ اُونچی ہو گی۔ میں تیزی سے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتا گھاس میں چلا گیا اور پیٹ کے بل نہایت آہستہ آہستہ رینگنے لگا تا کہ وہ اِدھر دیکھ بھی لے تو اُسے گھاس ہلتی نظر نہ آئے۔

گھاس ختم ہو گئی۔ مکان اب مجھے اپنی نظروں سے بہت قریب دکھائی دے رہا تھا۔ اس جانب سے پہریدار بھی کھڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہی چند گز کا فاصلہ تھا جو دراصل زندگی اور موت کے درمیان حائل تھا۔ وہاں ایسی کوئی آڑ نہیں تھی کہ میں گزر جاؤں۔ پہرے دار کی مجھ پر نظر پڑتے ہی میں اُس کی بندوق سے بچ نہیں سکتا تھا۔ پھر میرا حوصلہ جواب دینے لگا

تھا۔ ایک انجانا خوف دل میں دامن گیر ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ بہتر یہی ہے کہ میں واپس
چلا جاؤں۔ دراصل مجھے اپنے سے زیادہ ناجیہ کی فکر تھی۔ مجھے مارنے کے بعد وہ ناجیہ کو پکڑ
لیں گے۔ اور پھر یہ درندے اس معصوم لڑکی کو کھلونا بنا دیں گے اور اس سے اس وقت تک
کھیلتے رہیں گے جب تک وہ ان کی درندگی کا نشانہ بنتے بنتے موت کے منہ میں نہیں چلی
جاتی۔ اور پھر ناجیہ کو بدمعاش پکڑ لیں تو کھانے کو تو دیں گے۔ پھر وہ زندہ رہے گی۔ مگر پھر
اس خیال نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے کہ وہ اکیلی اتنے سارے بدمعاشوں کے ہتھے
چڑھ گئی تو اس کا کیا حشر ہو گا؟

اس خیال نے میرا دماغ بھک سے اُڑا دیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ چاہے کچھ
ہو جائے اُسے ان بدمعاشوں کے ہتھے چڑھنے اور درندگی کا نشانہ بننے اور بھوکا مرنے کی
قیمت پر نہیں دُوں گا۔ وہ میری دلجوئی کرتی ہے اور مجھ سے شاید محبت بھی کرنے لگی ہے......
کیا میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا؟

اس حسین اور معصوم لڑکی کی محبت نے مجھے شیر بنا دیا تھا اور اب مجھے اپنی زندگی اور موت
کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی۔ میں نے پھر سے یہ دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ پہریدار کی ساری
توجہ سمندر پر ہی مرکوز ہے۔ میں گڑھے سے ہٹ کر زمین سے چپکا ہوا سانپ کی طرح
آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔ ایک ڈیڑھ قدم رینگتا اور زمین کے ساتھ ہی سر گھما کر پہریدار کو
دیکھتا۔ پہریدار دُور تھا اور ابھی بھی مچان پر ہی موجود تھا۔

آخر کار میں ایک زاویئے سے مکان والی ٹیکری تک پہنچ گیا اور ذرا پرے ہو کر اوپر
چڑھنے لگا۔ وہاں کہیں کہیں جھاڑیاں تھیں۔ میں رینگتے رینگتے اُوپر چلا گیا جیسے یہ مکان میری
اپنی ملکیت ہو۔ میں اس قدر اُوپر آ گیا تھا کہ مکان اور میرے درمیان پہریدار آ گیا تھا۔
اندر جانے کا راستہ یعنی دروازہ اس جانب تھا جس طرف بندرگاہ تھی اور جہاں بدمعاش باہر
میں کود پھلانگ رہے تھے۔ مجھے اُن کے غُل غپاڑے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی
تھیں۔ مکان کے اندر داخل ہونے کا مرحلہ بہت نازک اور ٹیڑھا تھا۔ مگر میری نگاہ سامنے
والی دیوار پر پڑی جس میں بہت بڑا سوراخ تھا۔ توپ کے گولے نے وہاں سے دیوار کو توڑ
ڈالا تھا۔ یہاں جو ہماری موجودگی میں گولہ باری ہوئی تھی اس سے یہ سوراخ ہو گیا تھا۔ اس
سوراخ کے آگے اندر کی طرف ایک کپڑا لٹک رہا تھا۔ میں آگے بڑھا۔ ہاتھ آگے کر کے
کپڑے کو ایک طرف ہٹایا، پھر اندر جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔

بدمعاشوں کا دفتر تھا۔ دیواروں کے ساتھ نقشے لگے ہوئے تھے۔ کچھ رجسٹر اور دو ایک فائلیں
بھی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک دیوار پر فلمی اداکاراؤں کی انتہائی نیم عریاں قسم کی تصویریں
چپکائی ہوئی تھیں۔ یہ جہازی سائز کے رنگین پوسٹر تھے۔ ان ہیجان خیز تصویروں سے وہ شاید
محظوظ تھے۔ اداکاراؤں کے ایسے ایسے پوز تھے کہ مردوں کے جذبات بے قابو ہو جائیں۔

میں اس مکان کے کمروں اور دیواروں سے اچھی طرح واقف تھا۔ کیونکہ جب اس
جزیرے پر آیا تھا تب میں نے اس مکان کے اندر جا کر جائزہ لیا تھا۔ پھر اپنی پناہ گاہ بنانے
کے لئے کچھ سامان یہاں سے بھی لے کر گیا تھا۔ اس واقفیت کی بنا پر اب میرے لئے کوئی
کام کچھ مشکل نہیں رہا تھا۔ میں دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں لکڑی کے بھرے ہوئے
کھوکھوں، تھیلوں اور ڈبوں کے ڈھیر بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ یہ سب کھانے پینے کا
سامان تھا۔ ان میں سے بہت سارے ڈبوں پر ساختہ یو ایس اے لکھا ہوا تھا۔ میں نے سوچا
کہ اسمگلنگ کے علاوہ کاکامیاں کے آدمیوں نے بڑے شہروں کے ڈیپارٹمنٹل سٹورز پر
ڈاکہ مار کر اور پھر کھلنا اور چٹاگانگ کے ڈرائی پورٹ سے یہ مال چرایا ہو گا۔ کاکامیاں کو اور
اُس کے آدمیوں کو ہمیشہ حرام کی کھانے کی سوجھتی تھی۔ خرید کر کھانا اُس کی توہین تھی۔ وہ
حرام خور تھا۔

میں نے ایک خالی تھیلا اُٹھایا۔ اُس میں تیزی سے بسکٹوں اور دودھ کے ڈبوں کے
علاوہ ہنٹر بیف، جام جیلی، مکھن، شہد، پنیر اور چپس کے پیکٹ بھی ڈالنے لگا۔ لیکن میرے
کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ مختلف ڈبوں اور دیگر اشیاء سے تھیلا بھر گیا۔
اچانک مکان کے باہر کسی بدمعاش نے اپنے ساتھی کو آواز دی تھی۔ دُور سے کسی نے پکار کر
اس کا جواب بھی دیا تھا۔ میں نے فوراً ہی تھیلا کندھے پر ڈالا۔ یہ تھیلا خاصا بڑا تھا اور اُس کا
وزن اس قدر ہو گیا تھا کہ میں اسے لاد کر تیز نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن خوف و خطرے کے
احساس نے میرے اندر اتنی طاقت بھر دی تھی کہ میں پھرتی سے دفتر والے کمرے میں چلا
گیا۔ اور پھر میں ٹھٹک کر رُک گیا...... کیونکہ مجھے برآمدے میں سے بوٹوں کی آواز سنائی
دی۔ میں نے آگے بڑھ کر دیوار کے سوراخ سے کپڑا ہٹایا اور تھیلے سمیت باہر آ گیا۔ خطرہ یہ
تھا کہ اس طرف کوئی بدمعاش ہو گا۔ اسٹور سے سامان کم ہونے کا شک کسی کو نہیں ہو سکتا تھا
کیونکہ وہاں سامان کے انبار پڑے تھے۔ چند ایک ڈبوں کے کم ہونے کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔
یوں بھی یہ کون سا اُن کے باپ کا مال تھا جو حساب کریں اور خیال رکھیں۔

میرے پاس اب صرف چند لمحے تھے۔ میرے روپوش نہ ہونے کی صورت میں، میں
پکڑا جا سکتا تھا۔ کوئی نو دس گز کے فاصلے پر ایک گڑھا دکھائی دیا۔ مجھے ایسا لگا کہ یہ گڑھا بڑ
دس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ ایک طرف دھر لئے جانے کا خطرہ تھا تو دوسری طرف
میرے کندھے پر وزن بھی لدا ہوا تھا۔ ایک یا دو تین بدمعاش مکان میں داخل ہو چکے
تھے۔ پھر میں نے جان کی بازی لگا دی۔ میں اِدھر اُدھر دیکھے بغیر دوڑا اور گڑھے میں اتر
گیا۔ ساون کی بارشوں نے گھاس کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ گڑھے کے اِردگرد اونچی
گھاس تھی۔ میں گڑھے میں اکڑوں بیٹھ گیا۔ میرا دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے اُچھل کر
حلق سے باہر آ جائے گا۔ مجھے یہ دھڑکا سا لگ گیا تھا کہ بدمعاشوں نے مجھے دیکھ لیا ہے اور
مجھے پکڑنے کے لئے آ رہے ہیں۔ اب میری خیر نہیں تھی۔ میں نے دل میں مردانہ وار
حالات کا مقابلہ کرنے کے متعلق سوچ لیا تھا۔

چند اذیت ناک لمحے بیت گئے...... ادھر کوئی بھی نہ آیا۔ پھر مجھے یقین ہو چلا کہ کسی نے
مجھے نہیں دیکھا ورنہ اب تک میری شامت آ جاتی۔ لیکن پھر بھی ایک خوف دامن گیر ہو گیا تھا
کہ گڑھے سے باہر نکلتے ہی پکڑا جاؤں گا۔ میں نے خوف اور ہیجان پر قابو پا کر سوچنا شروع
کیا اور یہی ایک طریقہ محفوظ نظر آیا کہ رات تک اس گڑھے میں پڑا رہوں اور رات کی
تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر یہاں سے نکل پڑوں۔ سورج کو دیکھا تو لگا کہ اُس کے غروب
ہونے میں ابھی کوئی چار گھنٹے باقی ہیں۔ اس کے غروب ہونے کا انتظار کرنے کے سوا کوئی
اور صورت نہیں تھی۔ یہ گڑھا مکان اور کیمپ کی ایسی سمت تھا کہ بدمعاشوں کے اس طرف
آنے کا امکان بہت کم تھا۔ اس کے عقب میں ایک ٹیکری تھی اور سامنے وہ ٹیکری تھی جس پر
مکان تھا۔

مجھے اچانک بدمعاشوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں ایسی حالت میں تھا کہ
میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں اس وقت بدمعاشوں کے درمیان چھپا بیٹھا ہوا تھا اور
وقت تھا کہ گزر نہیں رہا تھا۔ وقت بھی کس قدر عجیب و غریب ہوتا ہے۔ وہ کسی کا نہیں ہوتا۔
وہ جیسے تھم گیا تھا...... ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے صدیوں کے لئے تھم گیا ہو۔ سورج تو جیسے سر پر
کر رُک ہی گیا تھا۔ میں یہاں اس لئے بھی چھپا ہوا تھا کہ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔
یہاں چھپے رہنے ہی میں میری عافیت تھی۔ اس لئے میں تھیلے کو اچھی طرح سے رکھ کر کسی
قدر سکون اور آرام سے بیٹھ گیا اور میں نے اطمینان کی سانس لی۔

میرا یہ سکون اور اطمینان عارضی ثابت ہوا تھا...... کیونکہ مجھ پر ایک نئی افتاد نازل ہوگئی
تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ ہوا یہ تھا کہ کیڑے
مکوڑے اور چیونٹیاں میرے جسم پر رینگنے لگی تھیں اور کچھ میری پتلون کے اندر چلی گئی
تھیں۔ میں نے اُنہیں پکڑنا، مارنا اور روندنا شروع کر دیا۔ مگر اُن کی تعداد اور یلغار میں کوئی
کمی نہیں آئی۔ بڑھتی ہی گئی۔ میں نے صرف پتلون پہن رکھی تھی۔ بدن پر قمیض اور پاؤں
میں بوٹ نہیں تھے۔ ساون کے حشرات الارض میرے جسم کو کاٹنے لگے اور میں اُن سے
مقابلہ کرنے لگا۔ میں میدان چھوڑ کر بھاگ بھی تو نہیں سکتا تھا۔ مگر جب سبز رنگ کا ایک
فٹ لمبا سانپ گڑھے کے کنارے پر گھاس سے نکلا تو میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔ یک شد نہ
دو شد...... میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید میری موت ان بدمعاشوں کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔
مگر یہ ایک فٹ لمبا سانپ اچانک جانے کس سمت سے میری جان لینے آ گیا؟ میں اب
بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اُس نے میری راہ مسدود کر دی تھی۔ کیمپ میں بدمعاش نہ
جانے کس بات پر نعرے بازی کر رہے تھے۔ اُن کے بھونڈے اور بے ہنگم قہقہے فضا میں بلند
ہو رہے تھے۔ قریب ہی بہت سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اچانک سانپ غائب ہو
گیا۔ شاید وہ اس شور سے گھبرا گیا تھا اور گھاس میں روپوش ہو گیا تھا۔

سورج ہنوز سر پر ہی مسلط تھا۔ میرے لئے انتظار کے لمحات اذیت ناک اور سوہانِ
رُوح بنتے جا رہے تھے۔ وقت گزاری کی ایک ہی تدبیر میرے ذہن میں آئی کہ میں اپنے
آپ کو انجانے سپنوں میں گم کر دُوں۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے ناجیہ کو
دُلہن کے رُوپ میں دیکھا..... ڈھاکہ اور بنگلہ دیش کے سب سے بڑے اور مہنگے ہوٹل سنار
گاؤں میں دوستوں کو ایک پُرتکلف عشائیہ دیا۔ پھر میں اُسے ساتھ لے کر رنگا ماٹی ہنی مون
منانے کے لئے پہنچ گیا۔ پہلی سہاگ رات ہم نے منائی۔ اُس کی پُرجوش محبت میں بڑی
وارفتگی اور والہانہ پن تھا۔ پھر میں اُسے ساتھ لے کر سنگاپور کی سیاحت کے لئے نکل گیا۔
شہزادوں کی طرح وہاں کے اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں قیام کیا، راتیں حسین اور رنگین کرتے
رہے۔

یکلخت میرا حسین اور رنگین، پُرکیف اور نشاط انگیز سپنا بکھر گیا۔ اچانک کیمپ میں پھر
ایک بار شور و غل سنائی دیا جس نے مجھے سپنوں کی دنیا سے واپس اُس گڑھے میں پھینک دیا
جہاں مجھے کیڑے مکوڑے کاٹ رہے تھے۔ مجھے حقیقی دنیا کا پہلا خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ ان

بدمعاشوں کو چوری کا علم ہو گیا ہے اور وہ مجھے شکاری کتوں کی طرح تلاش کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر قہقہے سنائی دیئے تو میری غلط فہمی اور شک وشبہ دور ہو گیا۔ میں نے قدرے سکون محسوس کیا۔

پھر یکلخت مجھے ناجیہ کا خیال آیا...... میں جب سے اُس کے ساتھ تھا کبھی اُس سے ذرا دُور نہیں رہا تھا۔ آج میں سارا دن غائب تھا اور مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ گھبرا کر پناہ گاہ سے باہر نہ نکل آئی ہو اور میری تلاش میں نکل کھڑی ہو۔ وہ ایسا کر سکتی تھی۔ میرے ساتھ یہ مسئلہ تھا کہ پکڑے جانے کا ڈر اور خوف الگ تھا۔ میں عجیب کشمکش و پیچ اور مصیبت میں گرفتار تھا۔ میں بری طرح جھنجلا گیا، اندر ہی اندر پیچ وتاب کھاتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

''کیا ہی اچھا ہوتا وہ موذی سانپ مجھے ڈس لیتا اور مجھے اس جہنم کے دردناک عذاب سے نجات مل جاتی......!''

○□○

یہ گڑھا نہیں تھا، ایک جہنم تھا۔ میں جیسے دردناک عذاب سہہ رہا تھا۔ یہ گھڑیاں نہ صرف بے حد اذیت ناک اور طویل بلکہ اُکتا دینے والی تھیں۔ میرا برا حال تھا۔ جسم کے جوڑ جوڑ میں اس طرح سے درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں کہ جیسے کسی نے میرے سارے بدن میں سوئیاں چبھو دی ہوں۔ میرے پاؤں کی ایڑی میں جو سوئی چبھی تو وہ اندر تک چلی گئی...... مجھے کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کسی زہریلے بچھو کا ڈنک تھا یا سانپ نے ڈسا تھا؟ میں اس لئے بھی دیکھنے سے قاصر تھا کہ گڑھا بہت تنگ تھا۔ اس میں اتنی گنجائش بھی نہیں تھی کہ میں اپنی جگہ سے ہل سکوں۔ ایک درد کی لہر ایسی بھی اُٹھی تھی کہ اُس نے میرے وجود کو جیسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں ان دردوں سے نبرد آزما تھا کہ سورج ٹیکری کے پیچھے چلا گیا۔ میں نے سکون کا گہرا سانس لیا۔ شام کے تصور سے ہی درد کی شدت کم ہو گئی۔ پھر دن کی روشنی دُھندلی ہونے لگی۔ اسی لمحے نیند کا ایک جھونکا آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ناجیہ میری بانہوں میں ہے...... اُس نے مرمریں بانہیں میرے گلے میں حائل کی ہوئی ہیں۔ پھر اُس نے اپنے بھرے بھرے ہونٹ میرے ہونٹوں میں پیوست کر دیئے۔ دوسرے لمحے میں درد کی شدت سے بلبلا گیا...... آنکھ کھل گئی۔ ایک مکوڑے نے میرے ہونٹوں کو بری طرح کاٹ کھایا تھا۔

میں نے گڑھے سے سر اُٹھایا اور گھاس میں سے کیمپ کی طرف دیکھا۔ مجھے کچھ بدمعاش دکھائی دیئے جو معمول کے مطابق چہل قدمی کر رہے تھے۔ اُن کی کوئی حرکت غیر معمولی یا پریشانی کا باعث نہیں تھی۔ کیمپ کے دوسرے سرے پر پہریدار ابھی تک موجود تھا۔ اُس کے انداز میں بے نیازی اور بے پرواہی تھی۔ اور پھر مجھے مکان میں بوٹوں کی دھمک سنائی دینے لگی اور یہ آہٹیں مجھے بہت قریب محسوس ہونے لگیں۔ مگر میں ان سے خوفزدہ نہیں ہوا کیونکہ یہ معمول کے مطابق تھیں۔

خدا خدا کر کے سورج غروب ہو گیا۔ شام کے دھندلکے اندھیرے کی آغوش میں

سمانے لگے۔ کیمپ میں نیلے رنگ کی مدھم سی بتیاں جل اُٹھیں جن کی روشنی انہی تک محدود تھی۔ اب میں گڑھے سے باہر نکلنے کے لئے بے چین اور مضطرب ہونے لگا۔ بہر حال اب مجھ میں صبر اور برداشت کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ پھر مجھے جیسے ہی احساس ہوا کہ عجلت بازی سے ساری محنت اور کئے کرائے پر پانی پھر سکتا ہے، میں نے اپنی وحشت پر قابو پایا۔ کیمپ میں ایک شور سا تھا۔ اور پھر مکان میں بہت سارے لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بدمعاش شاید رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ میں گڑھے ہی میں بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد مکان کا شور جیسے کیمپ میں منتقل ہو گیا اور پھر رفتہ رفتہ دب گیا۔ لیکن میں پھر بھی بیٹھا رہا۔ اور جب کیمپ کی ساری بتیاں ایک ایک کر کے بجھ گئیں اور مکمل طور پر ہر سمت سناٹا چھا گیا تو میں گڑھے سے باہر نکل آیا، تھیلا گھسیٹ کر باہر نکالا، پھر تھیلے کو پیٹھ پر رکھا اور ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ ذرا سا چلتا، پھر رُک جاتا۔ پھر پیٹ کے بل لیٹ جاتا۔ میرے اور کیمپ کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ قدم طے کرنے کے بعد مجھے وہ گڑھا نظر آیا جس میں، میں پہلے بھی چھپ چکا تھا۔ مگر میں گڑھے میں نہیں اُترا، اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کے کنارے جو گھاس تھا اُس کی اوٹ میں ہو گیا۔ میں نے اپنے کان کھڑے کر لئے۔ مگر کوئی مشکوک آواز سنائی نہیں دی۔ تھوڑی دیر تک دم لینے کے بعد میں نے پھر تھیلا اپنی پیٹھ پر رکھا اور پھر سے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ کانٹوں سے میرے ہاتھ زخمی ہو گئے اور گھٹنے بھی درد کرنے لگے۔ لیکن میں یہ سب کچھ برداشت کرتا رہا۔ مجبوری جو تھی۔ آہستہ آہستہ چلتا بھی جا رہا تھا۔ پھر میں کسی نہ کسی طرح آخر وہاں پہنچ گیا جہاں جنگل گھنا ہو گیا تھا...... پھر میں اُٹھ کھڑا ہوا اور درختوں کی اوٹ میں چلنے لگا۔ مگر تھکن اور زہریلے کیڑوں کے کاٹنے سے میرا جسم بری طرح دُکھ رہا تھا۔ ایسی تکلیف اور درد کی کیفیت میں اتنا وزن لاد کر چلنا بہت دُشوار ہو رہا تھا۔

قدرے فاصلہ طے کرنے کے بعد میں رُک گیا۔ میں نے سوچا کہ کچھ دیر ستا لینے سے جسم تر و تازہ ہو جائے گا اور توانائی آ جائے گی۔ میں تھیلا اُتار کر بیٹھ گیا اور کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ میری آنکھوں میں نیند کی پری اُترنے لگی لیکن میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد اپنا سفر جاری رکھنے کے خیال سے اُٹھا۔ تب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آرام کرنے سے فائدے کی بجائے اُلٹا نقصان ہوا۔ کیونکہ ساون کی نمناک رات نے میرے جسم میں سردی سرایت کر دی تھی۔ اس خنکی کے باعث جسم میں اکڑاہٹ محسوس

ہوئی اور پیر شل سے ہو گئے۔ میں نے تھیلا اُٹھانا چاہا تو ایسا لگا کہ بازوؤں میں سکت ہی نہیں رہی ہے۔ وہ جواب دے گئے تھے۔ دوسری طرف بھوک بھی لگی ہوئی تھی اور پیاس سے حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا۔ اور پھر یہ کہ اب میں حوصلہ ہار گیا تھا، مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ دو چار قدم بھی چل سکوں۔

جب مجھے ناجیہ کا خیال آیا تو میں تڑپ اُٹھا۔ میں صبح سے غائب ہوں، رات بھی آ گئی ہے۔ وہ غریب پناہ گاہ میں نہ صرف ڈر رہی ہو گی بلکہ اُس نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہو گا۔ وہ کہیں باہر نکل کر میری تلاش میں نہ نکل کھڑی ہو۔ اس احساس نے میرے بازوؤں میں آگ سی بھر دی...... ایک نئی طاقت سی آ گئی۔ میں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت مجتمع کی اور جھک کر تھیلا اُٹھایا اور اسے کندھوں پر رکھا اور چل پڑا۔ جسم کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ پاؤں کی جس ایڑی پر کسی چیز نے کاٹا تھا وہ زمین پر نہیں ٹکتی تھی۔ میں کراہتا ہوا چلتا گیا۔ جنگل گھنا ہوتا گیا...... میں ایسے راستے سے گزر رہا تھا جہاں سے میں کبھی دن میں بھی نہیں گزرا تھا اور نہ گزرنے کا سوچا تھا۔ جھاڑیاں، درختوں کے گھنے جھنڈ اور اُونچی نیچی ٹیکریاں میرے راستے کو اور دُشوار گزار اور کٹھن بنا رہی تھیں۔ راستہ اور لمبا ہو گیا تھا۔ مجھے یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اندھیرے میں گھومتا پھرتا اور بھٹکتا ہوا دوبارہ بدمعاشوں کے کیمپ پر نہ پہنچ جاؤں۔ چلنا اور بوجھ اُٹھائے رکھنا ناممکن سا ہوتا جا رہا تھا۔ میری رفتار غیر محسوس انداز میں کم ہونے لگی۔ پھر آگے ندی آ گئی۔

میں ندی میں اُتر گیا تاکہ اُسے پار کیا جا سکے۔ توازن برقرار رکھنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ لیکن ٹھنڈے پانی سے میں نے کچھ راحت اور قدرے سکون سا محسوس کیا۔ جب میں نے کچھ پانی پیا تو جان میں جان آ گئی۔ ندی سے باہر آ کر میں نے صحیح رُخ کی سمت متعین کر لی۔ پھر میں چلتے چلتے اپنے علاقے میں داخل ہو گیا اور اُس پہاڑی پر چڑھنے لگا جس کے وسط میں میری زمین دوز پناہ گاہ تھی۔ چند قدم چڑھا تو ہمت جواب دے گئی۔ ہار کر رُک گیا۔ چڑھا نہیں جاتا تھا۔ پھر میں گھٹنوں کے بل ہو گیا اور ہاتھوں کے بل اُوپر چڑھنے لگا۔ اس سے قدرے سہولت ہو گئی۔ یہاں سے میری آواز ناجیہ تک پہنچ سکتی تھی مگر میں پکار نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ خاموشی اور رات میں آواز اُن تک پہنچ جاتی۔ میں حفظ ماتقدم کے طور پر لمبے راستے سے آیا تھا۔ میں انچ انچ سرکتا ہوا اُوپر پہنچ گیا اور پناہ گاہ کے قریب پہنچ کر تھیلا پھینک دیا۔

اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ تھیلے کو پناہ گاہ میں اُتاروں۔ میں نے سہمے ہوئے ہوئے سے پناہ گاہ کی چھت کے سوراخ سے ناجیہ کو پکارا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے منہ اندر کر کے قدرے بلند آواز سے ناجیہ کو پکارا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ میں سمجھا شاید وہ گہری نیند سوگئی ہے۔ میں پناہ گاہ میں اُتر گیا۔ پھر ایک بار ناجیہ کو آواز دی۔ جواب میں خاموشی تھی۔ میں نے اُس کی جگہ پر ہاتھ بڑھا کر ٹٹولا۔ ناجیہ وہاں نہیں تھی۔ میں نے اُس کی کھوہ میں داخل ہو کر چاروں طرف ہاتھ سے ٹٹولا۔ ناجیہ وہاں بھی نہیں تھی۔ وہ لاپتہ تھی...... میری حرکت قلب رُک گئی۔ مجھے ہچکی آئی اور میں نے اُسے بلند آواز سے پکارا۔ ''ناجیہ......!'' لیکن یہاں میں اکیلا تھا۔

میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ مجھے سب سے پہلے خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ ناجیہ بدمعاشوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں تھیلا اُٹھائے مکان کے قریب گڑھے میں چھپا ہوا تھا اس وقت میں نے بدمعاشوں کا نعرے کی طرح شور سنا تھا اور پھر اُنہوں نے قہقہے بھی لگائے تھے۔ یہ خوشی کے نعرے تھے جو اُنہوں نے ایک نوجوان اور حسین لڑکی کو کیمپ میں دیکھ کر لگائے ہوں گے۔ ورنہ اس جزیرے اور ساحل سمندر پر خوشی منانے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ ناجیہ اُن کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ وہ شاید اُس کے ساتھ جشن منا رہے ہیں۔ وہ اُن کے ہاتھوں کھلونا بن گئی ہوگی۔ وہ درندے اُس پر گِدھوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہوں گے۔ ناجیہ نے اُنہیں میرے بارے میں بتا دیا ہوگا۔ وہ میری بھی تلاش میں ہوں گے۔ لیکن اُنہیں مجھے پکڑنے کی ایسی جلدی نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں جزیرے سے کہاں جا سکتا ہوں؟ جلدی تو اُنہیں ناجیہ کی بے حرمتی کرنے کی ہوگی۔!! غریب تو اُن کی درندگی کا نشانہ بن کر بے موت ماری جائے گی۔

نفرت، غصے اور انتقام کے اندھے جنون نے مجھے پاگل کر دیا...... میری رگوں میں لہو اُبلنے لگا...... مجھے ناجیہ پر غصہ آیا کہ وہ کیوں پناہ گاہ سے نکلی؟ جبکہ میں نے اُسے سختی سے منع کیا تھا۔ اُس نے نہ صرف اپنے لئے بلکہ میرے لئے بھی مصیبت کھڑی کر دی۔ میں نے دل میں تہیہ کرلیا کہ چاہے کچھ بھی ہو، میں ان بدمعاشوں کے پنجوں سے ناجیہ کو نکال لاؤں گا۔ ممکن ہے انہوں نے ابھی اسے بے حرمتی کا نشانہ نہ بنایا ہو۔ میں نے اُن سے ٹکر لینے کا منصوبہ بنا لیا۔ لیکن دوسرے لمحے یہ خیال آیا کہ میں نہ صرف اکیلا ہوں بلکہ نہتا بھی ہوں۔ مجھے جیسے ہی اپنی بے بسی کا احساس ہوا مجھ پر پاگل پن سوار ہوگیا...... میرے ذہن

میں ایک تدبیر آئی۔ بدمعاش اس وقت گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ میں شب خون مار سکتا ہوں۔ وہ پہریدار بھی سو گیا ہوگا۔ میں اُس کی اور دوسرے بدمعاشوں کی بندوقوں پر قبضہ کر کے اُنہیں بھون سکتا ہوں۔ کیمپ میں مشین گنیں بھی تو ہوں گی۔ ان سے بھی مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

غصے اور انتقام کے اندھے جنون میں مبتلا ہو کر میں باہر نکلا۔ چند قدم طے کرنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہوسکتا ہے ناجیہ میری تلاش میں نکل گئی ہو۔ کیوں نہ میں اُسے اِدھر اُدھر تلاش کروں۔ اگر وہ مجھے صبح تک نہیں ملی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ان بدمعاشوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ پھر میں صبح سوچوں گا کہ ناجیہ کو کس طرح اُن بدمعاشوں کی قید سے رہائی دلائی جا سکتی ہے؟ پھر مجھے تھیلے کا خیال آیا تو میں واپس آیا۔ میں نے پناہ گاہ کے باہر رکھا ہوا تھیلا گھسیٹ کر اندر ڈال دیا۔ پھر میں نے سوچا اتنے بڑے جزیرے میں ناجیہ کو کہاں کہاں تلاش کروں؟ میری مجبوری یہ تھی کہ میں اُسے بلند آواز میں پکار بھی نہیں سکتا تھا۔ خاموشی، رات اور ہوا کے دوش پر آواز کیمپ تک جا سکتی تھی۔

میں یہ سب کچھ سوچتا ہوا پہاڑی سے اُتر گیا اور تاریک جنگل میں بھٹکنے لگا۔ میرا جسم جو تھکن اور کیڑے مکوڑوں نے بیکار کر دیا تھا، غصے اور انتقام کے جوش میں آگ بگولا ہوگیا تھا۔ مگر مجھے ناجیہ کا سراغ نہ ملا۔

□......□
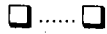
میں اندھیرے میں اس طرح کھڑا ہوگیا جیسے کسی نے پتھر کا بت لا کر نصب کر دیا ہو۔ میرے کان کسی انسان کی آواز سننے کی اور ناک کسی انسان کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہاں کوئی لڑکی موجود نہیں تھی۔ میرا ذہن سادے کاغذ کی طرح ہوگیا۔ دوسرے لمحے یہ خیال بڑی تیزی سے دماغ میں آیا کہ بدمعاشوں نے یقیناً ناجیہ کو پکڑ لیا ہے اور اب اس تاریکی میں بدمعاش میری گھات میں بیٹھے ہیں۔ اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ میں اُس کی تلاش میں نکلا تو وہ بدمعاش مجھے آسانی سے دھر لیں گے۔ میرا تھکن سے برا حال ہو رہا تھا اور جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ بھوکا بھی تھا اور پیاس بھی لگ رہی تھی۔ اب میرے پاس کھانے کی اشیاء سے بھرا ہوا تھیلا بھی تھا۔ مگر میں جس کے لئے اتنی مصیبت اُٹھا کر لایا تھا وہی موجود نہیں تھی۔ میری حسین، بھولی بھالی اور چاندسی ساتھی لاپتہ ہوگئی تھی۔ میں اُس کے بغیر کھانے کے متعلق سوچ بھی

نہیں سکتا تھا۔ اُس کی پر اسرار گمشدگی سے بھوک اور پیاس کا احساس بھی مٹ گیا۔ پھر
سمندر کی جانب پہاڑی سے اُتر گیا۔ میرے پاس میرے اپنے کسی سوال کا جواب
نہیں تھا۔ میں خود نہیں جانتا تھا کہ میں سمندر کی جانب کشاں کشاں کس لئے جا رہا ہوں
لیکن شاید اس لئے کہ ادھر بدمعاشوں کا کوئی خطرہ موجود نہیں تھا۔ اور میں یہ چاہتا تھا
اپنی پناہ گاہ سے دُور نکل جاؤں۔

میں ساحل کی ریت پر چلتا گیا۔ کبھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میں کوئی ڈراؤنا خواب
دیکھ رہا ہوں۔ ٹوٹے ہوئے، فاقہ کشی اور تھکن کے مارے ہوئے جسم نے دماغ کو بھی
سوچنے کی قوت سے محروم کر کے معذور اور ماؤف سا کر دیا تھا۔ میرے پیر منوں بھاری ہو
رہے تھے اور ان میں جان ہی نہیں رہی تھی۔ دو قدم چلنا بھی بھاری تھا۔ لیکن میں اپنے
آپ کو اس طرح گھسیٹ رہا تھا جیسے کوئی لاش ہو۔ میرا سر جھکا ہوا تھا۔ چلتے چلتے میں نے
اپنا سر آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھایا تو مجھے ستاروں سے بھرے آسمان کی روشنی میں سمندر کے
کنارے پر اُبھری ہوئی چٹانوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔ اور ایسی ہی ایک چوٹی پر جو چند گز
اُونچی تھی مجھے ایسا سایہ نظر آیا جیسے کوئی انسان بیٹھا ہوا ہو...... میں چلتے چلتے ٹھٹک کر رُک
گیا۔ میرے سارے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ مجھے لگا کوئی بدمعاش بیٹھا ہوا
ہے۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ پہلے تو ایسا لگا جیسے یہ کوئی بدمعاش نہیں ہے۔ پھر
خیال آیا کہ کوئی بدرُوح ہو گی جو ادھر آ نکلی ہے، کسی ایسے شخص کی جو یہاں چٹانوں سے ٹکرا
کر مر گیا ہو...... بدرُوح کا خیال آتے ہی جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ پھر میں نے آنکھیں
پھاڑ کر دیکھا۔ تاریکی کی وجہ سے اُس کے خدوخال صاف دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ایسا
لگا جیسے کوئی سیاہ بت چٹان پر نصب کیا ہوا ہے۔ میں نے اُسے پہچاننے کی کوشش کی۔
کچھ واضح سا ہوا تو میں تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اس جانب بڑھا۔ قریب ہوتے ہی بے تابی
اور خوشی آمیز لہجے میں، میں نے پکارا۔ ''ناجیہ......!''

میری آواز نے بھی اُس سائے میں کوئی حرکت پیدا نہیں کی۔ میں نے پھر ایک بار
اُسے آواز دی۔ ''ناجیہ!...... ناجیہ!......''

پھر سائے نے دھیرے سے حرکت کی۔ وہ ناجیہ ہی تھی۔ وہ اُٹھی، دوڑ کر چٹان سے
اُتری اور میری جانب تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی۔ میرے قریب پہنچ کر رُک گئی۔ فطری
شرم مانع نہ ہوتی تو شاید وہ میرے سینے سے لگ جاتی۔ اُس نے میرے شانوں پر اپنے

ہاتھ رکھ دیئے۔ ماں سے بچھڑے ہوئے بچے کی طرح سسک کر بولی۔ ''یہ تم ہو
ناں......؟''

اُس نے اپنا ہاتھ میرے چہرے پر پھیرا۔ میرے بالوں میں اپنی اُنگلیاں اُلجھا دیں۔
پھر وہ بے تابی سے کہنے لگی۔ ''تم آ گئے...... تم آ گئے...... کیا میں یقین کر لوں کہ تم میری
نظروں کے سامنے ہو؟ یہ تمہی ہو......؟''

ناجیہ کی آواز خوف اور ہیجان سے لڑکھڑا رہی تھی۔ خوشی اور جذبات کے جوش سے اُس
کا نازک سا بدن کسی نازک سے پیڑ کی طرح ڈولنے لگا۔ اُسے جیسے پیروں پر کھڑا ہونا
دُشوار ہو رہا ہو۔ وہ مجھ پر ٹوٹے ہوئے دروازے کی طرح آ رہی۔ میں نے اُسے فوراً ہی
سنبھال لنہ لیا ہوتا تو وہ ریت پر گر کر ڈھیر ہو جاتی۔ میں نے اُسے بازوؤں میں بھر لیا۔
اُس کا شاخِ گل جیسا بدن اور اُس کا بند بند کانپ رہا تھا۔ اُس میں اتنی طاقت ہی نہیں
رہی تھی کہ کھڑی رہ سکے۔

پہلی بار وہ میرے بازوؤں کے حصار میں قید ہوئی تھی۔ میں نے پہلی بار اُس کے
نازک اور گداز جسم کو اپنے جسم کے ساتھ محسوس کیا تھا۔ اُس کے جسم کے گداز نے میرے
سارے بدن پر ایک عجیب سی فرحت دوڑا دی تھی۔

میں نے اُسے اپنے سینے میں جذب کرتے ہوئے دلاسہ دیا۔ ''ناجیہ! ڈرو نہیں......
میں آ گیا ہوں۔''

اس احساس نے مجھ پر ایک رقت اور جذباتیت سی طاری کر دی تھی کہ یہ لڑکی میری
زندگی کے لئے کتنی اہم ہے اور میں اس لڑکی کے لئے کس قدر اہم ہوں۔ ہم دونوں ایک
دوسرے کی ذات کا جزو ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو چکے ہیں۔ اب میں
اس لڑکی کا نہ صرف محافظ تھا بلکہ یہ اب میری ملکیت تھی۔ وہ میرے بازوؤں میں بھری
ہوئی تھی۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ میرے جسم کے لمس سے
اُس کے جسم میں جیسے جان پڑ گئی تھی۔ وہ رو تو رہی تھی لیکن میں نے اُس کے چہرے پر
ایک اطمینان سا دیکھ کر محسوس کیا کہ اُسے روحانی سکون سا ملا ہے۔

ناجیہ اب بھی نہ جانے کسی خیال سے بہت ڈری سہمی ہوئی تھی۔ اُس کا ایک گال
میرے سینے پر رکھا ہوا تھا جیسے وہ میرے دل کی دھڑکنوں کی صدا سے سکون پا رہی ہو۔
اُس کے خوف میں رفتہ رفتہ کمی آ رہی تھی۔

میں کوئی پتھر کا بے جان مجسمہ نہ تھا۔ میں ایک بھرپور مرد تھا۔ میرے اندر وہی کشمکش شروع ہو گئی جس سے میں پہلے بھی اذیت ناک طور پر گزر چکا تھا۔ ناجیہ کے گداز گدرائے ہوئے بھرپور جسم کے لمس نے میرے اندر وہی آگ بھڑکا دی جسے میں نے دبائے رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔ میں نے اس آگ پر کس طرح قابو پایا، اسے کس طرح بجھایا؟ یہ میرا دل ہی جانتا تھا۔ اب یہ نوجوان اور خوف سے تھرتھر کانپتی ہوئی نازک اندام لڑکی پوری طرح میرے رحم وکرم پر تھی۔ میرے قبضے میں تھی۔ اس لڑکی نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ خود سپردگی کی اس حالت میں مجھے اپنا سب کچھ سونپ دے گی۔ شاید اس لئے بھی کہ اُس نے مجھ بھرپور مرد کو اپنا محافظ اور سب کچھ تسلیم کر لیا تھا۔

اس لمحے میں نہ صرف اپنے آپ کو بھول چکا تھا اور اس بات کو بھی فراموش کر چکا تھا کہ یہ بدمعاش جو مجھے شکاری کتوں کی طرح تلاش کرتے ہوئے اس جزیرے پر آئے تھے اب تک میری تلاش میں ہوں گے۔ اُنہیں شاید اس بات کا شک ہو گا کہ میں یہیں روپوش ہوں۔ اور وہ موٹر بوٹ جس پر میں آیا تھا اُسے بھی کہیں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ میں کاکا میاں کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا۔ اور مجھے اس بات کا بالکل بھی خیال نہیں رہا کہ اس جزیرے پر کاکا میاں کی حکمرانی ہے۔ میں وہ سب کچھ بھول گیا۔ کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے سے جسم میں اور جوڑ جوڑ میں جو درد ہو رہا تھا وہ بھی نہ رہا۔ بھوک پیاس بھی یکلخت ختم ہو گئی تھی۔ ناجیہ کا جسم، جسم نہ تھا ایک آگ کا دریا تھا۔ اس آگ نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اُس کے ہونٹ بڑے رسیلے تھے۔ میں ان کا سارا رس، ساری مٹھاس اپنے ہونٹوں میں جذب کر لینا چاہتا تھا۔ کشش کے خزانوں سے بھرا جو جسم تھا میں اُسے بھی لوٹ لینا چاہتا تھا۔

پھر میں نے اُس کے چہرے اور سراپا اور شباب وحسن کی واضح کرشمہ سازیوں پر ایک تنقیدی نظر ڈالی اور جسم کے گرد بازوؤں کا حلقہ تنگ کرنے لگا۔ میں نے اُس کے بشرے سے اندازہ کیا کہ اُسے ایک سکون سا محسوس ہو رہا ہے، جیسے میں اُسے تمام خطروں، خوف، دہشت اور درندوں کے پنجوں سے بچا رہا ہوں۔ جبکہ اس وقت میری حالت ایک وحشی سے کم نہیں تھی۔ میں اپنا دوسرا ہاتھ اُس کے ریشم جیسے بالوں میں اُلجھا کر سہلانے لگا۔ پھر میرا ہاتھ کسی زہریلے سانپ کی طرح رینگتا ہوا گالوں پر آیا اور گلے سے نیچے جانے لگا۔

میں اس طرح سے چونک اُٹھا جیسے یکلخت ہوش آ گیا ہو...... میری مردانگی کانپ اُٹھی۔ پھر میں حیوان سے انسان بن گیا۔ آدمیت کے جامے میں آ گیا۔ پھر نیکی نے بدی کا گلا گھونٹ دیا۔ یہ خیال تیر کی طرح میرے ذہن میں پیوست ہو گیا...... نہیں...... مجھے اس طرح بہکنا اور غلاظت کی دلدل میں گرنا نہیں چاہئے۔ یہ ایک پاک دامن لڑکی ہے۔ ایک عظیم، بلند وارفع لڑکی ہے۔ اللہ کے حضور جھکی رہتی ہے۔ اُس کی بارگاہ میں اس کے ہاتھ اُٹھے رہتے ہیں۔ اس کے دامن پر ہاتھ لگانے، دھبہ لگانے سے مجھے کیا حاصل ہو گا......؟

میں نے اُس کے جسم کے فراز کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ کو روک لیا جو موذی سانپ کی طرح رینگتا ہوا ڈسنے جا رہا تھا۔ میں نے اُسے فوراً ہی بازوؤں کے حصار سے نکال دیا۔ مجھے ہوش آ گیا اور میں بدی کے کالے سحر سے نکل چکا تھا۔

پھر میں نے اُسے اپنے جسم سے الگ کرتے ہوئے جذبات کی شدت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ناجیہ!...... آؤ چلیں...... یہاں کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کہیں بدمعاش نہ آ جائیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' ناجیہ نے میرے بازو کو تھامتے ہوئے کہا۔ ''جانے کیوں مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب میں تمہیں کبھی نہیں دیکھ سکوں گی...... میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اُنہوں نے تمہیں پکڑ لیا ہے۔''

''لیکن تم یہاں کس لئے آئی تھیں......؟'' میں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں سمندر میں ڈوبنے کے ارادے سے آئی تھی تاکہ خودکشی کر لوں۔ لیکن میں چٹان پر بیٹھ گئی۔'' اُس نے جواب دیا۔

''پھر تم نے خودکشی کیوں نہیں کی؟ کیا تمہیں موت سے خوف آ گیا تھا......؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''نہیں...... میں موت سے نہیں ڈرتی۔ آدمی کو موت سے ڈرنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ موت کا وقت معین ہے۔ یعنی وہ وقت سے نہ تو ایک سیکنڈ پہلے مر سکتا ہے اور نہ اس کے ایک سیکنڈ بعد...... میں سوچ رہی تھی کہ پانی میں چلتی جاؤں، چلتی ہی جاؤں۔ حتیٰ کہ سمندر مجھے اپنی آغوش میں لے کر تہ میں پہنچا دے...... مجھے پناہ دے دے۔ پھر خیال آیا کہ خودکشی تو حرام موت ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ گناہِ عظیم ہے اور ناقابل معافی بھی ہے۔ میں

نہیں چاہتی تھی کہ اپنے اس خالق عظیم کو ناراض کروں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اُسے پکاروں؟ اُس نے کہا ہوا ہے کہ جو مجھے مصیبت میں پکارے گا میں اُس کی پکار سنوں گا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں اُسے پکاروں۔ دُکھی دلوں کی سنتا ہے۔ پھر میں سمندر کی اُبھری ہوئی چٹان پر جا کر کھڑی ہوئی اور اُسے پکارنے لگی۔ میں کہنے لگی۔ ''اے میرے رب! تو عظیم و برتر ہے۔ تو نے جہان بنائے ہیں۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھے تیری ذات پر اعتماد ہے۔ اور زمین پر مجھے اس شخص پر اعتماد ہے جو اس مصیبت کی گھڑی میں میرے ساتھ ہے...... میں تیری ذات پر غیر متزلزل توکل رکھتی ہوں...... کیا تو نے زمین پر مجھ سے نظریں پھیر لی ہیں......؟ میرا کیا قصور ہے میرے اللہ! میں گناہ گار ہوں۔ تو معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔ تو میری اس مصیبت کو دُور کر دے۔ میرا ساتھی نجانے کہاں چلا گیا ہے؟ نجانے کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ زمین کے ساتھی کو زمین نے نگل لیا ہو؟ بتا میرے اللہ! میں کہاں جاؤں؟'' پھر مجھے ایسا لگا جیسے تم آسمان پر دکھائی دے رہے ہو۔ تمہارے ساتھ فرشتہ بھی ہے۔ پھر میں بہت دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی، پھر چٹان پر بیٹھ گئی۔''

ناجیہ ٹھہری ٹھہری آواز میں یوں بولتی جا رہی تھی جیسے رات کی تاریکی اور گہری خاموشی میں چھوٹے چھوٹے پتھروں پر ندی جلترنگ بجاتی ہوئی بہہ رہی ہو...... میں نے ایک انجانی سی لذت محسوس کی جیسے اس میں خمار بھرا ہو۔ ایک ایسا خمار جس سے میں کبھی آشنا نہیں ہوا تھا۔ میری زندگی میں آ کر راتوں کو نشاط انگیز لمحات بخشنے والی شہری حسین اور نوجوان لڑکیاں مجھے ایسے خمار، لذت اور کیف و سرور سے کبھی آشنا نہیں کر سکی تھیں۔ خمار صرف عورت کے شاداب بدن کی رعنائیوں اور خزانوں سے نہیں ملتا ہے۔ عورت صرف جسم سے رومانیت نہیں دے سکتی ہے۔

میں بڑے غور، دھیان اور محویت سے اُس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی ''میں نے اللہ کے حضور اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ میرے آنسوؤں نے اللہ کی عظیم و برتر ذات کو پکارا۔ رحمٰن و رحیم...... تو کرم کر...... مجھے یقین تھا کہ اب تم نہیں آؤ گے۔ کہیں اُن بدمعاشوں نے پکڑ کر مار ڈالا ہے یا کسی درندے نے تمہیں ختم کر دیا ہے۔ پھر بھی میں اپنے آپ کو دھوکا فریب دیتی رہی کہ تم زندہ ہو۔ واپس آ جاؤ گے...... مگر میری خود فریبی میرے دل کو سکون نہ دے سکی۔ میں پھر زور زور سے بلکہ زار و قطار رونے لگی اور

رحمٰن و رحیم کو بلند آواز سے اور گڑگڑاتے ہوئے پکارنے لگی۔ اس سے مجھے بہت سکون ملا۔ میرے دل کو قرار آ گیا تو میں خاموش ہو گئی...... تھوڑی ہی دیر بعد تمہاری مانوس آواز میرے کانوں میں پڑی۔ میں نے اسے خواب و خیال کی آواز سمجھا۔ تمہاری آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا، تمہارا سایہ مجھے بلا رہا تھا۔''

''اللہ میاں نے تمہاری دُعا سن لی...... دل سے پکاری ہوئی آواز کو وہ ضرور سنتا ہے۔''

ناجیہ نے میرا بازو پکڑ کر مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔ ''یہ بتاؤ...... تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟ کس لئے گئے تھے؟''

''میرے ساتھ آؤ...... میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کہاں چلا گیا تھا؟'' میں نے بچوں کی سی شوخی سے کہا۔

پھر میں اُس کا بازو تھام کر چل پڑا۔ اُس کی رفتار تیز نہ تھی۔ میری رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے ناجیہ کا بازو تھام رکھا تھا اور اُسے سہارا دے کر ایک طرح سے گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔ اب ناجیہ کے چہرے پر خوف کا نام و نشان نہ تھا۔ ناجیہ کو پانے کے بعد میرے دل میں خوف و اندیشے نہیں رہے تھے۔ اس وقت مجھے بالکل بھی خیال اور احساس نہیں رہا تھا کہ بدمعاش تھوڑی ہی دُور ہیں اور اگر اُنہیں راشن کی چوری کا علم ہو گیا تو وہ جزیرے کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ پکڑے جانے کی صورت میں مجھے مار ڈالیں گے یا پھر کاکا میاں کے سامنے لے جائیں گے۔ لیکن کاکا میاں کے پاس لے جانے کا امکان بہت کم تھا۔ وہ یہ جھنجھٹ پالنے کی بجائے ایک دو گولیوں سے میرا قصہ ہی ختم کر دیں گے۔ البتہ وہ ناجیہ کے ساتھ درندوں کی طرح پیش آئیں گے۔

پھر میں ناجیہ کو ساتھ لے کر تیزی سے لپکتا ہوا پناہ گاہ تک پہنچ گیا۔ میں نے ناجیہ کو باہر کھڑا کر دیا۔ میں خود پناہ گاہ میں اُتر گیا۔ جب باہر آیا تو میرے ہاتھ میں ٹین کا مہر بند ڈبہ تھا۔ میں نے ناجیہ کے پاس بیٹھ کر اپنی ٹوٹی ہوئی چھری سے اُسے کاٹا۔ اُس میں سیب کا مربہ بھرا ہوا تھا۔ میں نے چھری کی نوک میں ایک ٹکڑا نکال کر ناجیہ کی طرف بڑھایا۔

''لو کھاؤ......!''

ناجیہ نے تحیر زدہ نظروں سے اس طرح دیکھا جیسے وہ جاگتے میں کوئی سپنا دیکھ رہی ہو۔ میں نے چھری کی نوک سے مربے کا ٹکڑا نکال کر منہ میں ڈال دیا۔ چونکہ اُس کا بھوک سے بُرا حال ہو رہا تھا اس لئے اُس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

"یہ مربے کا ڈبہ کہاں سے آیا......؟" وہ ڈبہ دیکھتی ہوئی بولی۔ "اس میں تو ایک بڑا مربہ بھرا ہوا ہے۔"

پھر میں نے ناجیہ کو تفصیل سے بتایا کہ یہ کارنامہ کس طرح انجام دیا ہے۔ میں کن نازک مرحلوں سے گزر کر کس مشکل سے یہاں پہنچا؟

ناجیہ بھونچکی سی رہ گئی۔ اُس پر کچھ لمحوں تک سناٹا چھایا رہا۔ اُس نے مجھے اپنی نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔ "میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اس قدر دلیر اور نڈر ہو...... تمہاری جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔"

"میری خدا نے مدد کی تھی اسی لئے میں یہاں زندہ سلامت پہنچ گیا۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہارا یہ عظیم کارنامہ میں کبھی بھول نہیں سکوں گی۔" اُس نے مجھے پُرستائش نظروں سے دیکھا۔ "تم اس لائق ہو کہ تمہارے پیروں میں سر رکھ دیا جائے۔ لیکن اللہ کی طرف سے انسان کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

میرے اس کارنامے نے اُس کے دل میں میرے لئے جگہ بنا دی تھی۔ اُس کے میری عزت و احترام اور عظمت میں جیسے بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ وہ میری ذات سے بہت متاثر اور بہت مرعوب ہو گئی تھی۔ میرے لئے یہ امر بے حد خوشی کا باعث تھا۔

میں اُسے مربہ کے ٹکڑے ایک ایک کر کے کھلاتا رہا۔ ہم دونوں ہی کئی روز سے بھوکے تھے۔ پیٹ میں خوراک جانے سے جسموں میں زندگی، توانائی اور ایک نئی جان سی آ گئی تھی۔ میرا ہاتھ رُک نہیں رہا تھا۔ میں پیٹ بھر جانے کے باوجود اور کھانا چاہتا تھا۔ لیکن بدہضمی کا خیال آتے ہی میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ ناجیہ نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا پیٹ بھر گیا......؟"

"ہاں......" میں نے جواب دیا۔ "کھانے کا سامان بہت ہے۔ لیکن ہمیں تھوڑا تھوڑا کھانا چاہئے تاکہ جلدی نہ ختم ہو جائے۔ معلوم نہیں کتنے دن ہمیں یہاں رہنا پڑے؟ حالات پیش آئیں گے؟ اس کی پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔"

تھوڑی دیر بعد میرے سینے میں وہی جذبات بھڑک اُٹھے جو کچھ دیر پہلے اس بھڑکے تھے جب میں نے سمندر کے کنارے اُسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا تھا۔ اب میں ناجیہ کو پھر سے بازوؤں میں سمو لینا چاہتا تھا۔ میں اس کے لئے بے تاب ہو

میں نے سوچا کہ اب وہ کوئی مزاحمت اور تعرض نہیں کرے گی۔ پہلے تو میں اُس کے رس بھرے ہونٹوں کا رس اپنے ہونٹوں میں جذب کر لوں۔ ان میں کتنی مٹھاس ہوگی۔ پھر میں اس کے رُخساروں، کنپٹیوں، گردن اور گلے کے نیچے بوسوں کی بوچھاڑ کر دوں۔ پھر وہ بھی جذبات کی رو میں بہہ کر میری جھولی میں پکے آم کی طرح ٹپک پڑے گی۔ وہ اپنے آپ کو میرے حوالے بہت آسانی سے، خوشی سے اور وارفتگی سے کر دے گی۔ کیونکہ میں نے اُس کی خاطر بہت مصیبت اُٹھائی ہے، قربانی دی ہے۔ اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔

میں اُس کی طرف ہاتھ بڑھانے والا تھا کہ ناجیہ بولی۔ "رب العزت نے ہم دونوں پر جو احسان کیا ہے اس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ اُسی کا معجزہ ہے کہ تم بھی موت کے منہ سے نکل آئے اور میں بھی حرام موت سے بچ گئی۔ اُس کی نظر کرم ہم پر ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے۔ ہم اب اُس کے حفظ و امان میں ہیں۔ ہمیں فکر نہیں کرنی چاہئے...... نہ ہی پریشان ہونا چاہئے۔"

اُس کی یہ باتیں سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مجھے اس قدر غصہ آیا کہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ مذہب سے اُس لڑکی کی اندھی عقیدت کے جنون نے مجھے سیخ پا کر دیا۔ اب بھی یہ ہروقت مذہب کے خول میں بند رہتی تھی۔ مذہب سے اس قدر لگاؤ اور جذباتیت بھی نہیں ہونی چاہئے۔ میں تو ناجیہ کی زبان سے صرف یہ سننا چاہتا تھا کہ...... تم میری محبت ہو...... تم نہیں ہوتے تو میں جینے سے بیزار ہو جاتی...... تم مجھے اپنے بازوؤں میں لے لو...... ہم محبت کی وادی میں دُور، اتنی دُور نکل جائیں گے کہ واپسی نہ ہو سکے۔ آؤ...... ہم ایک دوسرے میں کھو جائیں...... ضم ہو جائیں......"

ناجیہ نے اللہ کا نام لے کر میرے جذبات پر جیسے برف کی سل رکھ دی تھی۔ اگر میں پیش قدمی کرتا تو پھر مزاحمت ہوتی اور اللہ کا نام لے کر مجھے اس کے عذاب سے ڈراتی۔ اس صورت میں تو میں اُس کا بوسہ بھی نہیں لے سکتا تھا۔

میں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔" یہ کہہ کر میں پناہ گاہ میں اُتر گیا۔

ناجیہ بھی میرے پیچھے پیچھے پناہ گاہ میں اُتر گئی۔ پھر وہ اپنی کھوہ میں سونے کے لئے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد شیطان آ کر مجھے ورغلانے لگا...... وہ گہری نیند سو رہی ہے۔ یہ بڑا سنہری موقع ہے۔ تمہارے فولادی بازوؤں کے حصار میں دُم بھی نہ مار سکے گی۔ اور پھر تم

اُس کے محسن بھی ہو۔ اُسے قابو کرنے میں کیا دیر لگے گی؟ وہ لاکھ عبادت گزار سہی، جوان لڑکی ہے۔ جوانی اور جذبات کی رو میں تنکے کی طرح بہہ جائے گی۔ چونکہ وہ عورت ذات ہے اس لئے پہل اور پیش قدمی نہیں کر رہی ہے۔ وہ خود بھی یہ چاہتی ہوگی کہ تم پہل کرو۔ وہ گوشت پوست کی ہے، پتھر کی نہیں ہے۔ اُس کے دل میں بھی اُمنگیں اور خواہشات ہوں گی، خوابیدہ سپنے ہوں گے۔ وہ تم پر مہربان ہو جائے گی۔ بادل بن کر چھا جائے گی۔ آخر ایک جوان مرد اور لڑکی تنہائی میں کیسے الگ الگ رہ سکتے ہیں؟ تم دونوں اتنے دنوں سے ساتھ ہو۔ اگر تم نے پہل اور پیش قدمی نہیں کی تو وہ تمہیں سراب سمجھیں گے۔ کیا یہ تمہاری مردانگی کی توہین نہیں ہوگی؟

چونکہ میں بے حد تھکا ہوا تھا اور میرا پیٹ بھی بھرا ہوا تھا اس لئے شیطان کی بجائے نیند غالب آ گئی......!

❑......❑

جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ ناجیہ مجھ پر جھکی ہوئی ہے۔ صبح ہو چکی تھی۔ اُس نے مجھے بیدار اس لئے کیا تھا کہ ناشتہ کر لیا جائے۔ ناجیہ تھیلے کو دیکھ کر بھونچکی رہ گئی تھی۔ میں نے تھیلے کو کھول کر دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ کھانے کی اتنی ڈھیر ساری چیزیں تھیں کہ مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ میں نے تھیلا بھرتے ہوئے یہ نہیں دیکھا تھا کہ ڈھیر میں سے کیا کیا چیز ہاتھ لگ رہی ہے؟ سراسیمگی اور عجلت اور کسی بدمعاش کے آنے کے خوف سے جو چیز ہاتھ لگتی گئی اُسے تھیلے میں ڈالتا گیا تھا۔ فروٹ کے ڈبے، مکھن، گوشت اور مٹروں کے ڈبے، دودھ کے ڈبوں کے علاوہ چاولوں سے بھری تھیلیاں بھی تھیں۔ ایک ڈبے میں فرائی فش اور جھینگے تھے۔ اس کے علاوہ مچھلی پکڑنے کا سامان بھی۔ چائے اور شکر کے کیوب کے چھوٹے کارٹن، اس کے علاوہ سگریٹ اور ماچس بھی تھے...... اب ہم مچھلیاں پکڑ سکتے تھے اور اُنہیں پکا بھی سکتے تھے۔

گوشت اور مٹر کا ڈبہ کھول کر ہم دونوں نے پیٹ بھر کر ناشتہ کیا۔ میں ندی سے پیالوں میں پانی بھر کے لے آیا۔ جوس کے ڈبے ہم نے کسی مشکل وقت کے لئے سنبھال رکھے تھے۔ پھر ہم دونوں سوچنے لگے کہ کیا کریں؟ ہمارے درمیان شیطان نہیں رہا تھا۔ میرا ذہن پراگندہ خیالات سے صاف ہو چکا تھا۔

میں نے ناجیہ کے سوال پر اُس سے کہا۔ ''اب ہمیں کئی دنوں تک پناہ گاہ سے باہر نہیں

چاہئے۔''

''وہ کس لئے......؟'' ناجیہ کے چہرے پر استعجاب چھا گیا۔

''اس لئے کہ اُنہیں چوری کا علم ہو گیا ہوگا اور اب وہ بڑی سرگرمی سے چور کا سراغ لگا رہے ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے گودام سے مال چرایا ہے۔ وہاں سینکڑوں ڈبے رکھے ہوئے تھے؟'' وہ بولی۔

''پھر بھی دیکھو نا...... میں کیا کچھ اور کتنا سارا سامان اُٹھا لایا ہوں۔ مجھے اس کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں......'' ناجیہ نے ان کی گنتی کی اور پھر بولی۔ ''یہ تقریباً پچپن اشیاء ہیں۔ ان کی کمی یقیناً محسوس ہوگی۔''

میری بات اُس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ہم جب سے جزیرے میں آئے تھے، ہمیں پہلی بار اچھی اور عمدہ خوراک ملی تھی جس سے اب نارمل حالت میں آ گئے تھے۔ دماغ بھی ٹھیک کام کر رہے تھے۔ اور پھر ہمارے جسموں میں ایک نئی جان اور ایک نئی قوت پیدا ہو گئی تھی جو اس جزیرے اور قید نے مفلوج کر ڈالی تھی۔

اس کے علاوہ ناجیہ میں ایک نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ ہنسنے بولنے لگی تھی۔ وہ اب بات کرتی تو جیسے پھول جھڑتے تھے اور اُس کے رس بھرے ہونٹوں پر تبسم کی کلیاں کھل اُٹھتی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں وہ چمک بھی لوٹ آئی تھی جو حسن کا لازمی حصہ ہوتا ہے۔ اُس کے چہرے پر رونق اور دمک دو وقت کے کھانے اور خوشی نے پیدا کر دی تھی۔

ادھر میں اپنے آپ میں مردانگی اور مسرت کا ایک عجیب سا سرور اور احساس محسوس کرنے لگا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا جس کا مجھے خوف اور اندیشہ لاحق تھا۔ اب میرے لئے ناجیہ کا تقدس کچھ نہ رہا...... وہ میرے لئے صرف ایک بھرپور اور پُرکشش لڑکی تھی۔

اس سے پہلے جب ناجیہ کا سراپا میرے جذبات کو اُبھارتا، میں اپنے آپ پر قابو پانے کے لئے باہر نکل جاتا تھا۔ اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ یہی ایک ایسی صورت تھی جس سے اپنے آپ کو غلاظت کے دلدل میں گرنے سے روک سکتا تھا۔ اب تو میں یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ باہر خطرہ تھا اور بدمعاش مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ اب تو مجھے ناجیہ کے ساتھ قید رہنا تھا۔ میرے لئے ایک آزمائش تھی جس پر پورا اترنا ناممکن سا

دکھائی دیتا تھا۔ میں اسی لئے پناہ گاہ اور ناجیہ کے سامنے سے باہر آ جاتا۔ اس طرح کھلی
فضا میں میرے جذبات سرد پڑنے لگتے، میں اعتدال پر آ جاتا۔

دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے...... یہ دن میرے لئے بڑے ہی اذیت ناک
تھے۔ میں جزیرے کے مصائب سے اتنا نہیں گھبرایا جتنا اپنے جذبات کے پیدا کردہ
مصائب سے گھبرانے لگا تھا۔ ہر روز ہم دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے، باتیں کرتے اور
لیٹ جاتے...... ذرا سی دیر کے لئے سو جاتے۔ پھر اُٹھتے۔ میری پوری یہ کوشش ہوتی تھی
کہ میں ناجیہ کو اُس کے سراپا اور جسم کے نشیب و فراز اور انگ انگ کو نہ دیکھوں جس سے
مستی اُبل پڑتی تھی۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ اُس میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں جو مجھے خاکستر کر
ڈالتی تھیں۔ وہ میرے اس قدر قریب تھی کہ اُس کی سانسوں کی تپش محسوس ہوتی تھی اور
اُس کے دل کے دھڑکنے کی صدا سنائی دیتی تھی۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ یہ لڑکی ہر
بات کو مذہب کا رنگ دیتی تھی۔ اُس نے مذہب کی عینک لگائی ہوئی تھی۔ وہ مذہب پرست
تھی۔ اُس کی باتوں سے جہاں یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میرے بغیر ایک لحہ بھی چین سے نہیں
گزار سکتی، وہاں اس قسم کا اظہار بھی کرتی تھی کہ اللہ نے اُسے میری نجات کے لئے بھیجا
ہے جس کے ذمے اللہ نے یہ کام دیا ہے کہ وہ کھانے کا سامان مہیا کرے اور اس کی
حفاظت کرے۔ اُس کے عقیدے کے مطابق جسم اور جسم کی ضروریات کوئی اہمیت نہیں
رکھتی تھیں۔ جسم کو وہ رُوح کی پناہ گاہ سمجھتی تھی۔ اُسے اس بات کا بالکل بھی احساس نہیں تھا
کہ وہ جوان عورت ہے اور میں بھی ایک جوان مرد ہوں۔

اُس کے کہنے اور ان باتوں سے کیا ہوتا ہے؟ اس کے برعکس میری ساری توجہ اُس
کے انتہائی پُرکشش جسم پر تھی۔ یہ خواہش مجھے بے قرار کئے رکھتی تھی کہ ناجیہ میرے ساتھ
بے تکلفی سے پیش آئے اور شہر کی ماڈرن لڑکیوں کی طرح بن جائے۔ یہ پناہ گاہ ایک جہنم
کی طرح تھی۔ ہم دونوں اس میں مقید تھے۔ اس جہنم کی اذیت سے نجات حاصل کرنے
کے لئے میں ناجیہ سے ہنسنا بولنا اور دل بہلانا چاہتا تھا مگر وہ تو مذہب کے خول میں بند
تھی۔ اُس کا یہ جنون دیکھ کر مجھ پر تقدس کا جذبہ طاری ہو جاتا تھا۔ لیکن میرے لئے
تکلیف کا باعث بن جاتا تھا۔ جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے میرے دل میں اُس کا
تقدس بے اثر ہوتا جا رہا تھا۔ مگر اُس کے متعلق میرے دل پر ایک انجانا سا خوف مسلط تھا۔
میں جب کبھی اُسے قریب سے اور نیند کی حالت میں غور سے دیکھتا تھا تو وہ مجھے بے حد

پراسراری مخلوق نظر آتی تھی جو گوشت پوست کا اتنا حسین مجسمہ ہونے کے باوجود جوانی اور
امنگوں کے جذبات سے عاری تھی۔

میں اُس کے ساتھ مسلسل سات دن اور سات راتیں زمین کے اندر اس گڑھے میں
بند رہا تو میں نے اپنے اس خوف پر قابو پانا شروع کر دیا۔ اُس کے تقدس کو بھی نظر انداز
کرنے لگا اور اپنے آپ کو اس حقیقت پر قائل کرنے لگا کہ ناجیہ ایک خوبصورت اور جوان
لڑکی ہے۔ اس میں عجیب بات صرف یہ ہے کہ شرم و حجاب میں ڈوبی ہوئی ہے اور مذہب
کے خول میں بند ہے۔

ان سات دنوں کی قید میں، میں اپنے اندر مسلسل جنگ لڑتا رہا۔

میری مصروفیت یہ رہی تھی کہ پناہ گاہ کی ٹین کی چھت میں سے سر نکال کر باہر کا جائزہ
لیتا، باہر نکلنے کی ہمت نہ کرتا کیونکہ اس بات کا خوف دامن گیر تھا کہ وہ بدمعاش میری
تلاش میں ہوں گے۔ اس سے زیادہ احتیاط اور کیا ہو سکتی تھی کہ جو ٹین کے ڈبے خالی
ہوئے تھے وہ پناہ گاہ کے ایک کونے میں دفن کر دیئے گئے تھے اور دن میں کھانستے بھی نہیں
تھے۔ باتیں بھی سرگوشی میں ہوتی تھیں۔

البتہ رات کے وقت میں پناہ گاہ سے باہر آتا۔ چند قدم دُور جا کر رُک جاتا اور اپنے
کان کھڑے کر لیتا۔ اب تک دن کے وقت ایک بدمعاش بھی قریب یا دُور دکھائی نہیں دیا
تھا اور نہ ہی رات کے وقت کوئی بدمعاش ادھر آیا تھا۔ نہ ہی میں نے یہ خطرہ مول لینے کی
جرأت کی کہ ان بدمعاشوں کے کیمپ کے پاس جا کر اُن کی نقل و حرکت دیکھ آؤں۔ اس
بات کا خوف، ڈر اور اندیشہ تھا کہ راستے میں دھر نہ لیا جاؤں۔ سات دن گزر جانے کے
بعد مجھے یقین ہو گیا کہ بدمعاشوں کو چوری کا شک نہیں ہوا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے
پاس راشن کی کوئی کمی نہ تھی۔ اُن کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ کئی مہینوں کے لئے کافی تھا۔ لانچ
بھی مزید راشن لے کر آ سکتی تھی۔

❑......❑

دوپہر کا وقت تھا۔ کھانا کھانے کے بعد میں اپنی جگہ لیٹ گیا اور ناجیہ اپنی جگہ لیٹ
گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ناجیہ کو پراسرار انداز سے اپنی کھوہ سے آ کر پناہ گاہ سے باہر
جاتے ہوئے دیکھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ اکیلی اس وقت کہاں جا رہی ہے؟ جبکہ دن میں
خطرہ لاحق ہے۔ میں نے چند لمحوں کے بعد اُٹھ کر ٹین کی چھت کے سوراخ میں سے

دیکھا، وہ تیزی سے ندی کی سمت جا رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ نہانے کے لئے جا رہی ہے۔ یہ خیال آتے ہی میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ مجھے غصہ بھی آیا کہ اسے اس وقت جا کر نہانے کی کیا ضرورت ہے؟ بدمعاش آ گئے تو اسے اُٹھا کر لے جائیں گے۔ پھر کچھ دیر بعد میں ندی کی طرف اُس کی حفاظت اور اُسے نہاتا ہوا دیکھنے کے خیال سے چل پڑا۔ ندی کے پاس جھاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا۔ میں اُس کی اوٹ میں ایسی جگہ کھڑا ہو گیا کہ اُس کی نظر مجھ پر نہ پڑ سکے اور میں اُسے نہاتا ہوا دیکھ سکوں۔ اُس کے کپڑے کنارے پر پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ وہ ندی میں مچھلی کی طرح تیر رہی تھی۔ جب وہ کنارے کھڑی ہوئی تھی اور اُس کی پشت میری طرف تھی میں اُس کی جانب دبے پاؤں بڑھا اور اُسے دبوچ لیا۔ اُس نے مزاحمت کی تو ہم دونوں ندی میں جا گرے۔

اس وقت ناجیہ مذہب پرست تھی نہ وہ مذہب کے خول میں بند تھی۔ ہم دونوں جوانی کے جنگل میں نکل گئے...... نہ سامنے کوئی رُکاوٹ تھی نہ کوئی زنجیر۔ وقت تو دل کا بھرم ہے کہیں دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ جوانی کا خواب اور ارمان حقیقت بن گئے تھے...... ہم دونوں اپنے آپ کو اور اپنی عمروں کو بھول گئے تھے۔ ناجیہ کے برتاؤ میں نہ کوئی جھجک تھی نہ ہی کوئی خوف تھا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی مرد سے واقف تھی۔ اُسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وقت کے چکر سے گزر کر ہم دونوں انسانیت کے ابتدائی دور میں پہنچ گئے جب اخلاق نے تہذیب کو چھوا نہیں تھا۔

”ناجیہ!“ میں نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ ”تم نے یہ خول کیوں چڑھا رکھا تھا؟“

”اس لئے کہ میں عورت ہوں۔ عورت کبھی پہل نہیں کرتی ہے۔ کاش! تم نے یہ سوچا ہوتا۔“

”میں کیسے پہل کرتا...... تم نے مذہب کی ایسی دیوار کھڑی کر دی تھی کہ اسے گرانے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔“ میں نے کہا۔

ناجیہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ”اس ندی کنارے کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس نرم نرم زمین پر لیٹ جاؤں۔ ہوا میں کتنا رومان ہے۔“

میں نے کہا۔ ”یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ صرف آسمان ہے۔ ندی ہے۔ کس قدر سندر دن ہے۔“

”مجھے یہ سب کچھ سپنے کی طرح لگ رہا ہے۔ کل کا سویرا بڑا عجیب معلوم ہوگا۔ جب

میں نے اس جزیرے پر قدم رکھا اور تمہیں دیکھا تب میں تمہیں پہچانتا نہیں تھا، تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔ ساری زندگی نہ دیکھتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن آج تمہیں پانے کے بعد چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”بہت دیر ہوگئی، میں یہ بات زبان پر کبھی نہیں لاتی۔ زبان پر لائی بھی نہیں جا سکتی۔ مجھے اُس دن کی یاد آ رہی ہے جب تم نے اس جزیرے پر قدم رکھا تھا۔ اس وقت نہ میں خود کو جانتی تھی اور نہ مرد کو سمجھنے کی عقل تھی۔ تم میری معصومیت کے ساتھی بنے رہے۔ تم نے بھی مجھے جاننے کی کوشش نہیں کی...... تم مجھے کسی یونانی دیوتا کی طرح لگ رہے ہو۔ کیا تم میری اس بات کا یقین کرو گے......؟“

”کیوں نہیں کروں گا۔ میں تمہیں یہ نہ بتا سکا کہ تم میری کون ہو۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ تم سے میرا کیا رشتہ ہے؟ میں بھائی ہوں، نہ دوست نہ شوہر...... پھر بھی غور سے دیکھا جائے تو ان سب کو ملا کر میرا تم سے ایک گہرا اور پاکیزہ رشتہ بن گیا ہے۔“ میں نے بے حد جذباتی لہجے میں کہا۔

ناجیہ چہرہ اُٹھا کر کانپتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”کہو کہو...... رُکو مت...... ندی کنارے جو کچھ کہنا ہے کہہ دو...... ساتھ رہتے ہوئے میں تمہارے بارے میں کچھ سوچ نہ سکی۔ اس وقت تمہیں سامنے پا کر تمہارے سوا کسی کا ہوش نہیں...... میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں...... پھر بھی میرے دل کا پنچھی آج آزاد ہونا چاہتا ہے۔“

ہم دونوں دُھول بھرے راستے سے آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ دوپہر کے اس سناٹے میں انجانا گاؤں آ گیا۔ ہم گاؤں سے گزرے۔ یہاں بدمعاشوں کا ڈر تھا اور نہ لوٹنے کی فکر...... ہم دونوں آزادی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ لبادے کے ہیرے جواہر ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ نہ اب وہ مذہب پرست تھی اور نہ ہی خول میں بند تھی۔ اُس کی پاک دامنی سب کچھ داغدار ہو چکے تھے۔

یکلخت میں اُچھل پڑا...... میں بیدار ہو گیا۔ میرے پیر کو مکوڑے نے کاٹ لیا تھا جو نجانے کہاں سے اور کیسے پناہ گاہ میں آ گیا تھا؟ آنکھیں بند کرتے ہی مجھے نیند آ گئی تھی۔ میں نے جو کچھ دیکھا وہ ایک خواب تھا۔ جو خیال جاگتے میں میرے ذہن میں منڈلا رہا تھا، وہ خواب میں حقیقت بن کر سامنے آ گیا تھا۔ میرے سارے بدن میں خون اب بھی رقص کر رہا تھا۔ میری نس نس میں ایک لطف چھایا ہوا تھا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔

ناجیہ گہری نیند سو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک میں آنکھیں بند کئے لیٹا رہا، شاید پھر سے وہ خواب نظر آ جائے۔ لیکن وہ خواب نظر نہ آیا۔

❑ ...... ❑

آٹھویں دن کی صبح میں نے سوچا کہ اب مجھے بہت سے کام کر لینے چاہئیں۔ کب تک بزدلوں کی طرح چھپا رہوں؟ میں پناہ گاہ سے نکل کر چھپتا چھپاتا کیمپ کی طرف چل پڑا۔ میں بہت ہی چوکنا اور محتاط تھا۔ پھر میں اُس جگہ پہنچ گیا جہاں سے کیمپ نظر آتا تھا۔ بندرگاہ میں مجھے ایک مسافر لانچ کھڑی دکھائی دی تو ایسا لگا جیسے اسے سپنے میں دیکھ رہا ہوں۔ بدمعاش سامان سمیٹ کر لانچ پر لاد رہے تھے...... وہ جا رہے تھے۔ کیمپ اُکھڑ چکا تھا۔ میں یہ سب کچھ حیرت اور مسرت سے دیکھتا رہا۔ میں اُس وقت تک کھڑا دیکھتا رہا جب تک آخری بدمعاش لانچ پر سوار نہیں ہو گیا۔ یہ کس لئے اپنا بوریا بستر لپیٹ کر جا رہے ہیں؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ سکا۔ اُن کا چلے جانا تعجب خیز اور نا قابل یقین تھا تو دوسری طرف مسرت کا باعث بھی...... میرے دل کی دھڑکنیں مسرت سے بے قابو ہوئی جا رہی تھیں۔ لانچ نے روانگی کی وسل دی اور پھر اُس نے حرکت میں کی۔ وہ ایک بچے کی طرح آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ میں لانچ کو دیکھتا رہا جو آہستہ آہستہ ساحل سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ آخر وہ جنگل کی اوٹ میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی..... پھر میں لپک کر ایک اُونچی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ لانچ بہت دُور چلی گئی تھی، ایک دھبے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اب وہ واپس نہیں آ سکتی تھی اور نہ ہی کوئی خطرہ رہا تھا۔ یہ جزیرہ بدمعاشوں سے پاک صاف ہو گیا تھا۔

پھر میں پاگلوں کی طرح پیچھے کو دوڑا۔ پناہ گاہ کے قریب جا کر میں ہذیانی لہجے میں چلانے لگا۔

”ناجیہ!...... ناجیہ!...... باہر آ جاؤ! وہ سارے بدمعاش چلے گئے ہیں۔“

ناجیہ نے میری مسرت سے بھرپور آواز سنی تو ننگے سر پناہ گاہ سے نکل آئی۔ میں نے صرف اُسے ایک بار ندی میں ننگے سر دیکھا تھا جب اُس کے بال خشک تھے، دوسری مرتبہ چٹان کے پاس...... وہاں ایسا گھپ اندھیرا تھا کہ نہ تو اُس کے بال نظر آ رہے تھے اور نہ ہی ان کا خیال آیا۔ وہ اپنے بالوں کو سفید اسکارف سے ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ میں چونکہ باہر چلا گیا تھا اس لئے اُس نے اسکارف اُتار کر رکھ دیا تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ ننگے سر

نکل آئی تھی۔ میں اُس کے بال دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ ایسے بال دنیا کی کسی عورت کے نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ لپکتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ بدمعاشوں کے دفع ہو جانے کی خبر سن کر وہ بھی خوشی اور حیرت سے پاگل سی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ جس اشتیاق اور ایک بچھڑی ہوئی بیوی کی طرح تیزی سے لپکتی ہوئی بے تابی سے میری طرف آ رہی تھی اس سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے لپٹ جائے گی اور میں اُس کے ہونٹوں میں اپنے ہونٹ پیوست کر دوں گا تو وہ تعرض نہیں کرے گی۔ خوشی سے اُس کی جو جذباتی کیفیت ہو رہی تھی اس میں وارفتگی اور خود سپردگی تھی۔ اس کے بے حد سیاہ بال اُس کے مخملیں شانوں پر بکھرے دیکھ کر مجھ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا۔ مجھے اس لمحے ایسے لگا جیسے یہ کوئی حسین بدرُوح ہو۔

میں نے اُسے دُور رکھنے اور اس خیال سے کہ لپٹ نہ جائے اُس سے مرتعش لہجے میں کہا۔ ”چلو...... کیمپ اور مکان میں چل کر دیکھیں... شاید وہ کام کی کوئی چیز چھوڑ گئے ہوں۔“

”ہاں چلو...... اُس کے لہجے میں سرشاری تھی اور اُس کی آنکھوں میں برقی قمقموں جیسی چمک تھی۔

میں اُسے ساتھ لے کر کیمپ کی جگہ کی طرف چل پڑا۔ میں کیمپ اور اُس سے ملحقہ مکان میں اُسے لے کر جانا چاہتا تھا۔ وہاں اب کیمپ نہیں رہا تھا۔ صرف مکان تھا۔ اُسے اس قدر جلدی لے کر چل پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ میں ناجیہ کے پراسرار طلسم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

❑ ...... ❑

سب سے پہلے ہم کیمپ کی جگہ پہنچے۔ وہاں کوئی چیز ایسی نہیں ملی جو کسی کام آ سکے۔ پھر ہم مکان کی طرف بڑھ گئے۔ میں نے اسی مکان سے راشن چوری کیا تھا۔ اُس میں جو تین کمرے تھے ایک ایک کر کے دیکھ لئے۔ بدمعاشوں نے ٹین کا ایک ڈبہ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہاں بھی خالی ڈبوں اور ردّی کے سوا کچھ نہ تھا۔

”بدمعاش تو یہاں جھاڑو پھیر کر چلے گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔“ ناجیہ نے کہا۔

”چلو...... یہ تو بہت اچھا ہوا۔“ میں نے فرطِ مسرت سے کہا۔ ”ان حرام زادوں کی وجہ

سے ہم جہنم میں قید ہو گئے تھے۔''

''آخر صابر و شاکر رہنے کا صلہ مل گیا۔'' ناجیہ بولی۔ ''ہم لوگوں نے واقعی بہت تکلیف اُٹھائی۔''

''اب ہم اُس زمین دوز پناہ گاہ کی بجائے اس مکان میں رہیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں......'' ناجیہ بولی۔ ''آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ کھلی فضا میں سانس لینا نصیب ہوا۔''

میری نگاہ آسمان کی طرف اُٹھ گئی۔ ساون کے بادل منڈلا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ اب ساون کی بارشیں شروع ہونے ہی والی ہیں۔ بدمعاش بہت اچھے وقت چلے گئے۔ اُن کے جانے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔ ان بارشوں میں جزیرے پر رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اُن کی موجودگی سے ہمارا حشر نشر ہو جاتا۔ زمین دوز پناہ گاہ بارش کے پانی سے بھر جاتی اور تالاب بن جاتی۔ ایسی صورت میں ہمارا رہنا دوبھر ہو جاتا۔

میں نے ناجیہ کو مکان میں چھوڑا اور پناہ گاہ میں چلا گیا۔ تمام چیزیں تھیلے میں ڈال کر مکان میں لے آیا۔ میں نے دیکھا مغرب کے اُفق سے سیاہ گھٹا آندھی بن کر چلی آ رہی ہے۔ ہوا ساکن ہو گئی تھی۔ جنگل کے جانور اور پرندے بھی خاموش تھے۔ یہ آندھی اور موسلا دھار بارش کے آثار تھے۔ ایک طوفان کا پیش خیمہ تھے۔

پہلے تو ایک زبردست آندھی آئی اور گھپ اندھیرا چھا گیا۔ پھر بارش ہونے میں تھوڑی دیر بھی نہ لگی اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ایسا لگا کہ مکان کی ٹین کی چھت پر سے ریل گاڑی گزر رہی ہو...... بارش میں ہی سورج کے غروب ہونے کے وقت تک بیٹھے رہے۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ پھر ہم دونوں سو گئے۔

رات میری آنکھ کئی بار کھلی۔ میں نے کئی بار ناجیہ کو دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ بار بار بادلوں کی دھمک کے ساتھ بجلی بھی چمک رہی تھی۔ بجلی کی چمک جب کمرے میں کھڑکی سے آتی تو اُس کی روشنی میں ناجیہ کا سراپا جیسے اُس چمک کو جذب کر رہا تھا۔ اس لئے اس میں بجلیاں سی بھر گئی تھیں۔ رات کا حسن ہی نہیں اُس کا حسن بھی نکھرتا جا رہا تھا۔ یہ رات خوابیدہ سپنے جگانے والی رات تھی۔ پھر اس وقت جیسے شیطان مجھ پر آ گیا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے باہر آ گیا۔ پھر ایک بار سویا تو گہری نیند سو گیا۔

صبح ہوئی تو ناجیہ نے مجھے جگایا۔ ہم دونوں نے باہر کا منظر دیکھا۔ جنگل سمندر بن گیا

تھا...... پانی مکان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بارش تھی کہ رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ زمین کا یہ خطہ ساون میں پانی ہی میں ڈوبا رہتا ہے۔ کاکا میاں شاید اس بات سے واقف تھا۔ وہ موسم کا حال بھی محکمہ موسمیات سے معلوم کرتا رہا تھا۔ اُس نے لانچ بھیج کر اپنے آدمیوں کو اسی لئے بلا لیا تھا۔

یہ دن بھی بارش کی نذر ہو گیا۔ ہمارے پاس کھانے کی اشیاء وافر مقدار میں موجود تھیں لیکن ہم کفایت شعاری سے کھاتے رہے اور مینہ برسنے کا نظارہ کرتے رہے۔ ساری رات بھی بارش ہوتی رہی۔ صبح طلوع ہوئی تو بارش نے جنگل کو ہماری نظروں سے اوجھل کر رکھا تھا...... مینہ تھا کہ برستا ہی رہا اور تھم نہیں رہا تھا۔ ذرا سا کم ہوتا اور پھر موسلا دھار برسنے لگتا۔ مسلسل کئی دن اور راتیں گھٹائیں برستی رہیں۔ اب ہم دونوں نے گنتی ہی چھوڑ دی کہ بارش کتنے دنوں سے برس رہی ہے۔

ہم دونوں ہر وقت اندر ہی مقید رہتے۔ فضا میں نمی پیدا ہو گئی۔ دیواروں پر بھی نمی ظاہر ہونے لگی اور اس نمی کا اثر ہمارے مزاجوں پر بھی ظاہر ہونے لگا۔ ہماری بھوک کم ہو گئی۔ کیونکہ کھا کر کوئی جسمانی مشقت نہیں کر سکتے تھے۔

ناجیہ تو عبادت میں مصروف ہو جاتی تھی اور اللہ سے لو لگا کر اپنے آپ کو بہلا لیتی تھی۔ مگر میں جھنجلانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اب مجھے اُس پر غصہ آنے لگا تھا کیونکہ وہ پہلے میرے ساتھ کچھ بول لیتی تھی اور اب تو اُس پر بالکل ہی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اس مکان کے اندر مایوسیوں کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ہم دونوں کو جو ذرا سی اُمید یہاں سے نکل جانے کی تھی وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی مسافر بحری جہاز ادھر آ نکلے اور ہم دونوں کو یہاں سے نکال کر لے جائے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ آنے والا دن کیسا ہو گا؟ جب یہ راشن کے مہر بند ڈبے ختم ہو جائیں گے تو کیا کریں گے؟ یہ خطرہ تو ہر لحہ جزیرے پر موجود رہتا تھا کہ کسی روز اچانک کاکا میاں کے آدمی آئیں گے۔ پھر ہم پکڑے جائیں گے۔ مسلسل بارش اور کمروں میں بھری ہوئی نمی ہمارے مزاج میں جھنجلاہٹ اور یاسیت پیدا کرتی چلی جا رہی تھی۔

ہمیں توقع نہیں تھی کہ ہماری مقید زندگی میں کوئی انقلاب آئے گا۔ مگر ایک انقلاب آ ہی گیا۔ جسے میرے جذبات نے جنم دیا تھا......!!

○□○

اس کی وجہ بنیاد یہ تھی کہ مجھے ناجیہ سے چڑ سی ہو گئی تھی۔ میرے لئے وہ کرب اور اذیت سی بن گئی تھی۔ وجہ صاف اور قابل فہم بھی تھی۔ جس سے میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو وہ بھی انکار نہیں کر پاتا۔ ہر بات کی ایک حد اور انتہا ہوتی ہے۔ لیکن ناجیہ حد اور انتہا سے بھی آگے نکل گئی تھی۔ میں اُس سے بے تکلفی کی توقع رکھتا تھا۔ یہ ایک فطری امر بھی تھ لیکن یہ لڑکی تھی کہ مذہب کے خول میں مقید ہو کر مجھ سے کوسوں دُور ہو گئی تھی۔ اُس ک مذہب میں ڈوبے رہنا میرے لئے تکلیف دہ تھا۔ ہمارے مزاجوں میں بھی اور احساسات میں بھی زمین آسمان جتنا فرق تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری جھنجلاہٹ غصے میں بدل گئ اور ایک روز میں نے پہلی بار ناجیہ کو بری طرح ڈانٹ پلا دی تھی۔

اُس روز میں دیوار کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ ناجیہ بھی خاموش بیٹھے بیٹھے اُکتا گئ تھی۔ وہ بجائے مجھ سے بات کرتی تا کہ اُس کی اور میری بوریت دُور ہو جائے اُس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں اُسے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا۔ میرے لئے اُس کی یہ حرکت ناقابل برداشت ہونے لگی۔ میرے اندر نفرت و غصے کا بارود بھرتا رہا۔ پھر یہ بارود اچانک دھماکے سے اس طرح پھٹا جیسے آتش فشاں یکلخت پھٹتا ہے۔

میں نے غصے سے بھری ہوئی آواز میں چیختے ہوئے کہا۔ ”ناجیہ! کیا تم آرام سے نہیں بیٹھ سکتی ہو؟“

ناجیہ ساکت و جامد سی ہو کر رُک گئی اور حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔ اُسے جیسے یقین نہیں آیا کہ میں نے اُسے ڈانٹا ہے۔ اُس کی صورت پر معصومیت اور حیرت دیکھتے ہی میرا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ پچھتاوے اور افسوس کی لہر میرے وجود میں اُٹھی اور اس نے مجھے لہرا کر رکھ دیا۔ میں بھی جیسے سن سا ہو گیا۔

نہیں...... میں نے اپنے آپ سے کہا۔ یہ ظلم ہے۔ اتنی معصوم سی لڑکی کے ساتھ مجھے اس طرح پیش نہیں آنا چاہئے۔ پھر میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ ناجیہ مجھے دیکھ رہی

اُس کی نظروں کی تاب نہ لا کر میں اُٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکنے [illegible] مری دنیا پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مینہ برس رہا تھا۔ ناجیہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئی اور میری طرف خاموش نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں اُداسی [illegible] ہوئی تھی۔

[illegible] لمحے میں نے اپنے آپ کو سنبھال تو لیا تھا مگر میرے اندر جو غصہ سنسنا رہا تھا وہ [illegible] تیز ہو جاتا اور کبھی مدھم پڑ جاتا۔ اسی طرح جس طرح مینہ باہر کبھی تیز کبھی ہلکا ہو [illegible] میں نے بمشکل غصے پر قابو پایا۔

ایک شام ناجیہ نے چولہے پر جو ہانڈی چڑھائی ہوئی تھی اُس میں چاول پک رہے [illegible] ہر شام چاول پکتے تھے جو ہم ڈبے کے گوشت کے ساتھ کھاتے تھے۔ یہ کوئی نئی [illegible] نہ تھی۔ آٹا تھا نہیں جو روٹی پکائی جا سکے۔ چاول تو بنگالیوں کی کمزوری اور من بھاتا [illegible] وہ غریب چاول کے سوا پکاتی بھی کیا؟ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے کہا۔

”آج تم پھر چاول پکا رہی ہو......؟ کیا تم کچھ اور نہیں پکا سکتی ہو؟“

ناجیہ نے چونک کر حیرت سے میری طرف دیکھا۔ وہاں کچھ اور پکانے کے لئے تھا ہی [illegible] وہ اتنی پریشان ہوئی اور بدکی کہ اُس کے لبادے کے اُوپر کا تسمہ جو شاید ڈھیلا تھا کھل [illegible] بردہ فروش اُسے یہ لباس بھی دے گئے تھے۔ اُس کے پاس ایک ساڑھی اور بلاؤز [illegible] چونکہ صابن نہیں تھا اور وہ بہت میلا کچیلا ہو گیا تھا اس لئے اُس نے یہ راہب جیسا [illegible] پہن لیا تھا۔ لبادہ نیچے کو جو سرکا تو اُس کی گردن اور گول گول مخملیں شانے بے نقاب [illegible] گئے۔ ان پر اُس کے سیاہ اور ریشمی سے کچھ بال پڑے ہوئے تھے، جس نے اُس کے [illegible] وشباب کو آتش فشاں سا بنا دیا۔

میرے اندر ایک دم سے وہی آگ بھڑک اُٹھی جو بھیڑیئے میں شکار کو دیکھ کر بھڑک [illegible] ہے۔ میری رال ٹپک پڑی۔ اس طرح ایک بھیڑیا گوشت دیکھ کر ٹپکاتا ہے۔ اس [illegible] بھرپور لڑکی جس کے انگ انگ سے مستی اُبلی پڑ رہی ہو وہ اس قدر بے حس اور بے [illegible]...... بجلی کی ایک ایسی تار جس میں کرنٹ نہیں ہو۔ میری رگوں میں خون کی گردش [illegible] اور حلق میں گرہیں پڑنے لگیں۔ دماغ چکرایا تو آنکھوں کے سامنے دُھند سی چھا [illegible] جب دُھند چھٹی تو میرے دل میں اُس کے لئے جو تقدس تھا اب اُس کی رمق بھی [illegible] رہی تھی۔ میرے دماغ میں جو خیال آیا اور چھا گیا وہ یہ تھا کہ اس لڑکی کو کچھ نہیں

معلوم کہ ارمان اور جوانی کی کیا طلب ہوتی ہے؟ وہ جوانی کے اندھے جذبات سے
لئے بہت دُور ہے کہ اُس کے جذبات کو آج تک کسی نے چھیڑا نہیں ہے۔ وہ اس سے
برف کا تودہ ہے کہ اُس کی سہیلیوں اور اُس کی اُن اُستانیوں نے اُسے مذہبی درس دیے
نے اسے زندگی کی رنگینیوں سے محروم رکھا اور عذابِ الٰہی سے اس قدر ڈرا دیا کہ اس کے
تمام احساسات مُردہ ہو گئے۔

میری رگوں میں خون کی حرارت بڑھتی چلی گئی۔ میں اُس کی طرف دھیرے دھیرے
لیکن غیر محسوس انداز سے بڑھا۔ پھر اُسے شانوں سے پکڑ کر اُٹھایا۔ پھر اُسے اپنے بازوؤں
کے حصار میں لے کر بازوؤں کو شکنجہ سا بنا لیا...... وہ میرے بازوؤں میں کانٹے میں پھنسی
مچھلی کی طرح چلی آئی تھی۔ اُس نے پوری طرح اپنے آپ کو نجانے کیا سوچ کر میرے
حوالے کر دیا تھا۔ مگر میری اُکھڑی ہوئی سانسوں، ایک نازیبا سی حرکت پر وہ چونک
پڑی۔ اُس کے چہرے پر یکلخت اُبھرے استعجاب سے ایسا لگا کہ اُسے جیسے میری اس
حرکت کا یقین نہیں آیا۔ پھر اُس نرم و نازک اور بھولی بھالی سی لڑکی نے میرے بازوؤں
میں کسمساتے ہوئے اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ میرے بازوؤں کی گرفت سے نکل گئی۔ میں
دیکھتا رہ گیا۔

یہ بات میرے لئے حیرت انگیز تھی۔ میں نے اپنی توہین محسوس کی کہ اُس نے ایک
جواں سال اور کڑیل مرد کے بازوؤں سے اپنے آپ کو اس آسانی سے آزاد کرا لیا۔
میری مردانگی کے لئے ایک طرح سے کھلا چیلنج تھا۔ پھر میں نے فوراً ہی جھپٹ کر اُسے
طرح سے پکڑ لیا جیسے درندہ کسی کمزور اور بے بس شکار کو پنجوں میں جکڑ لیتا ہے۔ میں اُس
کے چہرے پر جھک گیا۔ اُس کے رسیلے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھے تھے کہ اُس نے
میرے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اتنے زور سے دھکا دیا کہ میں پیچھے والی دیوار سے
ٹکرایا۔ میری دوسری کوشش بھی ناکام ہو کر میرا منہ چڑانے لگی۔

میرا دماغ بج اُٹھا۔ کیونکہ میرا سر بڑے زور سے دیوار سے ٹکرایا تھا۔ اب اُسے
بازوؤں کی گرفت میں لے کر قابو میں کرنا آسان نہ تھا۔ میں نے اپنی کھوپڑی سہلائی
اُس کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔

''ناجیہ! میری بات سن لو...... مجھے دشمن نہ سمجھو...... تم اپنی جگہ کھڑی رہو۔''

میرا خیال تھا کہ ناجیہ میری بات نہیں مانے گی، وہاں سے بھاگ جائے گی۔ لیکن

شرافت کا لبادہ اوڑھ کر اُس سے سچ جوٹی کی باتیں کرتا ہوا اُس کی طرف بڑھا۔
فریب کے جال میں آ گئی۔ میں نے پھر اُسے بازوؤں میں بھر لیا اور اُسے فرش
دیا۔

''مجھے چھوڑ دو...... پاپی...... گناہ گار...... خوفِ خدا کرو!'' وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔

''سنو...... میں تم سے کوئی زبردستی نہیں کروں گا۔ لیکن تمہیں خاموش رہنا اور میری
بننا ہو گی۔''

''جب تک تم مجھے چھوڑو گے نہیں...... میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' ناجیہ
کرتی ہوئی بولی۔

''ٹھیک ہے۔ اُٹھو......'' میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''میں سمجھ نہیں سکا کہ تم آخر ایک خول میں بند کیوں ہو......؟ کیا میں کوئی جن بھوت
جو تم مجھ سے اتنی دُور بھاگتی ہو؟ کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟ میں مرد نہیں ہوں؟
نہیں ہو؟...... میرے قریب آ جاؤ!'' میں نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے
کر لیا۔ ''تم اتنی سنگ دل کیوں ہو؟''

''نہیں......'' اُس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا اور برہمی سے بولی۔ ''مجھے اس کمرے سے
جانے دو......''

''تم ڈرتی کیوں ہو ناجیہ......؟'' میں نے اُسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''ہم
کے سوا اس جزیرے پر کوئی نہیں ہے۔ ہم دونوں اکیلے ہیں۔ کون دیکھ رہا ہے
کوئی بھی نہیں...... ہم دونوں جوان ہیں۔ ہمارے ارمان بھرے دل ہیں۔''

''تم خدا کو کیوں بھول رہے ہو......؟ کیا خدا نہیں دیکھ رہا ہے......؟ خدا دیکھ رہا ہے
شیطان سوار ہو گیا ہے۔ تم انسان بن جاؤ!'' اُس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو

''یہ جھوٹ ہے...... خود فریبی ہے۔'' میں نے اُس کی بات سن کر دل میں خوفِ خدا
کی بجائے قہر سے لرزتی آواز میں کہا۔ ''ہمیں خدا دیکھ رہا ہے نہ اُس کے
میرے سامنے اس کا نام مت لو۔'' (استغفراللہ)

''خدا کا نام نہ لوں تو پھر کس کا نام لوں...... وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔'' ناجیہ

سسک کر بولی۔

''وہ ہمیں بھول گیا ہے...... وہ دیکھ رہا ہوتا، یہاں موجود ہوتا تو کیا تم جیسی پارسا عبادت گزار کو رہا نہیں کر دیتا......؟ میں یہاں جب سے آیا ہوں، دیکھ رہا ہوں کہ تم اُ یاد کرتی چلی آ رہی ہو...... کیا اُس نے تمہاری سن لی......؟ ایسے خدا کو یاد کرنے اور پکار سے کیا حاصل؟''

''کفر کی باتیں نہ کرو میرے ساتھی!.... میرے دوست!'' ناجیہ رندھی ہوئی آواز بولی۔

''یہ کفر کی باتیں نہیں ہیں...... یہ ایک حقیقت ہے۔ تم اس سے انکاری ہو رہی جھٹلا رہی ہو۔'' میں بھڑک اُٹھا۔

''ایسے نہ کہو......'' وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔ ''خدا اپنے کسی بندے کو نہیں بھولتا۔ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں...... وہ اپنے بندے کو آزماتا ہے۔ ہمیں بھی آزما رہا ہے۔''

ناجیہ نے توقف کر کے آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگی۔ ''میرے پاک پروردگارِ عالم! اپنے اس بندے کو روشنی جس پر ظلمت کا اندھیرا چھا گیا ہے۔ تو اسے اپنی موجودگی کا ثبوت دے دے...... شیطان نے ورغلا دیا ہے۔ اسے معاف کر دے۔ اس پر رحم فرما!''

''یہ دُعائیں فضول ہیں۔ ان سے کچھ حاصل نہ ہوگا...... یہ تم اپنے آپ کو فریب رہی ہو۔ یہ خول توڑ کر باہر نکل آؤ۔ اپنے حسن و شباب اور اُٹھتی جوانی کا خیال کر ارمانوں کا خون نہ کرو۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''خدا تم پر رحم کرے۔'' ناجیہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں آج رات کروں گی کہ خدا تمہیں شیطان کے پنجے سے نکالے...... اُس نے تمہارے دل و دماغ اپنا غلبہ کر لیا ہے۔''

''تمہیں کوئی ضرورت نہیں میری فکر کرنے کی......'' میں نے خشونت آمیز لہجے کہا۔ ''میں اس وقت تمہارے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہوں۔ کیونکہ تم نرم و نازک لڑکی اکیلی ہو۔ خدا بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا...... بالفرض کوئی اتفاق سے ادھر نکل آ بھی چھڑا نہیں سکتا...... کا کامیاں کا کوئی بدمعاش آ جائے تو میں اُسے بھی قتل کر دُوں گا اپنی پیاس بجھانے کے بعد تمہیں بھی قتل کر دُوں گا...... تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟''

اُس بھولی بھالی سی ناجیہ پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری۔ اُس پر سکتہ سا چھا گیا۔ وہ تو اس بات پر ششدر تھی کہ...... جسے اُس نے اپنا محافظ اور درد آشنا جانا تھا وہ اس کا دشمن اور درندہ بن گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں حیرانی بھری ہوئی تھی۔

ادھر میں تھا کہ سانپ کی طرح پھنکار رہا تھا۔ آپے سے باہر ہو گیا۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھ پر جیسے ایک جنون سا سوار ہو گیا تھا۔ میں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اُسے آج ہر قیمت پر فتح حاصل کر کے رہوں گا۔ جان پر کھیلنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ ایک کلی کو پھول بنانا میرے لئے کون سا مشکل ہے۔

اُس نے میرے چہرے سے اور میری آنکھوں میں جھانک کر میرے مذموم ارادوں کو جیسے بھانپ لیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ پھر اُوپر اُٹھا کر اور چہرہ اُوپر کیا...... وہ دل میں جیسے دُعا مانگنے لگی تھی۔

میں نے اُس کے پاس جا کر اُس کی دونوں کلائیاں تھام لیں۔ ''تم اپنے خدا سے اس قدر خائف کیوں ہو؟ اپنے آپ کو بلاوجہ اذیت میں مبتلا کر رہی ہو۔ اپنے جذبات و احساسات کا خیال کرو۔ تم بوڑھی نہیں، جوان لڑکی ہو۔ تمہارے دل میں میری محبت ہے۔ میں پیاسا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ تم بھی پیاسی ہو...... تم خدا سے خوفزدہ ہو...... اس لئے اپنی پیاس......''

''تم......!'' ناجیہ نے فوراً درمیان میں تیزی سے کہا۔ ''تم اپنی پراگندہ خواہش کو پورا کرنے کے لئے خدا کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ بدکاری کے مرتکب ہونا چاہتے ہو؟ اُس کے نزدیک یہ گناہِ عظیم ہے۔ اس گناہ کے مرتکب ہونے کی صورت میں خدا ہم سے ناراض ہو جائے گا...... وہ بدکاروں کی کوئی مدد نہیں کرتا ہے۔''

''تم نے پھر وعظ شروع کر دیا۔'' میں نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ''خدا تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا...... تم اُس کی مدد کا خیال دل سے نکال دو۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی میں نے چیتے کی طرح جھپٹ کر اُسے دبوچ لیا اور اُسے فرش پر گرا لیا۔ خوف اور تکلیف سے وہ چیخ پڑی۔ ناجیہ میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ تنومند آدمی کا مقابلہ کر سکے۔ وہ میرے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی۔ بے بس سی ہو گئی تھی۔ میں من مانی کرنے لگا...... جب میں حد سے تجاوز کرنے لگا تو مجھے اپنے بازوؤں پر گھمنڈ تھا اور اسے خدا پر بھروسہ تھا۔ شاید یہ اس کا اثر تھا کہ اُس نے زور لگایا تو میں ششدر ہو کر رہ

گیا۔ اتنی نازک سی لڑکی میں اتنی زیادہ طاقت کس طرح آ گئی؟ ناجیہ نے مجھے ایک طرف
لڑھکا دیا اور میری گرفت سے آزاد ہو گئی۔ پھر وہ اُٹھی اور بجلی کا کوندا بن کر باہر کو لپکی۔
میں اُسے پکڑنے کے لئے اُس کے تعاقب میں لپکا۔ مگر برآمدے میں ٹھٹک کر رُک گیا۔
وہ برآمدے میں نہیں تھی...... اس میں سے بھی باہر نکل گئی تھی۔

مینہ ابھی بھی برس رہا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ جدھر دیکھو پانی ہی پانی تھا اور وہ دوڑتی
جا رہی تھی۔ اس وقت مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ میں شیطان کے پنجے سے نکل آیا تھا۔ درندگی
کا چولا میں نے اُتار کر پھینک دیا تھا۔ انسانیت نے مجھے روشنی دکھا دی تھی۔ میری نگاہوں
میں ناجیہ کا تقدس اور اُس کے پیار کی پاکیزگی مشعل بن گئی تھی۔ اب وہ میرے لئے ایک
معصوم اور نازک اور پاک دامن لڑکی تھی جو اپنی عزت و ناموس بچانے کی خاطر بارش کی
پرواہ کئے بغیر بھاگ نکلی تھی۔

چند لمحوں کے بعد میں نے ناجیہ کو آوازیں دینا شروع کیں۔ اس کے جواب میں مجھے
دُور اندھیرے میں ناجیہ کے بھاگتے قدموں کی شڑاپ شڑاپ سنائی دی۔ میں اس سمت
اُس کے پیچھے تیزی سے دوڑا۔

اس قدر گھپ اندھیرا تھا کہ وہ مجھے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ صرف اُس کی آوازیں
ہی سن رہا تھا۔ مجھے یہ دھڑکا سا لگ گیا کہیں وہ کسی گہرے کھڈ میں نہ گر پڑے۔ گر پڑنے
کی صورت میں وہ ڈوب کر مر جاتی۔ اُس کا بچنا مشکل تھا۔ میں رُکا اور اُس کے قدموں کی
آہٹ سننے لگا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں کافی دُور نکل چکی تھی۔ میں آہٹوں کی سمت کر کے اُس
کے تعاقب میں لپکا۔ لیکن مجھے سنبھل سنبھل کر قدم اُٹھانا پڑ رہا تھا کیونکہ پانی اور کیچڑ جو
کہیں کہیں گھٹنوں تک گہرا تھا راستے میں رُکاوٹ بن گیا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے تیز
دوڑنے میں دُشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن ناجیہ تھی کہ اندھا دھند دوڑتی چلی جا رہی
تھی۔

میں نے کچھ دُور جا کر رُک کر اُس کی آہٹ سننے کی کوشش کی تا کہ سمت کا اندازہ کر
سکوں۔ مگر اب وہاں صرف ایک آواز تھی۔ یہ تیز بارش کی آواز تھی...... اُس کے قدموں کی
شڑاپ شڑاپ بند ہو چکی تھی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ وہ کسی گہرے کھڈ میں گر کر ڈوب چکی
تھی۔ اس لئے اُس کے قدموں کی آواز بالکل بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

پھر میں اندازے سے ایک سمت دوڑا۔ میری حالت پاگلوں کی سی ہو رہی تھی۔ پھر

پوری قوت سے ہیجانی لہجے میں چیخنے لگا۔
"ناجیہ! تمہیں خدا کا واسطہ...... رُک جاؤ...... اس ہستی کا واسطہ جس نے تمہیں اتنی حیا
اور ایمان کی طاقت دی ہے۔"
میری آواز کے جواب میں بارش کی آواز سنائی دیتی رہی۔ اور کچھ سنائی نہیں دے رہا

سمندر قریب تھا۔ وہاں بندرگاہ بھی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ جس رات میں بدمعاشوں کے
دکان سے راشن چرا کر لایا تھا ناجیہ خودکشی کرنے کے ارادے سے سمندر کی طرف گئی تھی۔
شاید اس وقت بھی وہ اسی جانب گئی تھی۔ میں یہ خیال آتے ہی سمندر کی طرف دوڑا۔
راستے میں دو تین مرتبہ بری طرح پھسل کر گرا۔ اُٹھا، پھر دوڑنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد
بندرگاہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

وہاں تاریکی تھی اور سمندر کا شور فضا میں گونج رہا تھا۔ اس کے سوا کچھ اور سنائی نہیں
دے رہا تھا۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ ناجیہ نے اپنی جان سمندر کے سپرد
کر دی ہے۔ یہ خیال آتے ہی مجھ پر وحشت اور ایک دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ میں اس
عالم میں سمندر میں کودنے والا تھا کہ ایک خیال کوندا بن کر دماغ میں لپکا۔ میں نے سوچا
کیوں نہ میں اُسے قریب ہی جھونپڑیوں کے جو کھنڈر ہیں وہاں تلاش کروں؟ اُسے وہاں
ڈھونڈنا زیادہ بہتر ہو گا۔ میں نے بہ دقت تمام اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کرنے سے
روکا تھا۔ میرا دل ملامت کر رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو سزا دے کر اپنی مذموم حرکت کی تلافی
کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ناجیہ پر جو غصہ آتا تھا اب اس کا عتاب میری ذات پر برسنے لگا۔ میں
حیران تھا کہ یہ مجھے کیا ہو گیا جو میں نے شیطان کا رُوپ دھار لیا؟ اُس کی بے حرمتی
کرنے پر تل گیا؟ میں اس قابل تھا کہ مجھے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ میں نے سوچا، کاش!
میں اپنا گلا گھونٹ سکتا۔

اب مجھے نیکی اور بدی کا فرق معلوم ہو گیا اور اندازہ ہو گیا تھا کہ بدی کتنی گھناؤنی اور
زہر آلود ہوتی ہے۔ اور یہ زہر ایک لمحے کی لذت کے رُوپ میں کتنا شیریں اور نشاط انگیز
معلوم ہوتا ہے۔ اگر میں اسے آلودہ کر دیتا تو خدا مجھے کبھی معاف نہیں کرتا۔ نیکی میں کیسی
پاکیزگی ہے...... اس سے رُوح کو کیسی بالیدگی ملتی ہے۔
اس انکشاف اور میری مثبت سوچوں نے مجھے گھپ اندھیاروں میں روشنی دکھائی تھی۔

میں اس اندھیری رات میں جو بارش کی نذر ہو رہی تھی کھنڈروں کی طرف ایک اُو
چراغ روشن کئے بڑھ گیا۔ جانے کیوں مجھے توقع تھی کہ ناجیہ نے یہاں پناہ لی ہوگی۔
کے علاوہ وہ کوئی اور پناہ گاہ تلاش کرنے سے رہی۔

میں کھنڈروں کی طرف تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا جا رہا تھا۔ راستے میں بارش، کیچڑ اور اِ
قدر پانی تھا کہ میرے پیر پھسل پھسل سے جاتے تھے۔ مجھے بہت سنبھل سنبھل کر چلنا پڑ
تھا۔ میں نے سوچا کہ لڑکی کو آوازیں دینا مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس بات کا خدشہ تھا
میری آواز سنتے ہی بھاگ نہ جائے۔ ناجیہ کو یہ خوف لاحق ہو جائے گا کہ میں اُسے قابو
کے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کروں گا۔ اُس کی عزت سے کھیلوں گا۔

جب میں جھونپڑیوں کے قریب سے گزرنے لگا تو یکلخت ٹھٹک کر رُک گیا۔ ایک
دلدوز آواز فضا میں گونجی تھی۔

''میرے اللہ! تو مجھے زمین سے اُٹھا لے...... میری عزت و حرمت خطرے میں پڑ گ
ہے...... ایک نیک شخص کو شیطان نے بہکا دیا ہے۔ وہ مجھے داغدار کر دینا چاہتا ہے۔ تو مجھ
اپنے حفظ و امان میں رکھ......''

یہ آواز ناجیہ کی تھی جس نے میرے قدموں میں جیسے بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ ناجیہ ک
دُعا میرے کانوں میں گرم گرم سیسہ بن کر پگھلنے لگی۔ میرے لئے وہ قبیح، بہت ہی ذلت
آمیز اور توہین آمیز گالی بن گئی۔ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی زخمی پرندہ ماہی بے آب ک
طرح تڑپ رہا ہو۔ کراہ رہا ہو۔ یہ سب میرے دل میں تیر بن کر پیوست ہو رہا تھا۔ میں
نے اپنا سینہ دبا لیا۔ وہ کٹ رہا تھا۔ میرے پیر زمین کا حصہ بن گئے۔ مجھ میں حرکت
کرنے کی سکت تک نہیں رہی۔ لیکن میرے لئے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ ناجیہ زند
ہے۔ اُس نے سمندر میں ڈوب کر اپنے آپ کو ختم نہیں کیا لیکن میرا یہ سکون اور اطمینان
عارضی ثابت ہوا۔ کیونکہ میرا ضمیر مجھے کچوکے لگا رہا تھا۔ گناہ کے احساس نے میرا اطمینان
غارت کر دیا تھا اور اس نے میرے اندر وحشتیں بھر دی تھیں۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھ
کہ اصل طاقت ور تو ناجیہ ہے اور اس کے مقابلے میں، میں بہت کمزور، بے بس، حقیر او
نابکار ہوں۔ طاقت صرف نیکی اور پاکیزگی میں ہوتی ہے...... گناہ کے احساس نے مجھ
اپنی نظروں میں اس قدر ذلیل اور رُسوا کر دیا کہ میں اُس عظیم اور نیک لڑکی کے قدموں
میں سر رکھنے کے لئے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ وہ اس حالت میں بھی دُعا مانگ رہی تھی۔

اللہ کو یاد کر رہی تھی۔

میں اُس کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھ پر رقت سی طاری ہو گئی۔ حلق میں گرہیں
پڑنے لگیں۔ پھر میں نے سرگوشی میں بہت ہی دھیرے سے کہا۔

''ناجیہ!...... مجھے معاف کر دو۔ اللہ سے کہو کہ وہ بھی مجھے معاف کر دے...... میں نے
اس کی شان میں بڑی بے ادبی کی ہے۔ میں بہت نادم اور شرمسار ہوں۔''

ناجیہ نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو میں نے اندھیرے میں ہاتھ بڑھا کر اُس کا
چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا۔ پھر میں نے لجاجت سے کہا۔ ''ناجیہ! تم مجھے جو اسرار و
رموز سمجھانا چاہتی تھیں، وہ میں سمجھ گیا ہوں۔''

ناجیہ نے اپنے ہاتھ جوڑے رکھے۔ پھر وہ زور زور سے اپنا سر پٹخنے لگی۔ اور پھر وہ
بڑی تیزی سے ہذیانی لہجے میں بولنے لگی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ خاموش اور بہت ہی
کم گو لڑکی تھی۔ مگر اس وقت وہ ایک باتونی لڑکی کی طرح بہت تیز بولے جا رہی تھی جیسے
اُسے اپنی زبان پر اختیار نہیں رہا ہو۔ وہ بے لگام گھوڑے کی طرح ہو گئی تھی۔ اُسے اس
طرح بولتے دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ اوٹ پٹانگ اور بے معنی
الفاظ تھے۔ اُن کا کوئی سر پیر نہیں تھا۔ اُس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ میں نے یہ
بھی محسوس کیا تھا کہ ناجیہ کا چہرہ اتنی بارش میں بھی جل رہا ہے۔ جب میں نے اُس کی
پیشانی چھو کر دیکھی تو وہ تپ رہی تھی۔ اُس کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا، وہ بھی گرم تھی اور
نبض تیز چل رہی تھی۔ اُس کے بولنے کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تھا۔ اُس کی یہ کیفیت دیکھ
کر میرا بدن کانپنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ وہ بخار میں پھنک رہی ہے۔ بنگلہ دیش میں ایسے
بخار کی کیفیت بہت خطرناک اور جان لیوا ہوتی تھی۔ بہت کم مریض بچ پاتے تھے۔

میں نے اپنا ایک بازو لڑکی کی کمر کے گرد لپیٹ دیا اور دوسرا بازو اُس کے گھٹنوں کے
نیچے لے گیا اور لڑکی کو بازوؤں پر اُٹھا لیا۔ لڑکی نے تڑپنا اور ہذیان بکنا بند کر دیا تھا۔ کیونکہ
وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

دنیا میں اب ایسا کوئی خطہ نہیں تھا جہاں جنگ کے بادل نہ ہوں۔ ہر ملک تقریباً جنگ
کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ امریکہ اور عراق کی جنگ...... کشمیریوں کی جنگ آزادی جو
برسوں سے آج بھی برسرِ پیکار تھے۔ فلسطینیوں نے بھی اسرائیل کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔
ایک جنگ یہ تھی جو میں اس جزیرے پر اکیلا لڑ رہا تھا۔ نیکی اور بدی کی جنگ...... یہ جنگ

نفسیاتی قوتوں کے خلاف تھی۔ یہ ابلیس مردود اور ایک انسان کی جنگ تھی۔ میں یہ جنگ ہار گیا تھا۔ اب میں اس کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ اس کا کفارہ مجھ پر واجب ہو چکا تھا۔ میں یہ جنگ ہر قیمت پر جیتنا چاہتا تھا۔ میں نے اسی خیال اور جذبے سے ناجیہ کو جو بے ہوش ہو چکی تھی اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور مکان کی طرف چل پڑا۔ میں فرشتہ تو نہیں تھا، انسان تھا۔ جواں سال مرد...... اس قدر حسین اور بے انتہا پُر کشش لڑکی اور گداز و پُر شباب بدن رہ رہ کر مجھے بہکا رہا تھا۔ مجھ میں جیسے شیطان سما گیا تھا۔ ایک طرف شیطان مجھے بہکا رہا تھا کیونکہ یہ لڑکی اب میری ملکیت ہے۔ بے بس ہے۔ دوسری طرف ضمیر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اس امانت میں خیانت نہ کرنا۔

مکان میں داخل ہو کر میں نے ناجیہ کو ایک کمرے کے فرش پر آہستگی سے لٹا دیا۔ اُس کا جسم بے حس تھا۔ میں باہر آ گیا تا کہ یکسوئی سے کچھ سوچ سکوں۔ برآمدے میں بیٹھ کر اپنا سر تھام لیا۔ میرے پاس کوئی دوائی نہیں تھی۔ اُن بدمعاشوں کے اسٹور میں بھی کوئی دوائی نہیں تھی۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ جنگل اور بارش کے بخار سے مریض مر جاتا ہے۔ لیکن میں اس کا علاج بالکل بھی نہیں جانتا تھا کہ ایسی صورت میں جب دوا وغیرہ نہ ہو تو کیا ٹوٹکا کرنا چاہیے؟ پھر مجھے اچانک سونا میاں کی باتیں کچھ کچھ یاد آنے لگیں جو اُنہوں نے میری تربیت کے دوران بتائی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ ایسی صورت میں سب سے پہلے مریض کو پانی اچھی طرح اُبال کر پلانا چاہیے اور مریض کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے۔ اگر اُسے پسینہ آ رہا ہو تو وہ بھی پونچھ کر صاف کر دینا چاہیے۔ یہ بات یاد آتے ہی میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا۔

گناہ اور شرمندگی اور ضمیر کی ملامت سے مجھ میں جو کمزوری پیدا ہو گئی تھی وہ رفع ہونے لگی۔ پھر میں مکان میں داخل ہو گیا۔ اب تو یہ سہولت تھی کہ دیا سلائی موجود تھی۔ میں نے لکڑیاں جلا دیں تا کہ کمرے میں روشنی ہو جائے۔ پھر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے وقفے وقفے سے وہ سر کو دائیں بائیں پٹختی اور پھر ساکن سی ہو جاتی تھی۔ کبھی اُس کا سارا جسم کانپتا اور پھر بے حس ہو جاتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بخار بہت تیز ہوتا جا رہا ہے۔

میں نے ٹین کا ڈبہ پانی سے بھرا۔ پھر اُسے آگ پر رکھ دیا تا کہ اُبل جائے۔ آگ کی روشنی کمرے میں پھیل گئی تھی۔ میں نے اس کی روشنی میں ناجیہ کو قریب سے اور غور سے

دیکھا۔ اُس کے کپڑے بھیگ کر جسم سے چپک گئے تھے۔ پاؤں سے لے کر گھٹنوں تک ... کیچڑ سے لتھڑی ہوئی تھیں۔ کیچڑ کے چھینٹے اُس کے چہرے پر بھی پڑے ہوئے تھے۔

یہ اشد ضروری تھا کہ پہلے اُس کے کپڑے خشک اور جسم صاف کر دیا جائے۔ یہ کام اُس کے کپڑے اُتارے بغیر ممکن نہیں تھا۔ میں ایک عجیب سی اُلجھن میں گرفتار ہو گیا کہ اسے لباس سے بے نیاز کس طرح کروں؟ اُس کا جسم عریاں ہو جائے گا۔ کپڑے اُتارتے وقت اسے ہوش آ گیا تو وہ کیا سمجھے گی؟ اس کو سب سے پہلے یہ خیال آئے گا کہ میں نے بُرے ارادے سے یہ حرکت کی ہے۔ میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ ناجیہ کے جسم اور سراپا کی جاذبیت نے میرے اندر حیوان کو بیدار کر دیا تھا۔ میں انسان نہیں رہا تھا۔ میں نے خدا کو بھول کر اندھے جنون میں خدا کو بھی نجانے کیا کچھ کہہ دیا تھا۔ اب میں اس جسم کو لباس سے بے نیاز کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ یہ ایک مجبوری تھی لیکن میرے نزدیک یہ انتہائی گھٹیا حرکت تھی۔ کیونکہ اب یہ جسم میری نگاہ میں ایک پاکیزہ شے بن گیا تھا۔ اس کا ایک تقدس تھا۔ میں اسے بے حجاب دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ کمرے میں آگ کی روشنی تھی۔ میں آگ اس لئے بجھانا نہیں چاہتا تھا کہ ناجیہ کے کپڑے خشک کرنے کے لئے آگ کی ضرورت تھی۔

میں نے چند لمحوں کے بعد ناجیہ کو گود میں اُٹھا لیا۔ اب میرے لئے اُس کا جسم ایک عورت کا جسم نہیں تھا، ایک پُر تقدس شے تھی۔ میں اُسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اُسے بڑی آہستگی سے فرش پر لٹا دیا۔ اس اندھیرے میں، میں نے اُس کے تمام کپڑے ایک ایک کر کے اُتار دیئے۔ سر کا کپڑا اور زیر جامے بھی...... ٹھنڈ لگنے کا امکان اس لئے نہیں تھا کہ گرمی کا موسم تھا۔ ان کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے گیلے کپڑے اچھی طرح سے نچوڑے، پھر اُس کا جسم صاف کیا، پھر باہر جا کر بارش میں کپڑے دھوئے، اُنہیں نچوڑ کر اندر لے آیا اور آگ پر خشک کرنے لگا۔

اس وقت میں ایک ایسا مرد بن گیا تھا کہ میرے اندر کوئی جنسی خواہش نہیں تھی۔ پراگندہ خیالات کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ میرے دل میں خلوص اور ایثار کے جذبے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک طرف پریشان اور متفکر تھا لیکن دوسری طرف میں اپنے

اندر ایسی انوکھی سی قوت اور سرور محسوس کر رہا تھا جو میں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس وقت میں کسی اور دنیا کا انسان بن گیا تھا۔ میں کردار اور مذہب کی عظمت کو کبھی سمجھ نہیں سکا تھا۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ میں جو انوکھی سی قوت اور سرور محسوس کر رہا ہوں یہ پاکیزہ خیال کی وجہ سے ہے۔

میں جلدی سے کپڑے خشک کرنے لگا۔ جب کپڑے بالکل خشک ہو گئے تو اندھیرے میں جا کر ناجیہ کو پہنا دیئے۔ کپڑے پہناتے وقت میرے ہاتھوں نے اُس کے جسم کو چھوا تھا۔ اُس کے بدن کا لمس محسوس ہوا تھا لیکن میرے جذبات میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوئی۔ مجھے شیطان نے ورغلانے کی کوشش کی تھی کہ اس کی بے حجابی اور بے ہوشی پر شب خون مارو۔ لیکن خیال کی پاکیزگی نے مجھے شیطان کے سائے سے بھی دُور رکھا۔

جب پانی اُبل گیا تو میں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی غرض سے برآمدے میں لے جا کر رکھ دیا، پھر کمروں میں بکھرے ہوئے کاغذ اور اخبار جمع کر کے آگ والے کمرے میں ایک جگہ بچھا دیئے۔ میں نے ناجیہ کے لئے ان کا بستر بنایا، پھر میں ناجیہ کو اُٹھا لایا اور اُسے کاغذوں کے بستر پر آہستگی سے لٹا دیا۔

مجھے بھوک، پیاس اور نیند کا کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ میں ناجیہ کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ وقفے وقفے سے بڑبڑاتی تھی اور چپ ہو جاتی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے جا کر دیکھا، پانی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ پھر وہ پانی اُس کے منہ میں قطرہ قطرہ ٹپکانے لگا۔ جب اُس کا پیٹ بھر گیا تو اُسے ایک اُبکائی سی آئی اور اُس نے قے کر دی۔

میں اُس کے اُلٹی کرنے سے متفکر اور پریشان سا ہو گیا۔ میں نے اُس کے اسکارف سے اُلٹی صاف کی اور اُسے باہر لے جا کر بارش کے پانی میں اچھی طرح دھویا۔ پھر اسے اچھی طرح بھگویا اور اندر لا کر ناجیہ کے ماتھے پر رکھ دیا تاکہ بخار کی شدت کم ہو سکے۔ میرے پاس اُس کا بخار کم کرنے کی یہی ایک تدبیر تھی۔

میں نے رات آنکھوں میں کاٹی۔ ایک پل کے لئے بھی سو نہ سکا۔ ناجیہ ہوش میں نہیں آئی اور نہ ہی اُس کی حالت میں کوئی فرق آیا۔ اُس کے پیٹ میں پانی بھی ٹھہر نہیں پاتا تھا۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ ابھی بھی مینہ برس ہی رہا تھا۔ میں باہر نکل آیا۔ پھر میں نے بارش اور کیچڑ کی بالکل بھی پرواہ نہیں کی۔ پانی میں دوڑ دھوپ کر کے میں نے کیلے کے درخت ڈھونڈ نکالے اور ان کے جتنے پتے توڑ سکتا تھا توڑ لئے۔ پھر میں نے اور درختوں

سے بھی بہت سارے بڑے بڑے پتے توڑ لئے پھر مکان میں آ کر کمرے میں پتوں کو زمین پر بچھا کر بستر بنایا۔ اس کے لئے بڑا نرم اور آرام دہ بستر بن گیا، پھر اُسے اُٹھا کر پتوں کے بستر پر لٹا دیا۔

پھر دن اور راتیں گزرنے لگیں...... ناجیہ کی حالت سدھر نہیں سکی۔ وہ کبھی سر پٹختی، کبھی اُس کا جسم لرزتا اور کبھی وہ بڑبڑاتی۔ اتنے دنوں میں وہ ذرا سی دیر کے لئے بھی ہوش میں نہیں آئی اور نہ ہی افاقہ ہوا۔ اس دوران موسم میں تبدیلی آ گئی۔ وہ یہ کہ بارش تھم گئی۔ بادل چھائے رہتے تھے اور کچھ دیر کے لئے دھوپ بھی نکل آتی تھی۔ مجھے ناجیہ کی یہ حالت دیکھ کر بھوک کا خیال رہا تھا نہ نیند کا...... میں ناجیہ کے منہ میں سیب کے مربے کا شیرا اور پانی ٹپکاتا رہا۔ تین چار دنوں کے بعد اُس کا معدہ غذا قبول کرنے لگا۔ لیکن کبھی کبھی مجھے اُس کی بیہوشی کو دیکھ کر یقین ہو جاتا کہ وہ مر گئی۔ پھر میں اُس کے سینے پر دل کی جگہ پر اپنا کان رکھ کر دل کی دھڑکنیں سنتا، پھر نبض دیکھتا اور ناک کے آگے اُنگلی رکھتا...... میں کمزور دل آدمی کی طرح کئی بار پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ کیونکہ اُس کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں گئی۔ مجھے اُس سے محبت ہو گئی تھی اس لئے بھی میں بہت صدمہ محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگتا کہ وہ اسی حالت میں اللہ کو پیاری ہو جائے گی۔

میں اُس کے جسم کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے رات کے اندھیرے میں اُسے بے لباس کر دیتا۔ اُس کے بدن پر کیلے کے پتے ڈال کر ڈھک دیتا تاکہ اُسے بے حجاب نہ دیکھ سکوں۔ سورج نکلتا تو اُس کے کپڑے دھوپ میں سکھاتا۔ جب وہ اچھی طرح سوکھ جاتے تو اُسے رات کے وقت پہنا دیتا۔ یہ ایک طرح سے معمول بن گیا تھا۔

چودہ دن چودہ صدیوں کی طرح بیت گئے...... جب میں باہر سے آیا تو دیکھا کہ وہ ہوش میں آ چکی ہے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اُسے ہوش میں دیکھ کر مجھے ایک عجیب سی خوشی ہوئی۔ میں نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی خوفزدہ سی ہو گئی۔ اُس نے اپنا سر اُٹھانے کی کوشش کی لیکن کمزوری کے باعث اُس کا سر اُوپر نہ اُٹھ سکا۔ میں نے دو تین دن سے کپڑے اُتار کر زیادہ دیر تک سکھانا بند کر دیئے تھے کیونکہ اب اس کی ایسی ضرورت نہ تھی۔ اور پھر دوسری طرف بے حجابی کی حالت مجھے کسی بھی لمحے غلاظت کے دلدل میں گرا سکتی تھی۔ اس وقت وہ لباس میں تھی۔ اپنے آپ کو بے حجاب دیکھ کر وہ یہ سوچتی اور محسوس کرتی کہ میں اُس کی بیماری سے فائدہ اُٹھا چکا ہوں۔

میں اُس کے پاس جا بیٹھا۔ اُس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے پہچاننے کی
کوشش کر رہی ہو۔ اُس کی آنکھیں پھیلتی گئیں۔ پھر اُس نے یکلخت اپنے سینے پر دوہتڑ
مارنے شروع کر دیئے۔ میں نے چونک کر دیکھا اور سوچا کہ کیا اس کے ہاتھ پکڑ لوں؟ پھر
اُس نے اچانک ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ یہ بڑا خوفناک قہقہہ تھا۔ یہ کسی انسان کا یا کم از کم
کسی ایسی لڑکی کا قہقہہ معلوم نہیں ہوتا تھا جو چودہ دن سے بخار میں پھنک رہی ہو...... یہ
چڑیل کا قہقہہ معلوم ہوتا تھا۔ میں خوفزدہ سا ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور میرے جسم میں سنسنی دوڑ
گئی۔

بخار نے ناجیہ کو پاگل کر دیا تھا۔ میرے لئے یہ صورت بڑی عجیب تھی۔ جتنی عجیب تھی
اس سے کہیں اذیت ناک بھی تھی۔ پھر میں اُس کے پاس بیٹھا نہیں بلکہ کمرے سے نکل آیا
کیونکہ اس سے بہتر تو اُس کی بے ہوشی کی حالت تھی۔ چپ چاپ پڑی تو رہتی تھی۔ ایک
ایسی لڑکی کو جس پر دیوانگی کا اثر سوار ہو گیا تھا سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

نجانے کیوں مجھے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کا کا میاں کے آدمی پھر آ سکتے ہیں۔ کوئی
سات آٹھ دن پہلے بارش تھم چکی تھی۔ پانی اُتر چکا تھا۔ سورج نکلتا تھا اور دُھوپ کی
تمازت اور شدت نے سابقہ حالت بحال کر دی تھی۔ کا کا میاں کے لئے اس سے بہتر جگہ
اور اڈا کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ بدمعاشوں کے آنے کا خطرہ اور دھڑ کا دو تین دنوں سے لگا ہوا
تھا۔ بدمعاشوں کے آنے کی صورت میں ناجیہ کو کس طرح سے سنبھالوں گا اور اُسے چھپا
کر رکھنا بھی آسان نہ تھا۔ میں نے راشن کا جائزہ لیا۔ اب صرف گوشت کا ایک ڈبہ،
سگریٹ کے تین پیکٹ اور دیا سلائی کے چھ سات ڈبے رہ گئے تھے...... مچھلیاں شکار
کرنے کا سامان بھی تھا۔ اب جینے کے لئے ایک ہی سہارا رہ گیا تھا۔ میں حوصلہ ہارنے
والوں میں سے نہ تھا۔ لیکن ناجیہ کی اس بگڑی ہوئی ذہنی حالت نے میرے حوصلے کو بری
طرح پست کر دیا تھا۔ مجھے اپنے پیروں پر کھڑے ہونا مشکل ہو گیا۔ میری ٹانگیں کانپنے
لگیں۔ میں دیوار کا سہارا نہ لیتا تو گر پڑتا۔ میں جیسے سب کچھ ہار چکا تھا......!

میں دیوار کے سہارے کھڑا جانے کیا کچھ سوچتا رہا۔ مجھے اس بات کی خبر بھی نہ ہو سکی
کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ شام کے سائے اندھیرے میں مدغم ہو چکے ہیں، تاریکی
گہری ہو رہی ہے۔ کمرے میں ایک بار پھر ناجیہ کا قہقہہ گونجا۔ اندھیری رات میں ایسا
بھیانک، دلخراش اور بھونڈا قہقہہ کسی بدرُوح کا قہقہہ معلوم ہوتا تھا۔ میں اُچھل پڑا۔

میرے سینے میں خوف ہیبت کی طرح بیٹھ گیا۔ میں نے سوچا کہ میں یہاں سے بھاگ
جاؤں۔ میرے دل کے کسی کونے میں جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ ناجیہ انسان نہیں بدرُوح
ہے۔ دراصل اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی بدرُوح اس
کے جسم میں سما گئی۔ اب وہ ایک حسین بدرُوح ہے۔ آدمی کے مرنے کے بعد اس کی بد
رُوح آ جاتی ہے۔

میرے سامنے ناجیہ کے اسرار ایک ایک کر کے کھلنے لگے۔ میں پندرہ دنوں تک ایک
بدرُوح کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ ورنہ اس کے اتنے دنوں تک مسلسل بے ہوش رہنے
کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ چونکہ آج اُس کی بدرُوح واپس جانا چاہتی ہے اس لئے اس میں
زندگی کے آثار آ گئے ہیں اور وہ دلخراش قہقہے لگا رہی ہے۔

میں ایک عجیب سی اُلجھن میں گرفتار تھا۔ مجھے توہمات نے گھیر رکھا تھا۔ میں کوئی فیصلہ
نہیں کر پا رہا تھا کہ اچانک جنگل تیز روشنی سے نہا گیا...... میں نے چونک کر بندرگاہ کی
طرف دیکھا۔ یہ مسافر لانچ کی سرچ لائٹ تھی۔ بدمعاش واپس آ گئے تھے...... لانچ
ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بندرگاہ میں داخل ہونے والی تھی۔ میری
رگوں میں لہو منجمد ہو گیا...... میں فوراً ہی لپک کر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ سرچ لائٹ کی
روشنی مکان سے ہٹ کر جنگل پر گئی اور پھر مکان پر آئی۔ میرے دل میں خوف سا دامن گیر
ہو گیا، اگر اُنہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے تو پھر بدمعاش فائرنگ شروع کر دیں گے۔ میرا جسم
جو بے جان سا ہو گیا تھا اور لہو منجمد ہو گیا تھا اس میں حرارت سی آ گئی اور میں جوش سے
بھڑک اُٹھا۔ میں کوندا بن کر کمرے میں پہنچا۔ میرے پاس کچھ وقت تھا۔ سب سے پہلے
میں نے کیلے اور درختوں کے پتوں کو عقبی کھڑکی سے باہر پھینکا، ٹین کا وہ ڈبہ جس میں پانی
گرم کرتا تھا اُسے اور راکھ بھی سمیٹ کر باہر پھینک دی اور لکڑیاں بھی تاکہ اُنہیں ہماری
موجودگی کا کوئی نام و نشان نہ مل سکے۔ اس کمرے کی سابقہ حالت بحال کر دی۔ باقی جو
چیزیں رہ گئی تھیں وہ تھیلے میں ڈالیں اور پھر ناجیہ کو اُٹھا کر گردن کے پیچھے کندھے پر ڈال
لیا۔ ناجیہ ہوش میں تھی لیکن اُسے باہر کی خبر نہیں تھی کہ ایک افتاد ہم پر نازل ہونے آ رہی
ہے۔ میں اسے اس طرح اُٹھا کر کہاں اور کیوں لے جا رہا ہوں؟ شاید اس کے دل میں یہ
خیال آیا ہو گا کہ میں اسے آلودہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ شاید اس احساس سے اُس پر
غشی طاری ہو گئی ہے۔

مسافر لانچ بندرگاہ میں آ گئی تھی۔ اس پر ایک چھوٹے سے جہاز کا دھوکہ ہوتا تھا۔ اُس کی سرچ لائٹ کی تیز روشنی جنگل میں ایک بہت بڑے دائرے کی شکل میں گھوم رہی تھی۔ میں ناجیہ کو لے کر مکان کے عقبی دروازے سے نکلا۔ یہ مکان میرے اور لانچ کے درمیان حائل تھا۔ وہ لوگ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن میں پھر بھی بہت محتاط تھا۔ جہاں اس بات کا خوف و خدشہ ہوتا کہ ان بدمعاشوں کی نظر مجھ پر نہ پڑ جائے جھاڑیوں کی اوٹ میں لیٹ جاتا۔ جب سرچ لائٹ کی روشنی دوسری طرف چلی جاتی تو اُٹھ کر دوڑنے لگتا۔ میں جلد سے جلد روشنی کی حد سے نکل جانا چاہتا تھا۔

یکلخت میری ٹانگیں جواب دے گئیں۔ میری اس شدید کمزوری کی وجہ یہ تھی کہ ناجیہ کی تیمارداری میں راتوں کو مسلسل جاگتا رہا تھا اور دن میں بھی نیند پوری نہیں ہوتی تھی کیونکہ اُس کے کپڑے اُتار کر دھوتا، دُھوپ میں سکھاتا اور اُس کی پل پل خبر گیری کرتا رہا تھا۔ پریشانی اور تفکرات نے میرے اعصاب کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ میں نے بہت سارے دن اور راتیں اس ذہنی اور جسمانی مشقت میں گزاری تھیں۔ ناجیہ کو ہوش میں دیکھ کر سوچتا تھا کہ اب کچھ دن خوب آرام کرلوں گا۔ لیکن بدمعاش پھر لوٹ آئے تھے۔ میرے جسم میں رہی سہی جو جان رہ گئی تھی وہ بھی نکل گئی تھی۔ میری حالت ایک مردے سے بھی بدتر تھی۔ میں اب اس قابل نہیں رہا تھا کہ دوڑوں۔ کیونکہ میری ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ میرے کندھے پر ناجیہ کے جسم کا بوجھ بھی لدا ہوا تھا۔ پھر میں ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ میری سانسیں اُکھڑ گئی تھیں اور جسم میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ انہیں حرکت دے سکوں۔ ناجیہ کو میں نے زمین پر لٹا دیا تھا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا ناجیہ بے ہوش ہے یا سو رہی ہے۔ میں تو اُس کے ساتھ بات کرنے سے بھی گھبرا رہا تھا۔ اندھیرا تھا اس لئے بھی کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ خاموش تھی۔ اُس کی خاموشی ہی بہتر تھی۔

اچانک جزیرہ دھماکوں سے لرز اُٹھا...... اُس لانچ سے گولہ باری شروع ہو چکی تھی...... کاکامیاں کی لانچ میں نہ صرف اسلحہ ہوتا تھا بلکہ ایسی جدید ترین چھوٹی توپیں بھی ہوتی تھیں جن سے گولہ باری کی جا سکے۔ تاکہ کسی دوسری دشمن مافیا یا پھر پولیس یا نیول گشتی لانچ سے مقابلہ کر سکے۔ معلوم نہیں ان بدمعاشوں نے کیا دیکھ لیا اور کیا شک ہو گیا تھا؟ کچھ گولے جنگل میں گرے۔ دو ایک گولے ہم سے کچھ فاصلے پر آ گرے۔ اس کے فوراً

بعد جو دو ایک گولے اُس مکان کی دیواریں پھاڑ کر اندر پھٹے جہاں سے میں ناجیہ کو لے آیا تھا۔ مکان کو آگ لگ گئی۔ چھتیں لکڑیوں کی تھیں، شعلے آسمان تک پہنچے ... ایک عجیب سا سماں بندھ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے جنگل کا جنگل جل اُٹھا ... گولے بھی آ رہے تھے۔ رات نہ صرف ہولناک بلکہ دھماکہ خیز بن گئی تھی۔ ان ... وں نے ناجیہ کو بیدار کر دیا تھا۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔

میں نے اُس سے کہا۔ ''اُٹھو...... ناجیہ! وہ حرام زادے پھر واپس آ گئے ہیں۔ ہمیں ... اِس پناہ گاہ میں جا کر چھپنا ہوگا۔''

''ہا...... ہا...... ہا......'' ناجیہ نے پھر سابقہ انداز کا سا قہقہہ لگایا۔ پھر وہ مکان کی طرف ... دیکھنے لگی جو شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ پھر اُس نے بلند آواز میں کہا۔ ''یہ شمعیں جل اُٹھی ... ہیں...... تمام شمعیں روشن کر دی گئی ہیں۔ اگر یہاں گرجا گھر ہے، اس کی گھنٹیاں بجاؤ...... مسجد ہے تو اذان دو...... قدرت نے زمین کو روشن کر دیا ہے...... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ... نقارے بجائے جائیں...... ہا...... ہا...... ہا......''

میں نے فوراً ہی کھڑے ہو کر بڑے زور سے زمین پر پاؤں مارا، میرے منہ سے ... گالیاں نکل گئیں۔ میں مافیا تنظیم کا ایک سرگرم کارکن جو رہا تھا۔ اپنے ماتحت ساتھیوں کی ... کسی غلطی پر یا برہم ہو کر گالیاں بکنے لگتا تھا۔ میرا غصہ اور ہیجان بلاوجہ نہیں تھا۔ ابھی تک ... بدمعاش توپوں سے گولے برسا رہے تھے۔ یہ خطرہ اور امکان بھی تھا کہ اب ان کی نفری ... زیادہ ہو جو سارے جزیرے میں پھیل سکتی تھی۔ میرے سامنے تاریک جنگل تھا جس میں ... بارشوں کی وجہ سے دلدل ہو گئی تھی۔ اس کے پیچھے جلتا ہوا مکان اور گولے اُگلتی ہوئی لانچ ... تھی۔ گولوں کو اُگلنے کے بعد وہ فوج کو اُگلنے والی تھی۔ زمین بھی دشمن...... آسمان بھی ... دشمن...... جنگل اور سمندر بھی دشمن بن چکا تھا۔

مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ میری بنائی ہوئی پناہ گاہ بارش کے پانی سے بھر چکی ہو ... گی...... لیکن اس سے بھی کہیں سنگین اور ٹیڑھا اور لاینحل مسئلہ یہ تھا کہ میرے ساتھ ایک ... پاگل لڑکی تھی۔ وہ اس وقت بھی قہقہے لگا رہی تھی۔ اب اسے چھپانا ناممکن سا ہو گیا تھا۔ اُس ... کے قہقہے کسی بھی لمحے ہم دونوں کو پکڑوا سکتے تھے۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے پھر میں بیٹھ گیا ... اور سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ میں بری طرح حوصلہ ہار گیا تھا۔

میں نے ایک لحظہ کے لئے سوچا کہ کیوں نہ بدمعاشوں کے پاس ناجیہ کو لے کر پہنچ

جاؤں۔ اُن کے سامنے کھڑا ہو جاؤں۔ ناجیہ کو اُن کے حوالے کر دُوں۔ اُن سے کہوں کہ اس پاگل عورت کو سنبھالو! مجھے کاکا میاں کے حوالے کرنے کی بجائے گولی مار کر میری لاش سمندر میں پھینک دو۔ کاکا میاں سے کہہ دو کہ میں مقابلہ میں مارا گیا ہوں۔

میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ قریب دو گولے پھٹے...... اُن میں اتنی چمک تھی اور دھماکے اتنے شدید تھے کہ میں سر سے پیر تک کانپ اُٹھا اور خوف کی لہر بجلی کی رو کی طرح تمام اُنگلیوں کی پوروں میں تک پھیل گئی۔ دل کی حرکت چند ساعتوں کے لئے رُک گئی۔ لیکن دھماکے مجھے جیسے ہوش اور جوش میں لے آئے۔ میں نے فوراً ہی ناجیہ کو دبوچ لیا لیکن کمزوری کے باعث میرے گھٹنے زمین سے لگ گئے۔ پھر میں نے اُسے بازوؤں میں جکڑ کر بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

''ناجیہ! خدا کے لئے اُٹھو وہ درندے پھر آ گئے ہیں۔ اُنہوں نے تمہیں پکڑ لیا تو پھر وہ تمہاری عزت و ناموس کی دھجیاں بکھیر دیں گے...... میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا تمہاری عزت لٹنے سے بچا نہ سکوں گا۔ تم اپنے اس خدا کو پکارو جس کی عبادت کرتے کرتے تم پاگل ہو گئی ہو...... اُس سے کیوں نہیں کہتی ہو کہ وہ تمہاری مدد کو آئے۔ اُسے اپنی مدد کے لئے بلاؤ!''

ناجیہ نے میرے بازوؤں سے نکل کر بیٹھتے ہوئے ایک بار پھر چڑیلوں کی طرح قہقہہ لگایا اور ہذیان بکنے لگی۔ پھر میں نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے کھڑا کیا اور قربانی کے جانور کی طرح گھسیٹنے لگا۔ وہ اتنی کمزور تھی کہ اُس کے لئے دو قدم چلنا بھی دُشوار تھا اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ میری حالت ایسی نہیں تھی کہ اُسے اُٹھا کر کندھے پر ڈال سکوں...... میں نے اُسے کیچڑ میں گھسیٹنا شروع کر دیا اور دل میں گڑگڑا کر دُعا مانگ کہ ایک گولہ ہم پر آ کر پھٹے اور ہم دونوں کو اس عذاب سے نجات دلا دے۔ چلتے چلتے کئی بار میرا پیر پھسلا اور ہم دونوں ہی گر پڑے۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد چکر سا آیا تو لگا کہ سارا جسم بے جان ہو رہا ہے۔ تب میں نے محسوس کیا کہ مجھے بخار ہے۔ ورنہ میں اس قدر کمزوری محسوس نہ کرتا۔ میں نے ایک ڈاکٹر کی طرح اپنی نبض پر اُنگلی رکھ کر دیکھی، اس کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز تھی۔ میں نے اپنی آنکھیں بھی جلتی ہوئی محسوس کیں۔ چہرہ دہک رہا تھا اور جسم کا جوڑ جوڑ جیسے الگ ہوا جا رہا تھا۔ یہ ساری علامتیں بخار کی تھیں۔ بخار مجھے گرانے کے لئے تیز ہوا جا رہا تھا لیکن میں گرنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری طرف

بھی سن ہو رہا تھا۔ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی...... میں اس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ میں ایک بار گر پڑا تو پھر اُٹھ نہ سکوں گا۔ اس لئے میں نے ایک بار پھر ناجیہ کو کمر سے پکڑا اور اُسے کیچڑ میں گھسیٹتا گیا۔ گولہ باری بند ہو چکی تھی۔ بدمعاش اب لانچ سے اُتر رہے تھے۔ اب میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

میں نے ایک جگہ رُک کر ناجیہ کو چھوڑ دیا۔ اُس نے اب قہقہہ لگانے کی بجائے ایک خراش چیخ ماری اور خاموش ہو گئی۔ میں ستانے اور توانائی مجتمع کرنے کے لئے رُکا تھا۔ چند لمحوں کے بعد پھر ناجیہ کو پہلے کی طرح گھسیٹنے لگا۔ وہ خود سے چلنے کی ذرّہ برابر بھی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ میری ذہنی کیفیت بگڑنے لگی اور مجھے کچھ خوب صورت سے واہمے دکھائی دینے لگے۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک کھلی گاڑی میں ایک ہیرو کی طرح ڈھاکہ کی مصروف ترین شاہراہ سے گزر رہا ہوں۔ لوگ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں اور ہاتھ ہلا رہے ہیں جیسے میں کوئی قومی ہیرو ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا جو یکلخت میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا...... میں وہ تھیلا اُٹھانے کے لئے جھکا تو دیکھا کہ جزیرے کے جنگل میں موجود ہوں اور اکیلا ہوں۔ میں حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا لیکن میں چلتے چلتے خواب دیکھتا رہا۔ ایک کلب میں لڑکی میرے ساتھ والہانہ انداز سے رقص کر رہی ہے۔ ہم دونوں ایک گوشے میں چلے گئے۔ میں نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے قریب کر لیا اور اُس کے چہرے پر جھک گیا۔ حد سے تجاوز کرنے لگا تو وہ میرے بازوؤں سے تڑپ کر نکلی۔ اپنا لباس اور حلیہ درست کرتی ہوئی ایک سمت چل پڑی۔ اس وقت میں نے خواب کے عالم سے نکل کر دیکھا، ناجیہ میرے ساتھ نہیں تھی...... میں سراسیمہ ہو گیا۔ چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس کی کمر کے گرد سے میری گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں کتنی دُور نکل آیا ہوں اور ناجیہ کہاں گر پڑی ہے۔ پھر میں پیچھے کو چل پڑا۔ اب میں پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا اور ذہن بھی بیدار ہو چکا تھا۔ جنگل تاریک تھا اور اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ ناجیہ پاگل پن میں بدمعاشوں کی طرف نہ چل پڑی ہو۔ میں اندھیرے میں اُسے ڈھونڈنے لگا۔ اُسے تین چار بار پکارا بھی...... لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ ناجیہ کی خاطر میں نے اپنے مصائب میں اضافہ کر لیا تھا۔ ورنہ اکیلے تو مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں ہار جاتا تو اپنے آپ کو بدمعاشوں کے حوالے کر دیتا یا اُن سے بندوق چھین کر خودکشی کر لیتا۔ میں تو ناجیہ کو ہر قیمت پر ان درندہ صفت بدمعاشوں سے بچانا چاہتا تھا۔ اب وہ

میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور میری ساری محنت، جدوجہد اور کوشش رائیگاں گئی تھی۔ غم، بخار اور پریشانی نے میری حالت ایک مُردے سے بھی بدتر بنا دی تھی۔

میں اپنے آپ کو بڑی تکلیف، اذیت اور جان کنی کی سی حالت میں گھسیٹتا ہوا اُسے اِدھر اُدھر ڈھونڈتا رہا۔ آخر مجھے وہ ایک جگہ پڑی دکھائی دی۔ قریب جا کر دیکھا، وہ بے سدھ پڑی تھی۔ میں نے اپنے بازو اُس کی کمر کے گرد مضبوطی سے لپیٹ دیئے، پھر اُسے گھسیٹنے لگا۔ گو کہ اب میرے ہاتھ پیروں میں اتنی جان اور سکت نہیں رہی تھی کہ اُسے گھسیٹ سکوں، پھر بھی کسی نہ کسی طرح پورا زور لگا کر اُسے گھسیٹتا رہا۔ میری آنکھیں ایک بار پھر بند ہونے لگیں...... غنودگی مجھے بے بس اور لاچار سا کرنے لگی۔ میں اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے لگا۔ اس وجہ سے مجھے خیال نہیں رہا اور میں راستہ بھی بھول گیا...... جب مجھے سمندر کی بو آنے لگی تو اس بات کا اور یقین ہو گیا کہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ ناجیہ ایک بار پھر میری گرفت سے نکل گئی۔

پھر میں اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ اُس کے ماتھے کو چھو کر دیکھا، ماتھا ٹھنڈا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا، وہ بھی ٹھنڈے تھے۔ جبکہ اُس کا جسم کچھ نہ کچھ حرکت کرتا اور اس میں حرارت سی تھی۔ اب جسم بھی بالکل ٹھنڈا اور ساکت و جامد تھا۔ پھر میں قدرے اُونچی آواز میں اپنے آپ سے کہا۔

"خدایا!...... آخر یہ بدنصیب مر ہی گئی...... اب میں کیا کروں...... میں اسی کی خاطر زندہ تھا......"

یہ صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ میرا سر چکرایا اور مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔

□......□
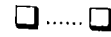
جانے کتنے لمحوں بعد میری غشی دُور ہو گئی۔ میرا ذہن ایک دم سے بیدار ہو گیا۔ میں نے گھبرا کر کھڑے ہونے کی کوشش کی تو میرے جسم نے ساتھ دینے سے انکار نہیں کیا۔ کوئی اندرونی قوت تھی جس نے مجھ میں زندگی کی لہر دوڑا دی تھی۔ میں نے ناجیہ کی ستواں ناک پر اُنگلی رکھی، وہ سانس لے رہی تھی۔ اُسے زندہ دیکھ کر میں بھی جی گیا تھا۔ میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا، میرے پیچھے تاریک جنگل اور سامنے کھلا تھا۔ میں نے کئی برس بحری سفر میں گزارے تھے۔ میں سمندر کی بو سونگھ کر سمندر کے

کا پتہ چلا لیتا تھا۔ میرے مشاہدے کے مطابق سمندر کو چڑھنا تھا۔ میں پھر سے ناجیہ کو گھسیٹنے لگا اور اُسے ساحل پر ایسی جگہ لے گیا جہاں اوٹ تھی۔ ناجیہ بے ہوش تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے ریت میں ایک چوڑا اور دو فٹ لمبا گہرا گڑھا کھودا، ناجیہ کو گھسیٹ کر گڑھے میں لٹا دیا اور اُس پر ریت ڈال دی۔ صرف چہرہ ننگا رہنے دیا۔ اُس کے قریب ہی میں نے ایسا گڑھا کھودا اور اس میں خود لیٹ کر اپنے اُوپر ریت ڈال لی۔ مجھے چونکہ معلوم تھا کہ سمندر چڑھ رہا ہے اس لئے یہ خطرہ تھا کہ لہریں اس چٹان تک پہنچیں گی جہاں میں نے گڑھے کھودے تھے۔ میں نے اپنا گڑھا سمندر کی جانب کھودا تھا تا کہ لہر آئے تو بیدار ہو جاؤں اور ناجیہ کو بچا لوں۔

پھر میری آنکھ لگ گئی۔ بخار تیز ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد چہرے پر چبھن سے میری آنکھ کھل گئی...... یہ سمندری کیکڑے تھے جو میرے چہرے پر پھر رہے تھے۔ میں نے اُنہیں ایک طرف ہٹایا، پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر ناجیہ کے چہرے پر رکھ دیا تا کہ کیکڑے اُسے پریشان نہ کریں۔ اس خیال سے میں ساری رات نہ سو سکا۔ ناجیہ نے کوئی حرکت نہیں کی کیونکہ میں ساری رات اُس کے منہ پر سے کیکڑے ہٹاتا رہا۔

کیکڑوں کے حملے روکتے روکتے رات گزر گئی۔ صبح کی روشنی میں ابھی دُھندلاہٹ تھی۔ میں نے اس دُھندلی روشنی میں ناجیہ کو دیکھا، ناجیہ بیدار ہو چکی تھی اور کھلی آنکھوں سے وہ سمندر کی سمت دیکھ رہی تھی۔ پھر میں ریت کے گڑھے سے نکل آیا اور اُسے بھی ریت کی قبر سے نکال لیا۔ ناجیہ حیرت زدہ نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ ساری رات سمندر چڑھا تو بس اتفاق ہی تھا کہ لہریں ہمارے تک نہیں پہنچی تھیں۔ اگر لہریں اس جانب آتیں تو بڑی مشکل پیش آتی۔

"ناجیہ! آؤ چلیں...... ہم یہاں رہ نہیں سکتے۔ رات کا میاں کی سب سے بڑی لانچ آئی۔ توپوں سے جزیرے پر کسی وجہ یا کسی شک کی بناء پر گولہ باری کی۔ مکان بھی اُس گولہ باری کی نظر ہو گیا۔ اب ہمیں اُسی پناہ گاہ میں جا کر چھپنا ہو گا جہاں پہلے چھپے تھے، جو ہم نے کھودی تھی...... کیا تم چل سکو گی......؟"

ناجیہ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور ہم دونوں چل پڑے۔ میں اپنے آپ کو چلنے کے قابل نہیں پا رہا تھا لیکن چلنے پر مجبور تھا۔ میں نے دو چار قدم طے کرنے کے بعد گھوم کر دیکھا، ناجیہ میرے پیچھے پیچھے آ

رہی تھی۔ گو کہ اُس میں بھی چلنے کی سکت نہیں تھی، اُس میں ایک اُمید افزا تبدیلی میں نے
جو محسوس کی وہ یہ تھی کہ وہ خاموش تھی اور اُس کے چہرے پر ٹھہراؤ تھا۔ اُس کا ذہن غالبًا
ٹھیک ہوگیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ میں نے اُس سے چلنے کے لئے کہا تھا وہ میرے
ساتھ خاموشی سے چل پڑی تھی۔ اُس کی لڑکھڑاتی ہوئی چال سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ چل
نہیں سکے گی۔ میں نے اُس کے پاس جا کر اُس کا ایک بازو اپنے کندھے پر رکھ لیا اور اپنا
بازو اُس کی کمر کے گرد لپیٹ کر اُس کا کچھ بوجھ اپنے اُوپر ڈال دیا تا کہ وہ میرے سہارے
آرام سے چل سکے۔ یہ وہی پُرشباب گداز جسم تھا جس کے لمس نے مجھے حیوان بنا دیا تھا۔
اب وہی جسم تھا جسے میں جنت کے مقدس پھول کی طرح پورے احترام سے اُٹھائے
اُٹھائے چل رہا تھا۔ اب مجھ پر یہ نکتہ منکشف ہوتا جا رہا تھا جو لذت پاکیزہ خیالات میں
ہے وہ پراگندہ خیالات میں نہیں ہے۔ آخر میں انسان تھا، جوان سال تھا۔ اپنے آپ کو
قابو میں رکھنے کے لئے مجھے صبر آزما جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ ناجیہ مجھ پر گری جا رہی
تھی۔ اُس کے بکھرے ہوئے ریشم جیسے بال میرے رُخساروں سے مس کر جاتے تو
میرے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔

ہم دونوں چلتے چلتے ایک جگہ رُک کر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں کے دم پھول گئے تھے۔
ناجیہ کو اس بات کا بالکل بھی علم نہیں تھا کہ وہ اتنے سارے دن بخار میں جلتی رہی ہے اور
اس کی تیمارداری کرتے کرتے میں خود بخار کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ خاموش تھی لیکن کبھی
کبھی ایک ٹک مجھے اس طرح دیکھنے لگتی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ مجھے اُس کی
نظروں کی تاب لانا مشکل ہو رہا تھا۔ مجھے اپنے گناہ پر شرمساری تھی۔ حالانکہ میں نے گناہ
نہیں کیا تھا، صرف ایک ارادہ یا کوشش کی تھی۔

اسی طرح چلتے اور بیٹھتے ہوئے، ہم اپنی پناہ گاہ تک پہنچ گئے۔ میں نے ناجیہ کو ایک
صاف ستھری جگہ پر لٹا دیا اور خود گڑھے میں اُتر گیا۔ جب میں نے اندر سے اس کا جائزہ
لیا تو دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ کیونکہ اتنی اچھی پناہ گاہ برباد ہو کر رہ گئی تھی۔ بارش کا پانی
اندر چلا گیا تھا۔ دیواروں کی مٹی گرتی رہی تھی۔ ناجیہ کا قبر نما گڑھا تو اور بھی زیادہ خراب
ہو چکا تھا۔ میں نے بخار کی حالت میں بھی آرام نہیں کیا، پناہ گاہ کو ٹھیک کرنا شروع کر دیا۔
چلو سے پانی باہر پھینکا اور کیچڑ نکالا۔ باہر سے خشک مٹی لا کر فرش پر ڈالی۔ پھر درختوں سے
پتے توڑ کر لایا اور پناہ گاہ کے دونوں فرشوں پر بچھا دیئے۔ اور پھر ان پر اور زیادہ

لا کر زیادہ پتے ناجیہ کے گڑھے میں رکھے تا کہ وہ اچھی طرح آرام کر سکے۔ یہ کام
معمولی نہیں تھا۔ ناجیہ چپ چاپ باہر لیٹی یہ سب کچھ دیکھتی رہی اور میں اپنے آپ کو
گھسیٹتا، کراہتا پناہ گاہ کو درست کرتا رہا۔

جب گھونسلا نما پناہ گاہ تیار ہوگئی تو میں نے ناجیہ سے کہا۔ ''اب تم نیچے چل کر آرام
کرو!''

ناجیہ مجھ سے کچھ کہے بغیر اُٹھی اور اُس گڑھے میں اُتر گئی۔ پھر وہ وہاں سے اپنے حصے
میں چلی گئی۔ اس قبر نما پناہ گاہ نے شاید اُسے گزرے ہوئے وقت کے لمحے یاد دلا دیئے
تھے اس لئے اُس نے پتوں کے بستر پر دراز ہونے کی بجائے دُعا کے لئے جیسے ہاتھ اُٹھا
دیئے۔ اور اُس کے سرخ گداز ہونٹ بدبدانے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا اُس کا ذہن حقیقت
کی طرف پلٹ رہا ہے۔ مجھے ایک طرح سے اس سے اطمینان ہوگیا تھا۔ پھر میں نے اُس
سے بات کرنا مناسب نہ سمجھا، باہر نکل آیا۔

میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس لانچ میں بدمعاشوں کی کتنی نفری آئی ہے اور یہ لوگ
کیا کر رہے ہیں؟ پھر میں جھاڑیوں، درختوں اور اُونچی نیچی چٹانوں کی اوٹ میں چھپتا،
رینگتا، چلتا اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا کیمپ کی طرف بڑھتا گیا۔ میں اس بات کا خطرہ محسوس
کر رہا تھا کہ یہ نئے اور پہلی بار یہاں آنے والے بدمعاش نہ ہوں گے۔ اس بات کا
خدشہ تھا کہ وہ سارے جنگل کی تلاشی لیں گے۔ اُن کے پہریدار شاید گشت پر نکلے ہوں
گے۔ میں ایک درخت کے نیچے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس درخت پر پرندے چہچہا رہے تھے۔
اچانک پرندے خاموش ہوگئے اور ایک ساتھ ہی پرواز کر گئے۔ میں ایک جھاڑی کے پیچھے
دبک گیا۔ پرندوں کے اُڑنے سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی درندے یا انسان سے ڈر کر
اُڑے ہیں۔ دوسرے ہی لمحے مجھے قدموں کی اور باتوں کی آوازیں قریب آتی سنائی دینے
لگیں......!

میں نے جھاڑی میں سے دیکھا، چھ بدمعاش مجھ سے بمشکل پچیس گز دُور خراماں
خراماں چلے جا رہے تھے۔ وہ شارٹ گنوں سے مسلح تھے۔ یہ پارٹی جزیرے میں گشت کر
رہی تھی۔ شاید انہیں کسی نے اطلاع دی ہوگی کہ اس جزیرے پر کسی اور مافیا نے قبضہ
کر لیا ہے۔ کاکا میاں نے اس مافیا کی سرکوبی کے لئے اس لانچ کو بھیجا تھا۔ اُس نے
یہاں پہنچتے ہی گولہ باری شروع کر دی تھی۔ مجھے ناجیہ کا خیال آیا کہ کہیں وہ باہر نہ نکل آئی

ہو۔ میں اتنی جلدی واپس نہیں جا سکتا تھا کیونکہ راستے میں دھر لئے جانے کا خدشہ تھا۔ میں نے کیمپ تک جانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا کیونکہ اس بات کا امکان تھا کہ بدمعاشوں کی یہ پارٹی اس طرف آ نکلے گی۔ میں اُس پارٹی کو دیکھتا رہا۔ ان بدمعاشوں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جزیرے کے ہر ایک کونے کھدرے کی تلاشی لیں گے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔

''کیا یہی ہمارا انجام ہے؟''

اب مجھے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اس خیال سے واپسی کا ارادہ کرلیا تھا کہ آخری وقت تک ناجیہ کے ساتھ رہوں۔ میں نے بدمعاشوں پر نظر رکھی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں چھپ کر اُس کے تعاقب میں گیا۔ وہ مجھے نظر آ گئے۔ وہ دُور چلے گئے تھے۔ پھر میں رینگتا اور دوڑتا ہوا اپنی پناہ گاہ کی طرف چلا گیا۔

جب میں پناہ گاہ میں اُترا تو ناجیہ مجھے لیٹی ہوئی نظر آئی۔ وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں اُسے دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میری اتنی جان لیوا محنت رائیگاں گئی تھی۔ میں نے پناہ گاہ کی چھت والی ٹین کی چادر آگے سرکا دی۔ اس پر میں پہلے ہی درختوں کی شاخیں ڈال چکا تھا مگر اب میں نے زیادہ احتیاط نہیں کی تھی۔ اب مجھے یقین ہو چلا تھا کہ ہم کسی صورت میں بچ نہیں سکتے۔ میں اب کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں فرش پر دراز ہو گیا۔ میں نے اپنا بازو بڑھا کر ناجیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، لیکن وہ بیدار نہیں ہوئی۔ اُس کے ہاتھ کے لمس میں ایک عجیب سا گداز اور فرحت سی محسوس ہوئی۔ میرا جسم جل رہا تھا، دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے دُھندسی چھانے لگی۔ میں یہ جان نہ سکا کہ یہ غشی ہے یا نیند......؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بدمعاش جزیرے کی تلاشی لے رہے ہوں گے، شکست کے احساس کے باوجود میں حقیقی دنیا سے بے خبر ہو کر خوابوں کی دنیا میں کھو گیا......!

میری آنکھ ناجیہ کے نیند میں بڑبڑانے کی وجہ سے کھل گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں جیسے پانی میں پڑا ہوا ہوں۔ میرے احساسات بخار کی گرفت میں تھے...... میں پانی ہی میں پڑا رہا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ مینہ برس رہا ہے اور پانی پناہ گاہ میں آ رہا ہے۔ پانی ناجیہ کے گوشے میں بھی جا رہا تھا مگر وہ بھی ذہنی اور جسمانی کیفیت کے زیر اثر بے خبر پڑی تھی۔ میں بھی غشی کی سی نیند سویا رہا۔

جب میں بیدار ہوا تو میرا ذہن بھی بیدار ہو گیا۔ سحر طلوع ہو رہی تھی مگر ابھی بھی دھندلکا تھا۔ میں اُٹھ بیٹھا۔ چند ثانیوں بعد ناجیہ کی آواز سنائی دی۔

''یہ تم ہو میرے دوست! میرے ساتھی ......؟ تم مجھے ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہے ہو۔ یہ تمہی ہو نا......؟''

ناجیہ کی رسیلی آواز نے میرے جسم میں جیسے ایک نئی رُوح پھونک دی تھی۔ میں بھول گیا تھا کہ میں خود بھی بخار میں جل رہا ہوں۔ مجھے یاد آیا کہ اُس پر بخار کا شدید حملہ ہوا تھا جس سے اُس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ اب میں نے سحر کی تاریکی میں ناجیہ کی آواز سنی تو یہ دیکھ کر اطمینان محسوس ہوا کہ اُس کی آواز میں ٹھہراؤ ہے۔ الفاظ میں ربط ہے۔

میں نے جواب دیا۔ ''ہاں ناجیہ! یہ میں ہوں۔ اب تم کیسی ہو؟ ٹھیک تو ہو نا؟''

''ہاں ...... میں اپنے آپ کو کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں۔'' ناجیہ کے لہجے میں نقاہت سی تھی۔ ''جسم تھکن سے چور چور ہے، ٹوٹا ہوا سا لگ رہا ہے۔ مکان کے اندر شاید پانی آ گیا ہے۔''

ناجیہ کو ابھی تک احساس ہی نہ ہو سکا تھا کہ وہ مکان میں نہیں بلکہ اُس گڑھے میں ہے جسے ہم پناہ گاہ کہتے تھے۔

''ہم پناہ گاہ میں ہیں ناجیہ!'' میں نے اُسے بتایا۔ ''یہ مکان نہیں ہے۔''

ناجیہ میری بات سن کر خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سرسراتی ہوئی سی آواز میں دریافت کیا۔

''ہم دوبارہ یہاں کیسے اور کیوں آ گئے ہیں؟ اُس مکان کو کیا ہوا؟ اُسے کیوں چھوڑا؟''

''اس لئے کہ بدمعاش واپس آ گئے ہیں۔'' میں نے اُسے بتایا۔ ''ہمیں وہ مکان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ اور پھر تمہیں بخار نے بے ہوش کر دیا تھا۔''

وہ میری بات سن کر خاموش رہی۔ چند لمحوں کے بعد میں نے پوچھا۔

''تمہیں کچھ یاد بھی ہے ناجیہ؟''

دھندلکے میں ناجیہ کی بڑی پیاری سی آواز کچھ گھبرائی ہوئی سی سنائی دی۔ اُس نے پراگندگی سے کہا۔ ''شاید...... شاید...... کہیں آگ بھی لگی تھی۔ دھماکے ہوئے تھے...... یا پھر شاید میں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔''

پھر میں اُسے تفصیل سے بتانے لگا کہ ہم کس طرح مکان سے فرار ہوئے تھے اور میں اُسے کس طرح گھسیٹتا ہوا ساحل تک لے گیا تھا؟ گولہ باری ہوئی تھی، بدمعاش آ گئے تھے اور وہ اس عرصے میں بے ہوش رہی تھی۔ مگر میں نے اُسے یہ یاد نہیں دلایا کہ میں نے اُس کے ساتھ دست درازی کی تھی اس لئے وہ موسلا دھار بارش کی پرواہ کئے بغیر مکان سے بھاگ نکلی تھی۔ اُسے شاید یہ واقعہ یاد نہیں تھا، ورنہ وہ ضرور کچھ کہتی۔

''ہم لوگ پھر سے خطرے میں گھر گئے ہیں...... مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا ہوگا؟''

''ہوگا کیا...... ہمیں اس بل میں چھپے رہنا ہوگا۔'' میں نے اُسے جواب دیا۔

میرا بدن بخار سے ادھ موا ہو گیا تھا اور مجھ میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ ٹھیک سے بول سکوں۔ پھر بھی میں اُس سے کہنے لگا۔ ''بدمعاش واپس آ گئے ہیں اور پورے جزیرے پر پھیل گئے ہیں۔ اب ہم اسی قبر میں بیٹھے بیٹھے مر جائیں گے...... جان بچانے کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم بھوک اور قید سے بے حال اور مجبور ہو کر بدمعاشوں کے سامنے جا کھڑے ہوں، اُن سے کہیں ہمیں جان سے مار دیں۔ وہ شاید مجھے مار دیں، لیکن تمہیں....''

میری آواز اور لہجے سے شکست خوردگی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ ناجیہ نے میری بات جیسے سنی ان سنی کر دی یا پھر وہ سمجھی نہیں تھی۔ سمجھ جاتی تو میری طرح گھبرا جاتی، دہشت زدہ ہو جاتی، مجھ سے لپٹ جاتی۔ لیکن اُس نے کسی ایسے ڈر اور خوف کا اظہار نہیں کیا۔ وہ شاید کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

چند لمحوں کے بعد وہ کہنے لگی۔ ''کیا مجھے بخار ہو گیا تھا؟ تم نے کہا تھا کہ مجھے بخار نے بے ہوش کر دیا تھا...... تم نے شاید یہ بھی کہا تھا کہ میرا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔''

وہ بولتے بولتے یکلخت خاموش ہو گئی، پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر رُک رُک کر اور یاد کر کر کے کہنے لگی۔

''ذہن میں کچھ یادیں تازہ ہو رہی ہیں۔ واپس آ رہی ہیں...... بخار سے پہلے...... ہاں بخار سے پہلے شاید کچھ ہوا تھا۔ کچھ یہ یاد آ رہا ہے کہ مجھے بخار نہیں تھا اور مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ پھر ایک روز کچھ ہوا تھا......'' وہ پھر سوچ میں ڈوب گئی۔ تھوڑی دیر بعد جھنجھلا کر بولی۔ ''میرے دوست! میرے ساتھی! مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا تھا؟ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا

ہے۔ شاید تمہیں یاد ہو......؟''

''اوہ......'' میری زبان سے بے اختیار ایک آہ سی نکل گئی۔ پھر مجھے غصہ آ گیا۔ مجھے ناجیہ وہ بات یاد دلانے پر مجبور کر رہی تھی جسے میں ذہن میں لانے سے گریزاں تھا۔ میں اپنے گناہ کی یاد سے گھبرا رہا تھا، وہ کوئی اچھی بات نہیں تھی جو میں اُسے بتاتا۔ اس لئے مجھے غصہ آ گیا تھا کہ یہ وقت گزری باتوں اور لغزشوں کو دہرانے کا نہیں تھا۔ میں تو اب اس احساس کو ذہن سے صاف کر دینا چاہتا تھا کہ میرا تعلق مافیا سے رہا ہے۔ میرے ساتھ ایک ایسی لڑکی جو حسن و جمال کا پیکر ہے مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں اپنا گناہ یاد کروں۔ جبکہ یہ وقت اس بات کو سوچنے کا تھا کہ بھوک اور پیاس کی موت بہتر ہے یا بدمعاشوں کے ہاتھوں مرنا......؟

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اگر میں اسے بدمعاشوں کے حوالے کر دوں تو میرے دل کو کس قدر شدید صدمہ پہنچے گا۔ کیونکہ میں اس لڑکی کے خوبصورت اور پُر شباب جسم سے خود لطف نہ اُٹھا سکا اور بدمعاش لے جائیں؟ اور پھر سارے بدمعاش مل کر اس ایک لڑکی کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کریں گے۔ اس کی مثال ایک کھلونے کی سی ہو جائے گی۔ غصے کی بات یہ تھی کہ وہ گزرے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی اس لئے مجھے اس پر غصہ آ گیا تھا۔ میں نے جلد ہی اپنے غصے پر قابو پا لیا۔

جب میرا غصہ فرو ہوا تو ان پریشان کن حالات اور اتنی بڑی افتاد اور ایسی جسمانی نقاہت میں بھی میرے دل میں پھر وہی خیال آ گیا جو تنہائی میں ایک جوان آدمی کو ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر آتا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ لڑکی صرف میری ہے، میں نہ صرف اس کے جسم کا بلکہ اس کی رُوح کا بھی مالک ہوں۔ اب یہ میری ملکیت بن چکی ہے، اسے میں نے طوفانی بارش میں ڈھونڈا ہے، اس کی تیمارداری کی ہے، اپنی جان پر کھیل کر اسے موت کے منہ سے نکالا ہے۔ اسے درندہ صفت بدمعاشوں سے بچایا ہے۔ اور پھر میں شدید کمزوری کی حالت میں بھی اسے لئے لئے پھرتا رہا ہوں۔ آخر کیوں......؟ صرف اس لئے کہ یہ میری ہے اور اب یہ اگر جاننا چاہتی ہے کہ بخار سے پہلے اس کے ساتھ کیا ہوا تھا تو چھپاؤں کس لئے؟ یہ زیادہ بہتر ہے کہ میں اُسے بتا دوں کہ میں نے اُس کے ساتھ جنسی خواہش کا اظہار کیا تھا وہ کیا تھی؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اور اس معصوم لڑکی کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے اُسے چاہا ہے اور بے پناہ چاہتا ہوں۔ اُسے اس بات کا بھی احساس

ہونا چاہئے کہ وہ غیر معمولی طور پر بہت حسین ہے۔ اس کے حسن و جمال کے ان گنت پہلو ہیں۔ مذہب نے اس کے جذبات اور ارمانوں کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے۔

ناجیہ نے جب مجھے مخاطب کیا تو میری سوچوں کا رُخ بدل گیا۔

''جب میں بخار سے بے ہوش ہو گئی تھی تو کیا ہوا تھا......؟ تم نے بتایا ہے کہ تم مجھے جگہ جگہ لٹاتے اور لئے لئے پھرتے رہے ہو۔ بچوں کی طرح گود میں اُٹھایا۔ میرا مطلب ہے...... میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ بے ہوشی میں تم نے......'' اتنا کہہ کر اُس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

اُس کے لہجے میں غصہ، احتجاج یا تاسف نہیں تھا بلکہ ہلکا سا دُکھ اور بے بسی سی تھی۔

مجھے اس طرح سے جھٹکا لگا جیسے میں نے بجلی کا ننگا تار چھو لیا ہو۔ میں اُس کے شک کو سمجھ گیا تھا۔ میری رگوں کے اندر لہو اُبلنے لگا۔ مجھے ایک دم طیش آ گیا۔

''کیا تم نے مجھے اس قدر ذلیل، کمینہ اور گھٹیا آدمی سمجھ رکھا ہے کہ میں نے بے ہوشی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے تمہیں آلودہ کر دیا ہے......؟ تم نے......''

میں نے اُس کے بشرے سے اندازہ کیا کہ ناجیہ کو بھی ایسا ہی جھٹکا لگا ہے جیسے مجھے لگا تھا۔ اُس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''پلیز! تم میری بات تحمل اور ضبط سے سننے کی کوشش کرو۔ دراصل میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ یہ سب کچھ کیا تھا؟ میں تمہیں سمجھنا چاہتی ہوں۔ دیکھو...... ہم دونوں مصیبت اور اذیت میں گرفتار ہیں۔ ہم نے بہت دُکھ جھیلے ہیں۔ یقین کرو! میں تم سے بالکل بھی ناراض نہیں ہوں۔ میں صرف وہ باتیں سمجھنا چاہتی ہوں جو تم نے مجھ سے کہی تھیں۔ شاید میں واضح نہیں کر سکی کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔''

میں اُس کی بات کی تہہ میں پہنچ گیا۔ وہ جو کچھ پوچھنا چاہتی تھی اب وہ صاف واضح ہو چکا تھا۔ میں نے ناجیہ کے گھٹے ہوئے جذبات کی گانٹھیں کھول دی تھیں، زنجیریں توڑ دی تھیں۔ مگر عجیب سی بات یہ تھی کہ ناجیہ ایک طرف زنجیریں اپنے گرد لپیٹ بھی رہی تھی اور دوسری طرف ان سے آزاد بھی ہونا چاہتی تھی۔

میں نے اُس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے کہا۔

''ناجیہ! کھل کر بات کرو۔ تمہارے دل میں جو بات ہے وہ بلا جھجک اپنی زبان پر لے آؤ۔ کوئی بات مت چھپاؤ...... میں یہ چاہتا ہوں کہ تم سب کچھ سمجھ جاؤ......''

''میں تمہاری بات کی تہہ میں پہنچ چکی ہوں۔'' وہ کہنے لگی۔ اُس کی آواز بکھری ہوئی

تھی۔ ''گھروں میں لڑکیوں کو ایسی باتیں بتائی نہیں جاتی ہیں۔ میں ایک عام قسم کی عورت ہوں۔ لگی بندھی ڈگر پر چلنے والی ہوں۔ میں چار دیواری ہی کو دنیا سمجھتی رہی۔ اس کی قید میں خوش رہی۔ مگر تم نے کسی اور ہی دنیا سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ اب میں اس دنیا کو جاننا چاہتی ہوں تا کہ ایک نئی لڑکی بن سکوں...... مجھ میں حقیقت سے آشنائی ہو اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکوں...... اور ہاں، تم نے مجھے تفصیل سے بتایا ہے کہ تم میرے غلیظ جسم کو صاف کرتے رہے؟''

''ہاں......'' میں نے قدرے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں یہ کام نہ کرتا تو اور کون کرتا...... میں تمہارے تمام کپڑے اُتار کر تمہارا جسم صاف کرتا رہا ہوں۔ میں نے یہ کام اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے۔''

ناجیہ سرک کر میرے قریب آ گئی اور بڑی بوڑھیوں کے انداز سے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر کہنے لگی۔

''اللہ تم پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے...... میرے ہمدم! اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ تم نے جو کچھ کیا وہ خدا کی خوشنودی کے لئے کیا...... تمہاری نیت بالکل صاف تھی، دل سچائی کے انمول جذبے سے بھرا ہوا تھا۔ تمہارے خلوص کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے میرے برہنہ جسم کو صاف رکھا۔ اب میری سمجھ میں ساری باتیں آ گئی ہیں۔ تم نے میرے جسم کو اپنی ملکیت سمجھ کر اس کا ہر طرح سے خیال رکھا اور صاف کیا۔ تم میرے ہمدم ہو...... آخری منزل تک رفیق سفر......''

وہ میرے مٹی اور پسینے سے اٹے ہوئے بالوں میں نازک نازک ہاتھ پھیرتی رہی۔ میں نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا، اُس کی آنکھوں میں جھانکا تو ایسا محسوس ہوا کہ اُس پر جذباتیت اور خود سپردگی کی کیفیت طاری تھی۔ اگر میرے دل میں بدمعاشوں کا خوف سوار نہ ہوتا تو میں شاید اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکتا اور اس کا ردِ عمل اس قدر شدید، رومان انگیز بلکہ ہیجان خیز ہوتا کہ ہم دونوں طوفان کی زد میں آ جاتے۔ مگر میں پتھر کے مجسمے کی مانند بے جان اور بے حس رہا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس قبر میں بھوک سے مر جائیں یا اپنے آپ کو بدمعاشوں کے حوالے کر دُوں؟ اب میرے سامنے ایک تیسری صورت آ گئی۔ وہ یہ کہ ناجیہ اکیلی بدمعاشوں کے پاس چلی جائے اور زندہ رہنے اور اس وادیٔ موت سے نکلنے کی تدبیر کرے۔

ذہن میں یہ بات آتے ہی میں نے کہا۔

''ناجیہ! میں اس بات پر نازاں ہوں کہ تم نے مجھے اپنے جسم کا مالک کہا اور اسے میرے تابع کر دیا۔ لیکن اس وقت ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اب ہم کیا کریں؟ کیا تم اس بات کو پسند کرو گی کہ میں تمہیں بدمعاشوں کے کیمپ کے قریب چھوڑ آؤں اور خود روپوش ہو جاؤں؟ کیا ان بدمعاشوں سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ تمہیں ایک پاک دامن لڑکی سمجھ کر تمہاری عزت کو پامال نہ کریں...... میں کسی نہ کسی طرح زندہ رہنے کی کوشش کروں گا یا پھر کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو موت کی نذر کر دوں گا۔ جب تک تم میرے ساتھ ہو میں مرنا نہیں چاہتا...... لیکن یہ بات میرے لئے قابل قبول نہیں ہے کہ اذیت ناک زندگی جی کر گزاروں۔''

''نہیں...... میں ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گی......'' ناجیہ نے تڑپ کر جواب دیا۔ ''مرنا ہے تو میں تمہارے ساتھ ہی مروں گی۔ لیکن مجھے قدرتی طور پر ایسے اشارے مل رہے ہیں کہ ہمیں اُن بدمعاشوں کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ وہ بھروسے کے قابل نہیں ہیں...... وہ درندہ صفت ہیں۔''

''کیا یہ تمہارا قیاس ہے؟'' میں نے کہا۔

''قیاس نہیں ہے...... میرا خدا میری رہنمائی کر رہا ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''جو تمہارے دل میں آتا ہے اس پر عمل کرو۔'' میں نے قدرے بیزاری سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ عجلت بازی کی بجائے ہم ایک دن اور انتظار کر سکتے ہیں...... تمہیں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہے۔ تم یہیں بیٹھو ناجیہ!...... میں جا کر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔''

مجھ میں بہت کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ جب میں اُٹھا تو چکر سا آ گیا۔ میں نے بہ دقت تمام اپنے آپ کو سنبھالا۔ ساون کے حبس نے میری بیماری میں اضافہ کر دیا تھا لیکن میں نے حوصلہ نہیں رہا۔ میں نے گڑھے کی چھت والی چادر ہٹائی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرا جسم بے جان ہو گیا ہے اور میں کسی کام کے قابل نہیں رہا ہوں۔ کھانے کے لئے اب کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ بخار اور گرمی کی وجہ سے میرا حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا، ایک قطرہ پانی بھی نہیں تھا کہ منہ میں ٹپکا سکوں۔ دماغ بھی ماؤف سا ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب میری یہ حالت ہے تو ناجیہ کی کیا حالت ہو رہی ہو گی؟ شکست

کے احساس اور مایوسی نے رہی سہی سکت بھی ختم کر دی تھی۔ اب ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ میں نے یہ فیصلہ کیا تو وہ میرے دل میں زہر میں بجھی ہوئی چھری کی طرح اُتر گیا۔ میں اُسے ان درندوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میرے لئے یہ امر بھی قابل برداشت نہیں تھا کہ یہ نازک سی لڑکی بھوک، پیاس اور قبر کے حبس میں تڑپ تڑپ کر اپنی جان دیدے۔

میں نے اپنی ساری طاقت مجتمع کی اور پورا زور لگا کر گڑھے سے باہر آ گیا۔ صبح کی تازہ اور فرحت بخش ہوا سے میں نے اپنے سارے جسم میں قدرے توانائی اور تازگی سی محسوس کی۔ میں چل پڑا۔ مگر تین چار قدم چل کر مجھے ایسا لگا کہ اب میں ایک قدم بھی چل نہیں سکتا ہوں۔ ایک درخت کا سہارا لے کر میں نے مری ہوئی قوتِ ارادی میں جان ڈالنے کی کوشش کی۔ پھر میں نے ایک قدم بڑھایا۔ اچانک مجھے ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی...... سری لنکا کے طیارے شاید اُس مسافر لانچ کو تامل ٹائیگرز کی لانچ سمجھ کر آئے تھے۔ لیکن تھوڑی دیر بمباری کر کے لوٹ گئے۔ کیونکہ اُنہیں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ یہ بنگلہ دیش کی مسافر لانچ ہے۔ لیکن میں اس بمباری سے کچھ ایسا حواس باختہ ہوا کہ واپس ہوا۔ ناجیہ کو پکارنے لگا۔ ناجیہ میری طرف آ رہی تھی۔ میں دوڑ نہ سکا، آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ میری نظروں کے سامنے اُس کا چہرہ دُھندلا گیا اور پھر اندھیرا چھا گیا...... پھر میں بے ہوش ہو گیا......!

❑......❑
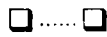
ناجیہ نے مجھے ہوش میں آنے کے بعد بتایا کہ اس کے پہنچنے سے پیشتر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا۔ اُس نے میرے قریب بیٹھ کر مجھے اپنی آغوش میں بھر لیا تھا اور اپنے پلّو سے میرے چہرے سے مٹی اور پسینہ صاف کرنے لگی۔ اُس کے پاس دوا نہیں دُعا تھی۔ لہٰذا وہ دُعا کر کے میری سلامتی کی بھیک مانگنے لگی۔ جب میری آنکھ کھلی میں پناہ گاہ کے اندر پڑا تھا۔ وہ میرا ماتھا سہلا رہی تھی۔ یہ نازک سی لڑکی بہ دقت تمام مجھے گھسیٹ کر پناہ گاہ میں لائی، پھر اس نے مجھے نیچے اُتارا تھا۔ وہ میرے لئے دُعا کرتی اور روتی رہی تھی۔ میرے حلق میں ٹپکانے کے لئے پانی کا قطرہ بھی نہیں تھا۔ میں سارا دن بے ہوش پڑا رہا تھا۔ اب جبکہ مجھے ہوش آیا تو سورج غروب ہو رہا تھا۔

میں نے بیدار ہو کر اُٹھ کر بیٹھنے کے بعد اُس سے پوچھا۔

''کیا کوئی طیارہ پھر آیا تھا...... ؟ اُس نے بمباری کی تھی؟''

''نہیں ......'' ناجیہ نے نقاہت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''سارا دن خاموشی چھائی رہی۔''

''میرا خیال ہے کہ اس طیارے کی بمباری سے شاید بدمعاش خوفزدہ ہو کر چلے گئے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''شاید افراتفری میں کھانے کا سامان چھوڑ گئے ہوں۔ میں جا کر دیکھتا ہوں...... میں کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ لیتا آؤں گا۔ تم یہیں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔''

ناجیہ نے یہاں بیٹھ کر میرا انتظار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مجھ سے کہا کہ میری حالت ایسی نہیں ہے کہ میں باہر نکلوں۔ اس کے باوجود میں جاؤں تو اسے بھی ساتھ لے جاؤں۔ گو کہ وہ بھی چلنے کے قابل نہیں رہی تھی مگر بھوک مجبور کر رہی تھی کہ ہم باہر نکلیں اور کچھ تلاش کریں۔ جب میں پناہ گاہ سے نکلا تو ناجیہ بھی میرے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ اب تو ہم دونوں لاشیں بن چکے تھے۔ باہر رات کی تاریکی تھی، کوئی ہم دونوں کو دیکھ لیتا تو بدرُوحیں سمجھ کر بھاگ جاتا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو تھام رکھا تھا اور سہارا دے کر بدمعاشوں کے کیمپ کی طرف جا رہے تھے۔ ناجیہ دو تین مرتبہ گرنے لگی تھی لیکن میں نے اُسے بازوؤں میں لے کر گرنے سے بچا لیا۔ جب میرے قدم ڈگمگائے تو ناجیہ نے میرا بوجھ اپنے جسم پر لے کر مجھے اپنی نرم و نازک بانہوں میں بھر لیا۔ دو پُر شباب جسم مل کر ایک ہو گئے تھے لیکن جذبات سرد ہی رہے۔ ان میں کوئی اُبال نہیں آیا، طوفان نہیں آیا۔ بھوک کی عفریت نے ہمارے خون کی حرارت ختم کر دی تھی۔

خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں درختوں میں سے روشنی نظر آنے لگی۔ یہ بدمعاشوں کا کیمپ تھا۔ اس وقت ہم دونوں ایک پہاڑی پر تھے۔ پھر ہم دونوں گرتے پڑتے کیمپ کے قریب چلے گئے جہاں سے کیمپ اچھی طرح نظر آنے لگا۔ ہم دونوں وہیں رُک کر اس سمت دیکھنے لگے۔

یہاں پر بدمعاش نہایت سکون اور اطمینان سے تھے۔ کھلی فضا میں گوشت بھون کر کھایا جا رہا تھا۔ دو جگہ الاؤ روشن تھا۔ تھوڑی دُور بندرگاہ میں وہی مسافر لانچ موجود تھی جسے میں دیکھ چکا تھا۔ شراب کا دور بھی چل رہا تھا۔ فضا میں بھنے ہوئے گوشت کا سوندھا پن پھیلا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سب خیموں میں چلے گئے۔

ناجیہ کے منع کرنے کے باوجود بھی میں اُس جگہ بڑھا جہاں آگ بجھ رہی تھی۔ میں
ہاڑیوں کے درمیان سے ہوتا ہوا بڑھا تھا۔ اس وقت گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ
کر اور شراب پی کر مدہوشی کی حالت میں سو رہے تھے۔ نجانے مجھ میں اتنی ہمت اور
ت کہاں سے آ گئی تھی کہ میں ایک خیمے کے پاس پہنچا۔ اندر جھانکا خیمے انسانی بو نہ تھی۔
ہیں جو بو آ رہی تھی وہ کھانے کے سامان کی تھی۔ میں نے اندر جا کر اندھیرے میں ٹٹولا تو
یوں پر ہاتھ پڑا۔ میں نے دو تین ڈبے اُٹھا لئے، باہر نکل کر آگ کے پاس سے گزرا تو
ہاں ایک بکرے کی ران سیخ میں بھنی ہوئی نظر آئی۔ میں نے اُٹھا اُٹھا لیا۔ معلوم نہیں
یوں اسے چھوڑ دیا گیا تھا؟ چونکہ پیٹ بھر گیا تھا اس لئے شاید ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا یا
اس پر ہمارا نام لکھا ہوا تھا۔ وہاں ایک بوتل بھی پڑی ہوئی تھی۔ اُسے بھی میں نے اُٹھا
یا اور ناجیہ کے پاس پہنچ گیا۔

ناجیہ نے اتنا کچھ دیکھا تو اُس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پہلے ہم دونوں نے
کر بکرے کی بھنی ہوئی ران پر ہاتھ صاف کیا، اس سے ہمارا پیٹ بھر گیا۔ اب جو دو تین
بے تھے وہ ہمارے لئے دو دن کے لئے کافی تھے۔ میں نے بوتل دیکھی، وہ برانڈی کی
ی۔ اس گرمی میں نجانے کیسے برانڈی کی سوجھی تھی؟ لیکن یہ برانڈی بڑے موقع سے ملی
ی۔ بھری ہوئی بوتل تھی جسے وہ بھول گئے تھے۔ میں نے بوتل سے منہ لگا کر دو تین
ونٹ لئے تو میرے سارے بدن میں نہ صرف جان آ گئی بلکہ ساری کھوئی ہوئی توانائی
ٹ آئی۔ میں ایک دم سے تازہ دم ہو گیا۔ بخار وغیرہ کی کیفیت بھی دب گئی۔

ناجیہ نے اپنی زندگی میں کبھی شراب دیکھی نہیں تھی لہٰذا اُس کے چکھنے کا سوال بھی پیدا
یں ہوتا تھا۔ یوں بھی اُن کے نزدیک ہر مسلمان کے لئے شراب حرام شے تھی۔ برانڈی
ور دوسری شرابوں میں فرق تھا۔ برانڈی پینے سے اُس کی طاقت لوٹ کر آ سکتی تھی۔ میں
سے دوا کے طور پر استعمال کرانا چاہتا تھا۔

میں نے اُس کی طرف بوتل بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ناجیہ! دو تین گھونٹ پی لو......''

''یہ کیا ہے؟'' اُس نے چونک کر مشکوک نظروں سے بوتل کو گھورا۔

میں نے سوچا کہ جھوٹ سے کام لوں۔ کہہ دوں کہ شراب ہے لیکن میں جھوٹ نہ بول

''یہ برانڈی ہے۔''

''برانڈی......؟'' اُس کے حسین چہرے پر سایہ لہرا گیا۔ ''یہ تو شراب ہے......شراب حرام ہے۔''

''شراب کے دائرے میں تو آتی ہے......لیکن یہ ایک طرح سے ٹانک ہے۔تم اسے ٹانک سمجھ کر پی لو۔''

''نہیں......'' اُس نے سر ہلایا۔ ''میں شراب کو ٹانک کیسے سمجھ لوں؟''

''تم اسے دوا کے طور پر استعمال کرو گی تو یہ حرام نہیں ہو گی......اس شراب اور دوسری شراب میں بڑا فرق ہے۔ دوسری شرابوں میں نشہ ہوتا ہے لیکن برانڈی میں نہیں......دو تین گھونٹ پینے سے تمہاری ساری کمزوری اور نقاہت دُور ہو جائے گی۔ کھوئی ہوئی طاقت لوٹ آئے گی۔ نئی جان پڑ جائے گی۔ تمہیں ایسا محسوس ہو گا کہ تم کبھی کمزور اور بیمار نہیں رہی ہو۔''

پھر اُس نے تھوڑی دیر تک حیل و حجت کرنے کے بعد دو تین گھونٹ حلق سے اُتار لئے......اُسے ایک اُبکائی سی بھی آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولی۔ ''تم نے بالکل سچ کہا تھا۔ میرے جسم میں نئی جان پڑ گئی ہے۔ اب میں بالکل بھی کمزوری اور نقاہت محسوس نہیں کر رہی ہوں......واقعی یہ بہترین ٹانک ہے۔'' اُس کا چہرہ دمک اُٹھا۔

جب ہم پناہ گاہ کی طرف واپس جا رہے تھے تو تازہ دم تھے۔ کسی قسم کی کمزوری محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

پناہ گاہ میں پہنچ کر صبح میں نے ان مہر بند ڈبوں کو دیکھا۔ وہ گوشت کے ڈبے تھے۔ احتیاط سے استعمال کرنے سے صرف تین چار دن چل سکتے تھے۔

ناجیہ دو تین دن کا راشن دیکھ کر خوش نہیں ہوئی۔ اُسے اس بات کی فکر تھی کہ اس کے بعد کیا ہو گا؟ اور پھر بدمعاشوں نے جو کیمپ لگایا ہوا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اب شاید ہی واپس جائیں۔

○□○

''معلوم نہیں وہ کب تک رہیں......'' ناجیہ دھیرے سے بولی۔ ''کیا ہم یہاں اسی طرح قیدیوں کی طرح رہیں گے؟''

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی موت اچھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ آخر ہم کب تک اس بل میں چوہوں کی طرح زندگی گزاریں گے؟''

''میں نے یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کس طرح یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں؟ کوئی کشتی ہے، نہ موٹر بوٹ اور نہ ہی خشکی کا راستہ؟'' وہ بے دلی سے بولی۔

''دو ایک دن میں لانچ آ سکتی ہے......شاید یہاں ایک دو دن رُکے۔ ہم اس سے فائدہ اُٹھا کر فرار ہو سکتے ہیں۔''

اسی وقت لانچ کا بھونپو بجا تو میں حیرت اور خوشی سے اُچھل پڑا۔ میں بے چینی سے سورج ڈوبنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب دن ڈوب گیا اور اندھیرا گہرا ہو گیا تو میں نے ناجیہ سے کہا۔ ''میں باہر جا رہا ہوں۔''

''کہیں وہ بدمعاش تمہیں جنگل میں تلاش تو نہیں کر رہے ہوں گے؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''میری بلا سے......لیکن خطرہ تو مول لینا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔'' ناجیہ نے کہا۔ ''میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔''

پھر ہم دونوں رات کی تاریکی میں باہر نکل کر اس سمت چل پڑے جہاں بدمعاشوں کی موجودگی کا امکان تھا۔ ہم دونوں بے آواز اور بے حد محتاط ہو کر چل رہے تھے۔ ہر آہٹ

پر ہمارے کان کھڑے ہو جاتے تھے۔

ہم دونوں کچھوے کی رفتار سے چلتے ہوئے بدمعاشوں کے کیمپ کے قریب پہنچ گئے۔ اب ہم پہلے سے بھی کہیں محتاط اور چوکنا تھے۔ کیمپ کی بتیاں دکھائی دینے لگیں۔ یہ نیلے رنگ کی بہت ہی ہلکی بتیاں تھیں جن کے اوپر شیڈ لگے تھے تاکہ سمندر سے کسی بحری یا ہوائی جہاز کو نظر نہ آسکیں۔ پھر ہم اُس طرف بڑھنے لگے جدھر بندرگاہ تھی۔ اُفق کے پس منظر میں ایک لانچ کا سایہ نظر آیا۔ لانچ میں بھی مدھم نیلی روشنیاں تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ لانچ میں کوئی موجود نہیں ہے۔ کیمپ یا اس مکان میں شاید بدمعاش ہوں جسے اُنہوں نے سنور بنا رکھا تھا۔

میں نے ناجیہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لانچ کی طرف لے کر بڑھا۔ سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ ہم دھڑکتے دل سے لانچ میں سوار ہو گئے۔

عرشے پر گہرا سناٹا اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں اُسے لے کر زینے کی طرف بڑھا تاکہ اسے سنور رُوم میں چھپا دوں، پھر سیڑھی اُوپر کھینچ کر لانچ چلا دوں۔ مجھے لانچ چلانی آتی تھی۔ میں نے ناجیہ کی طرف دیکھا، وہ بڑی پُرعزم تھی۔ اُس کے چہرے پر خوف کی لکیر تک نہ تھی۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ وہ اس بات سے خوش ہو رہی تھی کہ ہم اس جہنم سے فرار ہو رہے ہیں۔

ہم نے جیسے ہی نیچے والے زینے پر قدم رکھا، وہ ایک دم تیز روشنیوں میں نہا گیا...... نیچے جہاں تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ بالکل بھی نہ رہی۔ سامنے جو بیڈ رُوم تھا اس میں سے تین مسلح بدمعاش ہنستے ہوئے باہر آئے۔ اُن تینوں نے چونک کر ناجیہ کو حیرت سے دیکھا۔ پہلے والے بدمعاش نے کہا۔ ''یک شد نہ دو شد...... یار! ہم تو یہاں تمہاری تلاش میں آئے تھے۔ یہ شہزادی کہاں سے آئی......؟ کون ہے یہ......؟''

''جو بھی ہے تمہیں اس سے کیا مطلب......؟'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔ ناجیہ میری پشت پر آ کر کھڑی ہو گئی۔

''مطلب کیوں نہیں......'' دوسرے بدمعاش نے قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے کہا۔

''اگر تم لوگوں نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھا تو میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گا۔'' میں نے برہمی سے کہا۔

''صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ تم شادی کر کے اس جزیرے پر ہنی مون

منانے آ گئے......؟'' تیسرے بدمعاش نے تمسخر سے میری طرف دیکھا۔

''تم لوگ اس لڑکی کے بارے میں نہیں بلکہ میرے بارے میں بات کرو...... تم لوگ کیا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا۔

''لیڈیز فرسٹ......'' پہلے والے بدمعاش نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''پہلے اس کے متعلق فیصلہ ہو جائے۔''

''اس کے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہتے ہو......؟'' میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''یہی کہ یہ لڑکی مالِ غنیمت ہے اور اس پر ہم سب کا حق ہے۔'' وہ استہزائی لہجے میں بولا۔

''رامو!...... تم اپنی اوقات بھول رہے ہو۔ تم لوگوں نے اسے ہاتھ لگایا تو ہاتھ توڑ کر رکھ دوں گا......'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''یہ ایک معصوم اور نیک سیرت لڑکی ہے۔''

''تم یہ جانتے ہوئے بھی اکڑ رہے ہو کہ ہمارے رحم و کرم پر ہو...... ہم اسے بڑی آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔'' رامو نے کہا۔ ''تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمیں شریف لڑکیوں کی تلاش رہتی ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں یہ نایاب شے ہے۔''

''یہ تمہاری بھول ہے کہ میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں...... اگر تم میں ہمت ہے تو اسے ہاتھ لگا کر دیکھو۔''

''تم مجھے چیلنج کر رہے ہو......؟'' وہ پھنکارا۔ ''تمہارے لئے صرف ایک گولی کافی ہے۔ قصہ ہی ختم ہو جائے گا...... پھر تمہاری رُوح بھی اس لڑکی کو بچا نہ سکے گی......''

''ایک گولی تو میرا خاتمہ کر دے گی...... لیکن کاکا میاں مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے پر تمہارا کیا حشر کرے گا یہ تم اچھی طرح جانتے ہو...... وہ حکم عدولی کرنے والے کو زندہ پکڑ کر اُس کے جسم کی بوٹیاں کاٹ کاٹ کر کتوں کو کھلاتے ہوئے بہت خوش ہوتا ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

رامو کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر اُس نے سنبھل کر کہا۔ ''کاکا میاں نے تمہیں زندہ یا مُردہ لانے کے لئے کہا ہے۔''

''نہیں...... اُسے میری لاش نہیں چاہئے۔ وہ مجھے صرف اور صرف زندہ چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہم تمہیں اُس کے سامنے زندہ پیش کر دیں گے۔'' دوسرے بدمعاش نے کہا۔

''لیکن اس لڑکی کا کا کامیاں سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ کا کامیاں کے علم میں یہ بات ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی لڑکی ہے۔ اس لئے کا کامیاں کچھ نہیں کہے گا۔''

''لیکن یہ لڑکی کا کامیاں کی مجرم ہے۔ لہٰذا تم لوگ اس پر اپنا حق نہیں جتا سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''یہ لڑکی کا کامیاں کی مجرم کیسے ہوئی......؟'' رامو نے چونک کر پوچھا۔

''وہ ایسے کہ اس نے فرار ہونے میں میری مدد کی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور پھر تم لوگ جانتے ہو کہ ایسے نگینے کا کامیاں کی کمزوری ہیں۔ اس پر کوئی آنچ آئی تو تم میں سے کسی کی خیر نہ ہوگی۔ تم لوگوں کو اپنی زندگی عزیز ہے تو ہم دونوں کو کسی کمرے میں بند کر دو اور کا کامیاں کے پاس پہنچا دو۔''

''کیا بات ہے؟'' دوسرے بدمعاش نے مجھے استہزائی نظروں سے گھورا۔ ''تم یہ جانتے ہوئے بھی کہ کا کامیاں تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے بڑی شرافت سے نہ صرف اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر رہے ہوں بلکہ یہ انمول نذرانہ بھی پیش کر رہے ہو۔''

''دال میں کچھ کالا ہے۔'' تیسرے بدمعاش نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ''اسے کون نہیں جانتا؟ یہ سونا میاں کا شاگرد رہ چکا ہے۔ استادوں کا استاد ہے۔ یہ ضرور کوئی چال چل رہا ہے۔ ہوشیار رہنا۔ اس کی باتوں میں نہ آنا۔''

''دال میں کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ کالا ہے۔'' دوسرے بدمعاش نے کہا۔ ''یہ ہمیں بلاوجہ ڈرا اور دھمکا رہا ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی محبوبہ سے ہم بھی محبت بھری باتیں کریں۔ فلمی نغمے سنائیں۔''

''بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' رامو نے کہا۔ ''تم اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو اور شرافت سے بیڈ رُوم میں جاؤ۔ ہم ابھی اور اسی وقت روانہ ہو رہے ہیں۔ کیونکہ باس نے کہا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے فوراً ہی پیش کیا جائے۔ لہٰذا تمہیں کباب میں ہڈی بننے کی ضرورت نہیں۔''

''لڑکی اس بات کے لئے تیار نہیں ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دو۔''

''میں تمہیں دس منٹ دیتا ہوں۔'' رامو نے کہا۔ ''اگر یہ تیار نہیں ہوئی تو پھر ہم

زبردستی اسے ساتھ لے جائیں گے۔''

میں ناجیہ کو لے کر بیڈ رُوم میں داخل ہو گیا جو میری پشت پر تھا۔ یہ کا کامیاں کا خصوصی بیڈ رُوم تھا۔ اندر داخل ہو کر میں نے اندر سے دروازہ مقفل کر لیا۔ اس طرح چٹا گانگ پہنچنے تک ناجیہ کی عزت و آبرو محفوظ ہو گئی تھی اور میں بھی اُن کے ہاتھوں تشدد سے بچ گیا تھا۔ وہ ہم دونوں کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ میری چالاکی کو سمجھ نہ سکے تھے۔

ادھر ناجیہ بڑی پُرسکون سی تھی۔ اُس نے مجھ سے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''تم مجھے ان بدمعاشوں کے حوالے کر دو گے؟''

''نہیں ناجیہ!'' میں نے اُسے دلاسہ دیا۔ ''میں مر جاؤں گا لیکن تمہیں ان درندوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم بے فکر رہو! جب تک مجھ میں آخری سانس ہے اس وقت تک تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دُوں گا۔''

''لیکن وہ دروازہ توڑ کر اندر آ سکتے ہیں۔'' ناجیہ نے کہا۔ ''تم نہتے ان تینوں کا مقابلہ کیسے کر سکو گے؟''

''اُن کی ہمت اور مجال نہیں کہ وہ اس دروازے کو توڑ دیں، اس پر خراش تک ڈال دیں۔ یہ باس کا بیڈ رُوم ہے۔ چٹا گانگ پہنچنے تک ہم دونوں پوری طرح محفوظ ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھ پر میرے باس کا عتاب نازل ہوگا۔ وہ مجھے ایذائیں دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن میں ایسا ہونے نہیں دُوں گا۔ اُس سے بچنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر کر لوں گا۔''

''وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟'' ناجیہ نے پلکیں جھپکائیں۔

''میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ وہ تمہیں جانے دے۔ کیونکہ تم اُس کی مجرم نہیں ہو اور نہ ہی میری شریک کار...... ہو سکتا ہے وہ تمہیں جانے دے...... بالفرض محال اُس نے تمہیں روکنے اور یرغمال بنانے کی کوشش کی تو پھر میں تمہیں بچانے کے لئے اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔''

''مجھے اللہ کی ذات پر بھروسا ہے کہ وہ مجھے دشمنوں کے ہتھے چڑھنے نہیں دے گا۔'' اُس نے کہا۔ ''میں اس بات کی کوشش کروں گی کہ تمہیں ان بدمعاشوں سے بچانے کے لئے تمہاری مدد کروں۔ میں اُن سے مقابلہ کروں گی۔''

''تم میرے لئے اپنی جان خطرے میں مت ڈالنا۔ میں اس بات کی کوشش کروں گا

کہ تمہیں فرار کرا دوں۔ ایسا کوئی موقع ملا تو تم اس سے فائدہ اُٹھانے میں پل بھر کی تاخیر نہ کرنا اور نہ میری فکر اور پرواہ کرنا۔ میں مرد ہوں۔ ایک تربیت یافتہ جرائم پیشہ...... میرے استاد نے مجھے جو کچھ سکھایا ہے وہ میرے کام آئے گا۔"

دفعتہً رامو نے دروازے پر بڑے زور سے دستک دیتے ہوئے کہا۔ "دروازہ کھولو!"

میں نے دروازہ کھولنے کی بجائے باہر کھلنے والی چھوٹی سی کھڑکی کھول دی۔

"کیا بات ہے؟"

"لڑکی کو باہر بھیج دو۔" اُس نے تیز لہجے میں کہا۔ "دس منٹ کی مہلت پوری ہو چکی ہے۔"

"یہ دروازہ اب چٹاگانگ پہنچنے پر ہی کھلے گا......" میں نے جواب دیا۔ "لہٰذا اب ہمیں آرام کرنے دو۔"

"میں کہتا ہوں دروازہ کھول......" رامو دانت پیسنے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں سفاکی جھانکنے لگی تھی۔

"یہ دروازہ کسی قیمت پر نہیں کھلے گا۔ نہ یہ لڑکی تمہارے حوالے کی جائے گی۔ اب تم چلنے کی تیاری کرو۔"

"تم نے یہ دروازہ نہیں کھولا تو ہم اسے توڑ دیں گے...... اُکھاڑ پھینکیں گے۔" اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"دروازہ توڑنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سوچ لو کہ یہ کس کے کمرے کا دروازہ ہے۔ اس پر ایک خراش بھی آئی تو وہ تمہیں سولی پر لٹکا دے گا۔ شاید تم غصے میں یہ بات بھول رہے ہو۔" میں نے کہا۔

پھر میں نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔ اُس نے جھنجھلا کر دروازے پر لات رسید کی۔ میں چشم تصور میں اُس کا غصہ دیکھ رہا تھا۔ کوئی اور لانچ ہوتی، کوئی اور کمرہ ہوتا تو اُس کا دروازہ اُکھاڑ کر پھینک دیتے۔ وہ اس دروازے پر شاید لات مار کر پچھتا بھی رہا ہو گا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ میں اُس کے ساتھ چالاکی کروں گا۔ میں نے اُس کے خواب چکنا چور کر دیئے تھے۔ چند لمحوں کے بعد میں نے اُس کی گالیاں سنیں۔ اب مجھے اُس کے غصے اور گالیوں کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں تھی۔ میں اس بات سے خوش تھا کہ میں نے ایک تدبیر سے ناجیہ کو وحشی درندوں کے ہاتھوں سے بچا لیا۔

تھوڑی دیر بعد بھونپو بجا۔ میں اُس کھڑکی سے جو بندرگاہ اور کیمپ کی طرف کھلتی تھی، باہر دیکھنے لگا۔ اس بھونپو کے بجتے ہی کیمپ میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ بہت سارے بدمعاش لانچ کی طرف لپکتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد لانچ سے کچھ سامان اُتارا گیا۔ کوئی نصف گھنٹے کے بعد لانچ نے روانگی کی وسل دی۔ پھر لانچ روانہ ہو گئی۔

یہ بیڈ روم خصوصی طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک سنگھار میز بھی تھی جس کا آئینہ بہت بڑا تھا۔ اس پر میک اپ کا سامان اور غیر ملکی خوشبویات کا ڈھیر تھا۔ یہ کاکا میاں کی محبوبائیں استعمال کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کمرے میں ایک الماری بھی تھی جس میں مردانہ اور زنانہ ملبوسات تھے۔ ملحقہ غسل خانے میں شاور، ٹب اور ایک قدم آدم آئینہ بھی نصب تھا۔ ایک کیبنٹ میں ولایتی شراب تھی۔ ایک کونے میں فریج رکھا ہوا تھا۔ میں نے فریج کھول کر دیکھا تو اُس میں ہنٹر بیف، ڈبل روٹی، مائنیز، جام جیلی اور مکھن موجود تھا۔

میں نے ناجیہ سے کہا کہ وہ غسل خانے میں جا کر نہا لے اور الماری میں سے کوئی جوڑا نکال لے۔ الماری میں جو زنانہ ملبوسات تھے وہ بھڑکیلے اور ایک سے ایک قیمتی تھے۔ اُس کا لباس بہت بوسیدہ ہو رہا تھا۔ اُس نے نیلے رنگ کا جوڑا نکالا اور غسل خانے میں چلی گئی۔ اس کمرے میں دو بیڈ، صوفہ سیٹ اور ایک میز تھی جس پر شیڈ لیمپ رکھا ہوا تھا۔ فرش پر بیش قیمت سرخ ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔

لانچ کا کل رات گیارہ بجے سے پہلے چٹاگانگ پہنچنا مشکل تھا۔ اب میرے پاس اتنا وقت تھا کہ فرار ہونے اور کاکا میاں کے آدمیوں سے بچنے کی کوئی تدبیر سوچوں۔

میں دل میں حیران تھا کہ کاکا میاں کے خلاف اُس پولیس انسپکٹر عبدالواحد نے کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اوپر سے کسی کالی بھیڑ نے انسپکٹر پر دباؤ ڈالا ہو اور اُس نے استعفیٰ دے دیا ہو۔ یا اس کا فوری تبادلہ کسی دوسرے شہر میں کر دیا گیا ہو؟ ایسا ممکن تھا۔ پھر مجھے خوندکر محمد ایاز کا خیال آیا۔ معلوم نہیں وہ زندہ ہیں یا کاکا میاں کے بدمعاشوں نے اُنہیں موت کی نیند سلا دیا؟

اب مجھے کئی لوگوں کا سامنا کرنا تھا۔ ایک تو کاکا میاں تھا...... اُس کے ہاتھوں بچ جانے کے بعد جانو سے سونا میاں کے قتل کا حساب بے باک کرنا تھا۔ اس حوالدار سے بھی جس نے کاکا میاں سے میری مخبری کی تھی۔

میں سوچوں میں اس قدر گم تھا کہ مجھے خبر ہی نہیں ہو سکی کہ ناجیہ نہا کر نکل آئی ہے اور سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں کنگھی کر رہی ہے۔ اُس کے بالوں کی مہک میرے نتھنوں میں بس گئی تو میں نے اُسے چونک کر دیکھا۔ غسل اور نئے لباس نے اُس کے حسن و جمال کو مزید نکھار دیا تھا۔ وہ رات کی رانی کی طرح مہک رہی تھی۔

ناجیہ جس وقت غسل خانے میں نہانے کے لئے گھسی تھی تب میں نے فریج میں سے ہنٹر بیف، مائنیز، ڈبل روٹی اور جام نکال کر رکھ دیا تھا تاکہ ان کی ٹھنڈک نکل جائے۔ پھر میں نے بھی نہانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ میرا لباس بھی نہایت میلا کچیلا اور فقیروں کے لباس کی طرح بوسیدہ ہو رہا تھا۔ میں نے الماری میں سے ایک مردانہ جوڑا نکالا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ میں نے نہانے میں خاصا وقت صرف کیا۔ جب میں نہا کر نکلا تو میری ساری کسلمندی اور تھکن دُور ہو چکی تھی اور چستی آ گئی تھی۔ میں اپنے آپ کو تازہ دم اور ایک نیا انسان محسوس کر رہا تھا۔

بہت دنوں بعد ایسا کھانا ملا تھا۔ ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ فریج میں جوس کے ڈبے بھی تھے۔ ہم جوس پیتے ہوئے کچھ تدبیروں پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ ہم صرف باتیں ہی کر سکتے تھے، اس پر عملدرآمد حالات پر منحصر تھا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ہمارے ساتھ کس قسم کے حالات پیش آئیں گے۔ میں اپنے سے زیادہ ناجیہ کے لئے فکر مند تھا۔ یہ بات ناممکن سی دکھائی دیتی تھی کہ کاکا میاں میری بات مان کر ناجیہ کو جانے کی اجازت دیدے گا۔

کچھ دیر بعد ناجیہ گہری نیند سو گئی۔ میں نے کمرے کی بتیاں گل کر دی تھیں، لیکن میں جاگ رہا تھا۔ میں اس وقت صرف اور صرف ناجیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اُسے کس طرح ان بدمعاشوں سے بچایا جا سکتا ہے؟ ایک ریوالور یا بندوق ملنے پر میں نہ صرف ان پر قابو پا سکتا تھا بلکہ ناجیہ سمیت نکل کر جا سکتا تھا۔ میں نے الماری اور میز کی دراز بھی دیکھی، مجھے پستول یا ریوالور نام کی کوئی چیز نہیں ملی۔

ہم دونوں صبح دیر سے بیدار ہوئے۔ ایک بدمعاش نے آ کر ناشتے کے لئے باہر سے پوچھا تھا۔ میں نے منع کر دیا تھا۔ وہ اس بہانے اندر آ کر ہم دونوں کو قابو میں کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے ہنٹر بیف اور جوس سے ناشتہ کیا۔ ڈبل روٹی رات ہی ختم ہو چکی تھی۔ ہنٹر بیف ابھی اتنی مقدار میں تھا کہ دو دن چل سکتا تھا۔

□ ...... □

رات دس بجے چٹاگانگ کی بندرگاہ اور وہاں جو جہاز، کشتیاں اور لانچیں کھڑی تھیں وہ کھڑکی سے نظر آنے لگیں۔ میں نے دروازہ کھلا تو دو مسلح بدمعاشوں کو مستعد اور چوکنا پایا۔ وہ ہمیں لے کر عرشے پر پہنچے۔ عرشے پر رامو کھڑا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کے ساتھ دو اور بدمعاش بھی کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ناجیہ کو دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر اُسے مجھ پر اس لئے سخت غصہ آ رہا تھا کہ میں نے اُس کے ارمانوں کا خون کر دیا تھا۔

اُس نے ناجیہ کے پاس آ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔ ''جیٹی آنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ تم میرے ساتھ نیچے چلو۔''

ناجیہ نے اپنا بازو ایک جھٹکے سے چھڑا لیا اور اُس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔ رامو بھونچکا سا رہ گیا۔ دوسرے بدمعاش بھی سناٹے میں آ گئے۔ دوسرے لمحے رامو پیچ و تاب کھاتا ہوا آگے بڑھا تو میں اُن کے درمیان آ گیا۔

''خبردار! جو تم نے اسے ہاتھ لگایا۔''

''تم ہٹ جاؤ۔'' رامو نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں اس کتیا کی بچی کو چھوڑوں گا نہیں ...... اس نے مجھے مارا ہے۔ میری بے عزتی کی ہے ...... سب کے سامنے ذلیل کیا ہے۔''

''تمہیں اس سے ایسی بات کہنا ہی نہیں چاہئے تھی۔ وہ ایک شریف لڑکی ہے۔''

''کوئی عورت شریف نہیں ہوتی۔ سبھی آوارہ اور بدچلن ہوتی ہیں۔'' وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری ماں اور بہن بھی شریف عورتیں نہیں ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم نے میری ماں بہن کا نام لیا تو تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا ...... ہٹ جاؤ!'' اُس کی آنکھیں لال ہو گئیں۔

''میں تمہیں کسی قیمت پر اسے ہاتھ لگانے نہیں دُوں گا ...... کاکا میاں سے تمہاری شکایت کر دُوں گا۔'' میں نے کہا۔

اُس نے اپنے دو ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ اُنہوں نے میری طرف بڑھ کر میری پشت پر بندوق کی نال رکھ دی اور قمیض کا کالر پکڑ کر کھینچا اور چند قدم پرے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ ایک نے بندوق کی نال میرے گلے کے نیچے رکھ کر مجھے بے بس کر دیا۔

رامو نے ان دونوں بدمعاشوں سے جو کمرے کے باہر پہرہ دے رہے تھے کہا۔

''اس لڑکی کو نیچے لے آؤ!''

مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ناجیہ بڑے سکون و اطمینان سے کھڑی ہوئی ہے۔ اُس کے چہرے پر خوف نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ جب ایک بدمعاش اُس کے پاس پہنچا تو ناجیہ نے چشم زدن میں اُس کے ہاتھ سے بندوق چھین کر سمندر میں پھینک دی اور اُس کے پیٹ میں لات رسید کی تو وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور لڑکھڑاتا ہوا فرش پر گر پڑا۔

اس سے پہلے کہ دوسرا بدمعاش اپنی حیرت دُور کرتا ناجیہ نے آگے بڑھ کر اُس کی گردن پر جوڈو کراٹے کا ہاتھ مارا۔ دوسرے لمحے وہ فرش چاٹنے لگا۔ درد اور تکلیف سے تڑپنے لگا۔

میں اور رامو بھونچکے رہ گئے تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ناجیہ ایک غیر معمولی لڑکی ہے اور جوڈو کراٹے کی ماہر ہے۔ وہ تو میرے سامنے ایک عبادت گزار اور نیک سیرت اور معصوم لڑکی کی طرح آئی تھی۔ اب وہ دوسرے رُوپ میں تھی۔ مجھے ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں بہت ساری باتیں ایک ایک کر کے یاد آئیں۔ اُس کا پُرسکون رہنا، چہرے پر طمانیت اور عزم و حوصلے کی باتیں......

رامو فوراً ہی سنبھل کر اُس کی طرف بڑھا۔ ناجیہ سرکس کے فنکار کی طرح فضا میں اُچھلی اور اُس نے دونوں لاتیں رامو کے سینے پر جما دیں۔ وہ اُلٹ کر فرش پر گرا۔ وہ بھی گری تھی۔ پھر وہ بجلی کی سرعت سے اُٹھی اور ریلنگ کی طرف لپکی۔ رامو چلایا۔

''اس کو جانے مت دینا...... گولی مار دو اسے...... ہلاک کر دو!''

دوسرا بدمعاش جو میرے قریب کھڑا تھا اُس نے ناجیہ کی طرف بندوق سے شست باندھی لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی۔ ناجیہ ریلنگ پر کھڑے ہو کر سمندر میں چھلانگ لگا چکی تھی۔ رامو ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک بدمعاش سے بندوق چھین کر ریلنگ کے پاس گیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ اُسے ناجیہ نظر نہیں آئی۔ بندرگاہ قریب آتی جا رہی تھی۔ لانچ اس جیٹی کی طرف بڑھنے لگی جہاں کا کامیاں کی لانچیں، موٹر بوٹیں اور اسٹیمر لنگر انداز ہوتے تھے۔

رامو ریلنگ کے پاس سے ہٹ کر کاک پٹ کی طرف سینہ دباتا ہوا بڑھا۔ اُس کے سینے میں چوٹ لگنے سے درد ہو رہا تھا۔ اُس نے لانچ روکنے کا حکم دیا۔ لانچ کے رُکتے ہی

اُس نے ایک طرف رکھی ہوئی موٹر بوٹ اُتارنے کا حکم دیا۔ پھر اُس نے دو بدمعاشوں سے کہا کہ وہ اس لڑکی کو ہر صورت میں تلاش کر کے لائیں۔

جب وہ بدمعاش موٹر بوٹ لے کر اُس کی تلاش میں نکل پڑے تو پھر اُس نے عرشے میں کھڑے ہوئے تمام بدمعاشوں کو چوکس کر دیا اور اُن سب نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا کہ کہیں میں بھی ناجیہ کی طرح فرار نہ ہو جاؤں۔ مجھے ناجیہ کے فرار ہو جانے سے بہت خوشی ہوئی تھی۔ مجھے یقین نہیں آیا، یہ سب کچھ کسی ایڈونچر فلم کے سین کی طرح لگا۔ ناجیہ نے مجھے اپنی زندگی کے دوسرے رُخ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ میرے لئے اس وقت ایک معمے سے کم نہیں تھی۔

رامو نے میرے پاس آ کر میرا گریبان پکڑ لیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرایا۔ ''سچ سچ بتاؤ...... یہ لڑکی کون ہے......اس کے متعلق تم کیا کچھ جانتے ہو؟ اس کا تعلق کس سے ہے؟''

''میں اس لڑکی کے متعلق کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی اس نے مجھے اپنے بارے میں کچھ بتایا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' وہ غضبناک ہو گیا۔ ''تم بہت کچھ جانتے ہو۔ تم اس کے ساتھ جزیرے پر روپوش تھے۔''

''مجھے جھوٹ بولنے اور تم سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے تیز و تند لہجے میں جواب دیا۔ ''وہ لڑکی جو بھی تھی اس سے تمہیں کیا سروکار ہے؟ وہ تمہاری غلام نہیں تھی اور نہ ہی ہمارا اس سے کوئی تعلق ہے۔''

''تم شاید ایسے نہیں بتاؤ گے......؟'' رامو بری طرح بھنا گیا۔ ''تمہاری خاطر مدارات کرنا پڑے گی۔''

''میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔'' میں برافروختہ ہو گیا۔ ''اپنے پلید ہاتھ ہٹاؤ۔ میرا گریبان چھوڑ دو۔''

''تمہارا باپ میرا نوکر تھا..... میرے باپ کا کتا تھا.... تم بھی میرے نوکر ہو رزیل......''

میں نے اُس کا فقرہ پورا نہیں ہونے دیا، اُس کے جبڑے پر پوری قوت سے ایک مُکا رسید کیا۔ اُس کے منہ سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ اُس نے میرا گریبان چھوڑ کر منہ سے

خون نکلتے ہوئے دیکھا تو مجھ پر پل پڑا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ہم دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ لڑتے بھڑتے اور فرش پر لڑھکتے ہوئے ریلنگ کے پاس آ گئے۔ بدمعاش قدرے فاصلے پر کھڑے ہم دونوں کو لڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ میں نے رامو کے سر کے لمبے لمبے بالوں کو پکڑ کر اُسے جیسے بے بس کر دیا تھا۔ میں نے برق سرعت سے اُسے اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور خود بھی موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے چھلانگ لگا دی۔ اس لمحے میں نے دو ایک بدمعاشوں کو چیختے ہوئے سنا۔

''لانچ روکو......!''

میں نے رامو کی اس قدر زبردست ٹھکائی کر دی تھی کہ وہ ادھ موا ہو گیا تھا۔ سمندر میں گرنے کے بعد اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ مجھ سے مقابلہ کر سکے۔ اور پھر وہ تیرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ میں نے اُسے قدرے فاصلے پر پانی میں ہاتھ پیر چلاتے اور سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لانچ کی رفتار میں کمی ہونے لگی۔ میں نے دو ایک بدمعاشوں کو چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ رامو کی مدد کرنے اور مجھے پکڑنے کے لئے کودے تھے۔

میں نے فوراً ہی تیزی سے مخالف سمت تیرنا شروع کر دیا۔ کنارہ زیادہ دُور نہیں تھا۔ کچھ کشتیاں بھی قریب میں آ جا رہی تھیں۔ ایک مسافر لانچ کھڑی تھی، شاید اُس میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ناجیہ کنارے پر پہنچ گئی ہو گی۔ وہ ایک ایسی بنگالی لڑکی تھی جو پیراکی میں ماہر معلوم ہوتی تھی۔ ورنہ اتنے اعتماد سے پانی میں چھلانگ نہیں لگاتی۔ اُس کی تلاش میں جو موٹر بوٹ گئی تھی اس نے ناجیہ کو جا لیا یا نہیں؟ کچھ پتہ نہیں تھا۔ لیکن مجھے اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ ناجیہ کو قابو میں کرنا اُن بدمعاشوں کے بس کی بات نہیں۔

جو مسافر لانچ کھڑی ہوئی تھی اُس کی رسّی باہر کی طرف لٹک رہی تھی۔ جب یہ لانچ کسی چھوٹے سے گاؤں کے گھاٹ پر رُکتی تھی تو رسّی گھاٹ پر لگے ہوئے ہُک سے باندھ دی جاتی تھی۔ ہر مسافر لانچ ایسے ہی بندھی ہوتی تھی۔ میں اس رسّی کو پکڑ کر لانچ پر چڑھ کر عرشے پر اُتر گیا۔

اس جانب کچھ زیادہ مسافر نہیں تھے۔ مسافروں نے چٹائیاں اور دریاں بچھا کر بستر لگائے ہوئے تھے۔ اُن لوگوں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور چوکنا اور ہوشیار ہو گئے۔ یہ

لوگ اس لئے بھی مشکوک ہو گئے تھے کہ چور اُچکے میری طرح لانچوں میں سوار ہو کر کوئی سامان لے کر کود جاتے تھے۔

میں ریلنگ کے پاس کھڑا اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ چار مسافر اُٹھ کر میرے پاس آئے۔ اُن میں سے ایک نے مجھے تیز و تند نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''کون ہو تم؟''

''یہ لانچ چھوٹ گئی تھی اس لئے مجھے اس طرح تیرتے ہوئے آنا پڑا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تیرتے ہوئے کیوں آئے ہو...... کشتی میں بھی آ سکتے تھے؟'' دوسرے نے کہا۔

''کوئی کشتی والا تیار نہیں ہو رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا سامان کہاں ہے......؟'' تیسرے نے مجھے مشکوک نظروں سے اُوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''سامان نیچے انٹر کلاس میں رکھا ہوا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں اپنے ایک دوست کو اسٹیمر پر چڑھانے گیا تھا تو یہ لانچ چل پڑی۔ واپس آیا تو تب مجھے خبر ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ یہاں آ کر رُک گئی...... لیکن آپ لوگ کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ کیا میں کوئی چور اُچکا دکھائی دے رہا ہوں......؟''

پھر میں اُن کے جواب اور ردِ عمل کا انتظار کئے بغیر بیرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ اُدھر ریلنگ کے پاس کھڑے ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ قریب کوئی موٹر بوٹ یا بدمعاش دکھائی نہیں دیئے۔ موٹر بوٹ جو ناجیہ کی تلاش میں نکلی تھی وہ کہیں اور بھٹک رہی تھی۔ وہ بدمعاش رامو کو سہارا دے کر لانچ کی طرف لے گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد لانچ کا انجن سٹارٹ ہو گیا۔ پھر اس نے روانگی کی وسل دی، پھر رینگنا شروع کر دیا۔ میں تیزی سے اُس کے دوسرے سرے کی جانب لپک گیا جہاں لنگر، رسّی اور اوزار وغیرہ پڑے تھے۔ میں نے وہاں سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

پھر میں تیزی سے تیرتا ہوا اُس سمت بڑھا جہاں بہت ساری کشتیاں اور چھوٹی لانچیں کھڑی تھیں۔ مجھے ایک موٹر بوٹ آتی دکھائی دی۔ اندھیرے میں کچھ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ کس کی ہے اور اس میں کتنے افراد سوار ہیں؟ ایسی موٹر بوٹیں گزرتی رہتی تھیں۔ میں اس کی زد سے بچنے کے لئے رُک گیا۔ وہ موٹر بوٹ میرے پاس آ کر رُک گئی، پھر ایک

بہت ہی طاقتور ٹارچ کی روشنی نے میری آنکھیں چندھیا دیں تو میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ دوسرے لمحے دو مضبوط ہاتھوں نے میرے بازو پکڑ کر مجھے بوٹ پر کھینچ لیا۔ پھر مجھے کھڑا کر کے ایک نے میرے گلے کے نیچے ہاتھ رکھ دیا۔ پھر ایک کڑکتی ہوئی نسوانی آواز نے کہا۔

''اپنی جگہ سے ہلنا نہیں......''

یہ آواز مانوس تھی۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ وہ بیلا تھی...... اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور اُس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں......!!

○□○

میں بیلا کو دیکھ کر نہ صرف چونکا بلکہ تحیر زدہ رہ گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ بیلا کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں لانچ سے سمندر میں کود کر فرار ہو گیا ہوں؟ موٹر بوٹ میں جو بدمعاش تھے، میں اُنہیں پہچانتا تھا، یہ کاکا میاں کے لوگ تھے۔ اور پھر بیلا کبھی کسی مشن پر نہیں گئی تھی اور نہ ہی اُس نے کسی کام میں کوئی حصہ لیا تھا، وہ کاکا میاں کی پرائیویٹ سیکرٹری اور میری محسن تھی۔ اگر وہ مجھے بروقت اطلاع دے کر فرار نہ کراتی تو قبر میں میرا کفن اب تک میلا ہو چکا ہوتا اور میری ہڈیاں گل سڑ چکی ہوتیں۔ جانو مجھے ذبح کر کے بڑی خوشی محسوس کرتا۔

کہاں تو اُس روز بیلا میرے سامنے ایک ہمدرد، مخلص، دوست اور محسن کے رُوپ میں آئی تھی اور اب اُس کا یہ رُوپ یکسر بدلا ہوا تھا۔ وہ اس وقت میرے دشمن کے رُوپ میں تھی۔ اُس کے ہاتھ میں جو خوفناک قسم کا ریوالور تھا، اس کی نال مجھے فرشتۂ اجل کی طرح گھور رہی تھی۔ اُس کی شعلہ برساتی نظروں نے میری رگوں میں لہو منجمد کر دیا تھا۔

میں نے چند ثانیوں کے بعد بیلا سے پوچھا۔ ''یہ تمہیں کس طرح پتہ چلا کہ میں لانچ سے فرار ہو چکا ہوں؟''

''لانچ کے کاک پٹ میں منوہر لال موبائل فون لئے بیٹھا ہے، اُس نے مجھے خبر دی۔'' بیلا نے جواب دیا۔

''کیا اس بات کی بھی اطلاع ہو چکی تھی کہ اُس لانچ میں مجھے گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے؟''

''ہاں......!'' منوہر لال نے لانچ کی روانگی کے وقت بتایا تھا کہ نہ صرف تمہیں بلکہ ایک نوجوان لڑکی کو بھی گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے جو جزیرے پر تمہارے ساتھ روپوش تھی، وہ لڑکی کون ہے، اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں بتا سکا۔ لیکن وہ لڑکی جو بھی ہے، سنا ہے کہ بڑی خطرناک ہے۔ اُس نے رامو اور دو بدمعاشوں کی زبردست ٹھکائی کر دی اور

سمندر میں چھلانگ لگا دی اور فرار ہوگئی۔ موٹر بوٹ میں دو آدمی اُس کے تعاقب میں گئے ہیں۔''

''رامو نے اُس کے ساتھ بدتمیزی نہ کی ہوتی تو شاید اُسے یہ اقدام نہ کرنا پڑتا۔ اُس لڑکی نے اپنی عزت خطرے میں دیکھی تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنی عزت بچانے کے لئے اپنی جان پر کھیل جائے۔''

''تم رامو سے کس لئے لڑ پڑے اور اُسے سمندر میں کیوں پھینک دیا؟'' بیلا نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''اس لئے کہ وہ اس لڑکی کے فرار ہو جانے پر مجھ سے اُلجھ گیا تھا اور اُس کا رویہ میرے لئے ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔''

''کاکا میاں کو اندیشہ تھا کہ تم عین وقت پر کوئی نہ کوئی شرارت کر کے فرار ہونے کی کوشش کرو گے۔'' بیلا کہنے لگی۔ ''اس وقت دس موٹر بوٹیں اور ایک لانچ تمہاری نگرانی کے لئے یہاں موجود ہیں، مجھے بھی خصوصی طور پر روانہ کیا گیا۔ لہٰذا تم کوئی چالاکی اور ہوشیاری نہیں دکھاؤ گے، شرافت سے میرے ساتھ چلو گے، تم نے فریب یا چکمہ دے کر فرار ہونے کی کوشش کی تو میں تمہیں بلا تامل گولی مار دوں گی۔''

''اگر تم مجھے گولی مار دو تو مجھ پر تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا۔'' میں نے ویران لہجے میں کہا۔

''تم میرے نہیں کاکا میاں کے مجرم ہو...... میں تمہیں بلاوجہ گولی نہیں مار سکتی۔'' بیلا بولی۔ ''تم اس بات سے بخوبی واقف ہو کہ کاکا میاں غداروں کو کیسی عبرتناک سزا دیتا ہے۔ اپنے استاد سونا میاں کا انجام تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، کاکا میاں تم سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہے، حساب بے باق کرنے کے لئے بے چین ہے، تمہیں اس طرح سے موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا ہے کہ اُس کا کوئی آدمی آئندہ غداری اور مخبری کی جرأت نہ کرے۔''

بیلا کے چہرے پر درندگی تھی، اُس کی آنکھوں میں میرے لئے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ تھی، اُس کی آنکھوں میں ایک وحشی قاتل کی سی چمک تھی۔ موٹر بوٹ اس طرف جا رہی تھی جہاں کاکا میاں کی لانچیں اور موٹر بوٹس کھڑی کی جاتی تھیں۔ بیلا کے کندھے پر پرس جھول رہا تھا، اُس نے پرس میں سے، موبائل فون نکال کر نمبر ملایا۔

''منوہر لال! بیلا اسپیکنگ...... انیس کو تم نے حراست میں لے لیا ہے...... لڑکی کا پتہ......؟''

منوہر لال نے معلوم نہیں کیا جواب دیا، بیلا نے موبائل فون آف کر دیا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا وہ لڑکی ہاتھ لگی؟''

''نہیں......'' بیلا نے سر ہلایا۔ ''ایک دو گھنٹے میں ہاتھ لگ جائے گی۔ بچ کر کہاں جا سکتی ہے۔ ایک ایسی لڑکی جو حسین اور نوجوان ہو، رات کا وقت ہو اور اکیلی ہو، ہاں...... یہ لڑکی کون ہے؟ کیا تم مجھے اُس کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟''

''یہ لڑکی مجھے جزیرے پر ملی تھی اور وہ اکیلی تھی۔ پہلے تو مجھے وہ کوئی رُوح لگی تھی۔'' میں نے کہا۔

''اُس لڑکی کے بارے میں مجھ سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں...... کہیں وہ تمہاری محبوبہ تو نہیں تھی؟''

''مجھے اُس لڑکی کے بارے میں چھپانے سے کیا حاصل ہوگا، یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو، میری کوئی محبوبہ نہیں ہے۔ یہ لڑکی میری مخلص دوست اور ساتھی بن گئی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو غیر محسوس انداز سے پسند کرنے لگے۔ لیکن ہم نے کبھی اظہارِ محبت نہیں کیا۔''

پھر میں نے اُسے مختصر طور پر ناجیہ کے بارے میں بتایا۔

''یہ کیسے ممکن ہے...... تم کوئی زاہد اور فرشتہ تو ہو نہیں، ایک حسین اور جوان لڑکی کا حسن زاہدوں کو بھی بہکا دیتا ہے، تم اپنے آپ کو فرشتہ ظاہر کر رہے ہو؟'' بیلا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بیلا! یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ کبھی بولا ہے۔''

''اب تم بول رہے ہو اور شاید بولو گے۔ اور شاید بولنا ہی پڑے گا۔ لیکن ایسی لڑکی جو کراٹے کی ماہر نکلی، ہمارے آدمیوں کو زیر کر کے فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہو گئی؟''

''اُس کا یہ رُوپ کبھی میرے سامنے نہیں آیا...... آج میں نے اُس کا یہ رُوپ دیکھا، میں خود بھی حیران ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ اُس کا تعلق شاید بردہ فروشوں کے مافیا سے ہے، وہ اُنہی کی تربیت

یافتہ معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے کسی وجہ سے تمہیں اعتماد میں نہیں لیا اور ایک عبادت گزار لڑکی کا ڈھونگ رچاتی رہی تا کہ تم تنہائی اور جوانی سے فائدہ نہ اُٹھا سکو۔ اُس نے مذہب کی دیوار کھڑی کر کے تمہیں دُور رکھا۔"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میری عقل کام نہیں کر رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"سنو ڈاک قریب آ رہا ہے...... تم شرافت سے گاڑی تک چلے چلنا۔" بیلا نے کرخت لہجے میں کہا۔

❑......❑
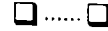
مجھے کاکامیاں کی اس کوٹھی کے تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا گیا جہاں اس کا اڈہ تھا۔ اس تہہ خانے میں وہ اپنے دشمنوں، غداروں اور ان پولیس افسروں کو قیدی بنائے رکھتا تھا جو اُس کے ہاتھوں بکنے سے انکار کرتے تھے، دشمنوں اور غداروں کی سزا موت تھی البتہ وہ ان پولیس افسروں کو معاف کر دیتا تھا جو اُس کے ہاتھوں اپنا ضمیر بیچنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ یہ تہہ خانہ صاف ستھرا تھا، اس میں ایک بیڈ رُوم اور ملحقہ باتھ رُوم تھا۔ ایک ہال نما کمرہ بھی تھا جس میں ایذا رسانی کا سامان موجود تھا۔ ایک کونے میں بہت بڑا گیس کا چولہا تھا، اُس چولہے پر ایک بہت بڑی کڑاہی رکھی تھی، اُس میں ہر وقت سرسوں کا تیل بھرا رہتا تھا۔ وہ اپنے غداروں اور دشمنوں کو اس جلتی ہوئی کڑاہی میں ڈال دیتا تھا۔ اس کے علاوہ دو تین ستون بھی تھے جن سے آدمیوں کو باندھ دیا جاتا تھا، اُن کے ننگے جسموں پر کوڑے برسائے جاتے تھے، زخموں پر نمک مرچ چھڑکا جاتا تھا، ان پر شکاری کتے بھی چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ وہ ایذا رسانی کا ماہر تھا، اُس نے اپنی زندگی میں کبھی رحم کا لفظ نہیں سنا تھا، اُس کی ایذا رسانی کے بارے میں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، رُوح کانپ جاتی تھی، میں کبھی کبھی سوچتا تھا کہ اللہ نے اس شیطان کو اس دنیا میں کیوں پیدا کیا؟ کیا ایک ابلیس کم نہیں تھا؟

مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ کاکامیاں کے سامنے فوراً پیش کیوں نہیں کیا گیا؟ بیلا نے اس تہہ خانے میں مجھے لے جا کر کیوں بند کیا۔ بیلا نجانے کیوں مجھ سے سرد مہری سے پیش آ رہی تھی، ایک خیال میرے ذہن میں آیا کہ کہیں وہ مجھ سے محبت تو نہیں کرتی تھی؟ ناجیہ نے اُس کے دل میں میرے خلاف حسد اور نفرت پیدا کر دی ہو، بیلا نے بھی کسی بات سے مجھے یہ محسوس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ میں نے

اُسے ایک اچھے دوست کی طرح پایا تھا۔ کاکامیاں کی تنظیم میں، میں سب سے خوبصورت، وجیہہ اور دراز قد شخص تھا، مجھ پر ایک فوجی افسر کا دھوکہ ہوتا تھا، اس گروہ کی لڑکیاں میری توجہ حاصل کرنے میں لگی رہتی تھیں۔

میں نے نہا کر کپڑے بدلے، ایذا خانے میں کرسی پر بیٹھ کر ایذا خانے کو دیکھنے لگا۔ اس ایذا خانے کی ہر چیز مجھے موت کے فرشتے کی طرح گھورتی ہوئی نظر آ رہی تھی، مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ کاکامیاں مجھے کیا ایذائیں دے گا، کس بیدردی اور تقاوت سے موت کے منہ میں دھکیل دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کڑکڑاتے ہوئے تیل میں مجھے ڈال دیا جائے، گرم گرم سلاخوں سے میرا جسم داغا جائے۔

اس لمحے مجھے ناجیہ کی بہت ساری باتیں یاد آئیں۔ وہ کہتی تھی کہ آدمی کو مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرنا چاہئے اور اس پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ گو ہم اُسے بھول جاتے ہیں مگر یاد کرنے پر وہ ہمیں نہیں بھولتا ہے۔ وہی مددگار اور محافظ ہے۔ اس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے۔

اچانک اوپر والے زینے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر بلب آن کر دیا گیا۔ بیلا سب سے پہلے نظر آئی، اُس کے پیچھے تین مسلح بدمعاش تھے، اُن میں سے ایک نے ٹرے اُٹھا رکھی تھی۔ اُس میں شاید کھانا تھا۔ نیچے آ کر ایک بدمعاش نے جنگلے کا تالا کھولا، دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ بیلا کے ہاتھ میں ریوالور تھا، وہ اندر داخل ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ جس بدمعاش نے ٹرے اُٹھائی ہوئی تھی، اُس نے اندر داخل ہو کر اسے ایک کونے میں رکھی ہوئی میز پر رکھ دیا، پھر باہر نکل کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

میں نے کھانے کی ٹرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیلا! سزائے موت کے مجرم کے لئے کھانا کس لئے......؟"

"ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ تمہیں سزائے موت دی جائے گی یا صرف ایذائیں دے دے کر زندہ رکھا جائے گا۔" بیلا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اُس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"کاکامیاں کے دربار میں ابھی تک میری پیشی کس لئے نہیں ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

''تم خوش قسمت ہو کہ اس وقت وہ ایک ضروری کام سے گئے ہوئے ہیں۔'' بیلا نے جواب دیا۔

''کیا اُس لڑکی کا کچھ پتہ چلا......؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیا وہ ہاتھ لگ گئی؟''

''پتہ نہیں چلا۔ لیکن وہ جلد ہاتھ آ جائے گی...... تمہیں اُس کی بہت فکر کھائے جا رہی ہے۔''

''ہاں......! مجھے اُس کی اس لئے بھی فکر ہے کہ اُس نے مجھے روشنی دکھائی، مجھے اندھیرے سے نکالا، ایک ایسے راستے پر ڈالا جس سے میں ناواقف تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک نیک اور پارسا لڑکی تھی، اس دنیا کی لڑکیوں سے قدرے مختلف تھی، ایسی لڑکیاں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ لیکن ایک بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ اُسے کیوں تلاش کیا جا رہا ہے؟ اُس کا قصور کیا ہے؟''

''اُس کا قصور یہ ہے کہ وہ تمہاری ساتھی ہے اور انتہائی خطرناک لڑکی ہے۔ کاکا میاں کا کہنا ہے کہ تم نے شاید اُس لڑکی کو اعتماد میں لے کر ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ وہ لڑکی نہیں زہریلی ناگن ہے، وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتی تھی۔ اُس کی تلاش میں بیس آدمی پورے شہر میں پھیل چکے ہیں۔ اُس کی عیاری اور چالاکی کا اندازہ اس بات سے ہو رہا ہے کہ تین گھنٹے گزر چکے ہیں، وہ ابھی تک ہاتھ نہیں لگی ہے۔''

مجھے یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی کہ ناجیہ ہاتھ نہیں لگی۔ لیکن میں نے اپنے چہرے سے ظاہر ہونے نہیں دیا۔ بیلا نے میرا چہرہ اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر کہا۔ ''میں یہاں تمہیں کھانا پہنچانے نہیں بلکہ اُس لڑکی کے بارے میں پوچھنے آئی ہوں۔ تم اُس لڑکی کے بارے میں بتا دو کہ اُس کا پتہ کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ کاکا میاں تمہارے ساتھ نرمی برتیں۔''

''میں جتنا کچھ جانتا تھا، اتنا تمہیں بتا چکا ہوں۔ میں اُس کے بارے میں مزید جانتا ہوں اور نہ بتا سکتا ہوں۔''

بیلا سڑا سا منہ بنا کر چلی گئی۔ اُس کے ساتھ بدمعاش بھی چلے گئے۔ میں نے سوچا چلو کھانا کھا لو۔ اس وقت بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے میز کے پاس جا کر ٹرے میں دیکھا، کھانا خاصا پُر تکلف تھا۔ بالکل ایسا ہی کھانا جو آخری وقت میں پھانسی کے مجرم کو دیا جاتا ہے۔ ہر غم، ہر فکر اور پریشانی اور خوف و دہشت سے بے پرواہ ہو کر میں نے

سیر ہو کر کھانا کھایا، کولڈ ڈرنک بھی تھا۔ وہ میں نے بعد میں پینے کے لئے رکھ لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہی تین مسلح بدمعاش برتن لینے آئے، اُن میں سے ایک نے تالا کھولنے کے بعد مجھ سے کہا کہ میں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاؤں۔ وہ مجھ سے بہت زیادہ خائف تھے، نجانے کیوں؟ جبکہ ہم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے، میں اُن کے ناموں سے بھی واقف تھا۔

میں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ ایک بدمعاش نے سراسیمگی کی حالت میں ٹرے میں برتن رکھے۔ دو بدمعاشوں نے مجھے بندوقوں کے نشانے کی زد میں رکھا ہوا تھا، جب میں اُن کی طرف گھوما تو وہ تالا لگا رہے تھے۔ میں نے ایک سے دریافت کیا۔

''ایک بات سچ سچ بتاؤ...... کیا میری ساتھی لڑکی اُن لوگوں کے ہاتھ لگی جو اُس کے تعاقب میں ہیں؟''

''کانے اور لال بہادر نے اُس لڑکی کو غنی چوہدری کے مکان کے باہر پکڑ لیا تھا۔'' اُس نے کہا۔

میرا دل دھڑک اُٹھا اور پیشانی عرق آلود ہو گئی کیونکہ کانے اور لال بہادر خطرناک بدمعاش تھے۔ چاقو زنی کے ماہر تھے۔ میرے حلق میں گرہیں پڑ گئیں۔

''کیا وہ دونوں اُس لڑکی کو پکڑ لائے؟''

''وہ اُن کے ہاتھ کہاں لگی...... اُن دونوں کا حشر نشر کر کے فرار ہو گئی۔'' اُس نے بتایا۔

''اُس لڑکی نے اُن دونوں کا کیا حشر نشر کیا......؟'' میں نے ششدر ہو کر پوچھا۔ مجھے دل میں خوشی ہوئی۔

''کانے کی تو اُس لڑکی نے گردن توڑ کر رکھ دی...... لال بہادر کی ساری بہادری نکال دی۔ اُس کے دونوں ہاتھ توڑ کر اُسے معذور کر دیا۔ اُن دونوں کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے.... انیس بھائی! یہ بات کسی کو نہ بتائیں اور نہ میرا نام لیں۔'' وہ منت سماجت کرنے لگا۔

''نہیں...... میں کچھ نہیں کہوں گا، میں انجان بنا رہوں گا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔'' میں نے اُسے دلاسا دیا۔

مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا، اگر میں ناجیہ کو لانچ کے عرشے پر اپنے فن کا مظاہرہ

کرتے ہوئے نہ دیکھ چکا ہوتا۔ اُس نے دونوں خطرناک بدمعاشوں کو تن تنہا معذور کر دیا تھا، بڑی بہادر لڑکی تھی۔ اُس کے اس کارنامے پر دل عش عش کر اُٹھا۔

پھر میں بستر پر دراز ہو کر ناجیہ کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں گئی ہو گی؟ اُس نے کہاں پناہ لی ہو گی؟ اُسے کس نے پناہ دی ہو گی؟ شاید اس شہر میں اُس کے جاننے والے یا رشتہ دار ہوں گے۔ اللہ اُسے اپنی پناہ میں رکھے۔ میرے دل کے کسی کونے سے اُس کے لئے بے اختیار دُعا نکلی۔

اب میں سوچنے لگا کہ کاکا میاں سے سامنا ہونے کی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے میری تلاش میں اس جزیرے کو بھی نہیں بخشا، اُس کے آدمی وہاں بھی پہنچ گئے، میں اس کے لئے اس قدر اہمیت اور خطرے کا باعث بن گیا۔ اُس نے آج تک اپنے کسی دشمن اور غدار کی گرفتاری اور تعاقب کے لئے اتنا زور نہیں لگایا تھا، میری مخبری کا اُس نے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا اور انا کا مسئلہ بنا لیا۔

نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ میں نیند کی آغوش میں چلا گیا...... ساری رات ڈراؤنے خواب آتے رہے، نیند ٹوٹتی رہی۔ رات کے آخری پہر جو میں سویا تو دن چڑھے ہی اُٹھا۔ بیدار ہو کر دیکھا تو میرے لئے میز پر ناشتہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے نہا کر ناشتہ کیا۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد رات والے تینوں بدمعاش برتن لینے آئے، اُنہوں نے میرے دریافت کرنے پر بتایا کہ کاکا میاں کسی کام سے ڈھاکہ گیا ہوا ہے، وہ سہ پہر تک آ رہا ہے۔ میں نے اُن سے انسپکٹر عبدالواحد کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ چٹاگانگ ہی میں ہے اور اُس نے کوئی دس آدمیوں کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا ہے۔ کاکا میاں کے حکم پر جانو نے اُس پر دو تین مرتبہ قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ بال بال بچ گیا۔ کاکا میاں، انسپکٹر عبدالواحد سے بہت خائف اور پریشان ہے اور اُس کے تبادلے کے لئے وہ خود ڈھاکہ گیا ہوا ہے۔ انسپکٹر عبدالواحد کا اس لئے کوئی تبادلہ کرنے کی جرأت نہیں کر رہا ہے کہ اُس کی پہنچ اُوپر تک ہے، اُس کا ریکارڈ بہت صاف ستھرا ہے۔

سہ پہر کے وقت بیلا آئی تو اُس کے ساتھ چار مسلح بدمعاش تھے۔ اُس کے چہرے پر نخوت تھی اور آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ اُس کے حکم پر مجھے ایک ستون سے باندھ دیا گیا تھا۔ میں یہ ساری کارروائی حیرت اور خاموشی سے دیکھتا رہا۔ بیلا نے جب کھونٹی سے ہنٹر اُتارا تو اس وقت جانو مسکراتا ہوا آیا۔ اُس نے مجھے ایک وحشی درندے کی

طرح خونخوار نظروں سے دیکھا۔ اُس کے ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مس بیلا! آپ اس معصوم بچے کے ساتھ کیا کر رہی ہیں؟ اسے کیا سزا دے رہی ہیں؟''

''میں اس کی کھال ادھیڑ رہی ہوں۔'' بیلا نے اُس کی طرف گھور کر دیکھا۔ ''تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے......؟''

''اسے سزا دینے کا اختیار صرف مجھے ہے، آپ کے ان نازک اور خوبصورت ہاتھوں کو نہیں۔'' جانو نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ''آپ اس کے جسم پر پھول برسائیں گی...... نہیں ...... نہیں...... ایسی سخت سزا تو نہ دیں۔''

''میری کاکا میاں سے ٹیلیفون پر بات ہو چکی ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔ ''وہ شام کی فلائٹ سے پہنچ رہے ہیں، اُنہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ان کے آنے تک میں اس کی قدرے مزاج پرسی کر لوں۔''

''کاکا میاں نے یہ نیک کام آپ کو کب اور کس لئے سونپا ہے؟ اس سے پہلے کبھی تو آپ کو تہہ خانے تک آنے نہیں دیا گیا...... آپ کیا جانیں کس طرح غداروں اور مخبروں کو سزا دی جاتی ہے۔''

''اس شخص سے مجھے اپنی چھوٹی بہن کنول کا حساب بے باق کرنا ہے۔ اس لئے میں نے کاکا میاں سے اجازت لے لی ہے۔ عورت جانتی ہے کہ کس طرح سزا دی جاتی ہے، انتقام لیا جاتا ہے۔ تم ایک طرف ہو جاؤ۔'' بیلا نے برہمی سے کہا۔

''یہ نیک کام میرے سپرد کر دیں! اور دیکھیں میں اس سے کیا لرزہ خیز انتقام لیتا ہوں۔ سونا میاں بوڑھا تھا، مر گیا۔ لیکن یہ مرے گا نہیں...... دراصل مجھے ایسے جوان مردوں سے انتقام لینے میں مزہ آتا ہے۔''

''ایک ایسے شخص سے انتقام لینا کیا مردانگی ہے جسے ستون سے باندھا ہوا ہو؟'' بیلا نے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''یہ تم بزدلوں کی سی بات کر رہے ہو، تم مرد ہو تو پھر اس سے کھلے میدان میں مقابلہ کر کے زیر کر دو، پھر اس پر جو تشدد کرنا ہے، کرو۔'' بیلا نے اُسے طعنہ دیا۔

''آپ مجھے چیلنج کر رہی ہیں؟'' جانو کے چہرے پر غصے کی لہر دوڑ گئی۔

"ہاں......!" بیلا نے سر ہلایا۔ "اس لئے کہ میں نے کبھی تمہیں ایک مرد کی طرح مقابلہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تم اس سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے اس لئے کترا رہے ہو کہ تمہاری بہادری کا پول کھل جائے گا۔"

"آپ اس کی کس لئے اس قدر حمایت کر رہی ہیں؟" جانو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میں حمایت نہیں کر رہی ہوں بلکہ تمہاری دخل اندازی پر اعتراض کر رہی ہوں۔ میں ایک عورت ہوں اس لئے اس سے اس طرح انتقام لے رہی ہوں، مرد ذات ہوتی تو ایسا نہ کرتی۔"

"ٹھیک ہے...... اس کی مشکیں کھول دو!" جانو کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس نے بدمعاشوں کی طرف دیکھا۔

"لیکن تم اسے موت کی نیند نہیں سلاؤ گے، بس اسے شدید زخمی کر سکتے ہو۔" بیلا نے کہا۔

"وہ کس لئے......؟" جانو نے جیب سے چاقو نکال کر اُسے ایک جھٹکے سے کھول لیا۔

"اس لئے کہ کاکا میاں اس سے بہت کچھ پوچھنا اور جاننا چاہتے ہیں۔" بیلا نے جواب دیا۔

میری مشکیں کھول کر مقابلے کے لئے جگہ بنا دی گئی۔ جانو کے ہاتھ میں جو چاقو تھا، اُس کا خوفناک پھل تیز روشنی میں چمک رہا تھا۔ میں نہتا تھا لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی، میری نظروں کے سامنے سونا میاں کی لاش گھومنے لگی...... میں نے اُن کی موت کا انتقام لینے کا عہد کیا ہوا تھا۔ آج اس کا موقع ملا تھا۔ وہ چاقو زنی میں مہارت رکھتا تھا مگر میں بھی اس سے کم نہیں تھا، میں جوڈو کراٹے کے فن سے واقف تھا، اُس کے اور میرے تجربے اور مہارت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ بیس برس سے بے گناہوں، دشمنوں اور کمزوروں کے لئے موت کا فرشتہ بنا ہوا تھا۔

جانو میرے مقابل آ گیا۔ بیلا نے ہذیانی لہجے میں جانو سے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی، نہتے شخص سے مسلح ہو کر لڑ رہے ہو...... اپنا چاقو مجھے دے دو...... اپنی مردانگی کی توہین نہ کرو۔"

جانو نے اُس کی بات کا جواب نہیں دیا، وہ فضا میں چاقو لہرانے لگا۔ اُس کی آنکھوں سے شیطنیت جھانک رہی تھی لیکن میں اپنی جگہ بڑے سکون و اطمینان سے جما کھڑا تھا۔

میرے لئے یہ پہلا موقع نہیں تھا، میری آنکھیں اُس پر جمی ہوئی تھیں، میں نے اُس کے ہاتھ میں چاقو کی گرفت اور اُس کا انداز دیکھ کر محسوس کر لیا تھا کہ وہ سخت ذہنی دباؤ میں ہے۔ میرا اطمینان سے کھڑا ہونا اُس پر ایک نفسیاتی حربہ تھا، اُس کے بشرے سے حیرت عیاں تھی۔

"مس بیلا! آپ پیچھے ہٹ جائیں...... مجھے ہنٹر کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے صدا لگائی۔

جانو نے غیر ارادی طور پر پیچھے کی طرف دیکھا، اگلے لمحے اُس کا چاقو والا ہاتھ میرے قبضے میں تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اُس کی ٹھوڑی پر ضرب لگائی تو اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ دوسری ضرب پر چاقو پر اُس کی گرفت کمزور پڑ گئی اور تیسری ضرب پر وہ نیچے گر گیا۔ فرش پر گرتے ہی میں نے اُسے بائیں ہاتھ سے اُٹھا لیا۔ چاقو میرے ہاتھ میں آیا تو پورے کمرے میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ سب سمجھ رہے تھے کہ بس اب میں اسے قتل کر دوں گا۔ لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ میں اُسے قتل نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے قتل کرنے کی صورت میں مجھے بخشا نہیں جاتا۔ میں اُسے اس طرح اور ایسی جگہ قتل کرنا چاہتا تھا کہ کسی کے علم میں نہ آسکے۔

میں نے چاقو لہراتے ہوئے اُن سب پر ایک نظر ڈالی اور اسے آہستہ سے بند کر کے جانو کی طرف اُچھال دیا۔ وہ بھونچکا سا ہو گیا۔ ایک طرح سے میں نے اُس کی تذلیل کی تھی، اُسے یہ باور کرایا تھا کہ وہ اناڑی اور بچہ ہے، ابھی اسے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ پھر میں نے بیلا کی طرف دیکھا۔

"جانو ہار گیا...... اسے ابھی مشق کی ضرورت ہے۔"

بیلا کے چہرے پر حیرت اور خوف کی پرچھائیاں دیکھ کر میں برق سرعت سے ایک طرف ہٹ گیا۔ مجھے شبہ تھا کہ اس کمینے اور رذیل شخص سے اوچھا پن بعید نہیں ہے۔ میرے کان اور آنکھیں پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی چاقو کھولنے کی آہٹ اور اُس کے اُٹھنے کی سرسراہٹ ہوئی، میں اُس کے نشانے سے ہٹ گیا۔ میں نے اُس کی پشت پر جست لگائی۔ وہ چند ثانیے بھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکا، میں نے اُس کا چاقو والا ہاتھ اتنی شدت سے مروڑا کہ اُس کی دردناک کراہیں کمرے میں گونجنے لگیں۔ چاقو گرنے کے بعد بھی میں نے اُسے چھوڑا نہیں، مجھ سے جتنی ضربیں لگ سکتی تھیں، میں نے اُس پر

لگائیں۔ جتنی وہ برداشت کر سکتا تھا، اُس نے کیں۔ میری رگوں میں لہو اُبلنے لگا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج اس کی ایسی دُرگت بناؤں گا کہ وہ آخری سانس تک نہیں بھولے گا۔ میں اُسے بالوں، بازوؤں اور گدی سے پکڑ پکڑ کر اُٹھاتا اور فرش پر پھینکتا رہا۔ درمیان میں ایک بدمعاش نے پیچھے سے اچک کر میری گردن میں ہاتھ ڈالا اور مجھے گرانے کی کوشش کی۔ میں نے اُسے جانو پر پھینک دیا۔

وہ فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔ ہمیں کسی کو بھی خبر نہ ہو سکی تھی کہ کاکامیاں کب سے خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہا ہے۔ چاقو جانو کے پاس پڑا ہوا تھا، میں نے اُس سے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

''ابھی تمہارے دودھ پینے کے دن ہیں...... تم میں دم ہے تو چاقو اُٹھا کر مقابلے پر آ جاؤ...... تمہارا شیوہ رہا ہے کہ نہتے لوگوں کو قتل کرو...... آج پتہ چل گیا؟''

''بند کرو یہ کھیل......'' کاکامیاں نے تڑختے ہوئے لہجے میں کہا۔

کاکامیاں کی آواز سنتے ہی سبھی اُچھل پڑے۔ اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے......؟ اس غدار کو سزا دینے کی بجائے اس کے ہاتھوں سے جانو کو پٹوایا جا رہا ہے؟''

''باس......!'' بیلا فوراً بول اُٹھی۔ ''میں اس غدار کی کھال اُدھیڑنے آئی تھی۔ لیکن جانو نے دخل اندازی کر کے اسے لڑنے کا چیلنج کیا۔ یہ خود اُلجھا ہے، میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ پہلے مجھے اپنی بہن کا انتقام اور حساب بے باق کرنے دو۔ پھر تم جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرنا لیکن اس نے میری ایک بات نہیں سنی۔''

''اس نے تمہاری بہن کے ساتھ کیا، کیا......؟ کس بات کا انتقام؟'' کاکامیاں نے پوچھا۔

''اس نے میری سولہ برس کی بہن کنول کو محبت کے نام پر فریب دیا، سبز باغ دکھائے، پھر اُسے اس طرح دھتکار دیا جیسے وہ کوئی حقیر اور ذلیل شے ہو، اُس کی دنیا اندھیر کر کے رکھ دی۔'' بیلا نے کہا۔

میں دل میں ششدر رہ گیا، بیلا نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اُس کی بہن کنول سے میری محض دو ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے اُس سے نہ تو محبت کی تھی اور نہ ہی فریب دیا تھا۔

اسی وقت کاکامیاں کے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو اُس نے جیب سے موبائل نکال کر بات کی، پھر اُسے آف کر کے اُس نے بیلا سے کہا۔

''میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم اس غدار کی کھال ادھیڑ دو۔ میں اس سے صبح بات کروں گا۔ لیکن اسے جان سے نہیں مار دینا۔ کیونکہ میں بھی اپنے دل کے کچھ ارمان نکالنا چاہتا ہوں۔''

''میں بھی اس سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔'' جانو نے دو بدمعاشوں کے سہارے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''پہلے بیلا کو اپنا حساب بے باق کرنے دو!'' کاکامیاں نے استہزائی لہجے میں کہا۔ ''قربانی کا جانور بھلا کہاں جا سکتا ہے؟ میں اسے ایسی سزا اور ایذائیں دینا چاہتا ہوں کہ تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔''

اتنا کہہ کر کاکامیاں میرے پاس آیا، اُس نے میرے منہ پر غصے سے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ ''نمک حرام...... ذلیل...... غدار...... یہ ہے میرے احسانات کا صلہ کہ تم نے انسپکٹر عبدالواحد سے مخبری کر دی؟ اگر مجھے بروقت اطلاع نہ مل جاتی تو میری ساری تنظیم تباہ و برباد ہو جاتی اور میں اندر ہو جاتا۔''

''باس......!'' میں نے متاثرہ گال سہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے صفائی کا موقع دو۔ میں نے کوئی مخبری نہیں کی۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' کاکامیاں نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ''اُسے چندن پورہ کے اڈے کے بارے میں کس نے بتایا تھا......؟ اُس نے وہاں چھاپہ مار کر نہ صرف اسلحہ بلکہ منشیات کا سامان بھی ضبط کر لیا، بیس آدمی بھی پکڑ لئے۔''

''چندن پورہ پر جو چھاپہ پڑا، وہ لالو خان کی وجہ سے پڑا۔ اُس نے پولیس کے ایک مخبر کے ہاتھ منشیات چرا کر فروخت کی تھیں۔ میں نے انسپکٹر عبدالواحد کی شکل تک نہیں دیکھی ہے۔'' میں نے کہا۔

''پھر تم موٹر بوٹ پر فرار کس لئے ہوئے تھے......؟'' کاکامیاں نے مجھے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

''انسپکٹر عبدالواحد نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم نے مجھے مطلوبہ معلومات فراہم نہیں کیں تو میں پولیس مقابلے میں ختم کر دوں گا۔''

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم نے انسپکٹر عبدالواحد کی شکل تک نہیں دیکھی ہے۔"

"اُس کا ایک سپاہی میرے پاس یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد میں نے پولیس کی موبائل گلی میں داخل ہوتی دیکھی تو وہاں سے فرار ہو گیا۔ پولیس نے میرا تعاقب کیا تھا لیکن میں اسے چکمہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔"

کاکا میاں نے اُلٹے ہاتھ سے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا، پھر خشونت آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ جھوٹ کا پلندہ اپنے پاس رکھو!" پھر وہ بیلا کی طرف گھوما۔ "یہ بہت اُونچی چیز ہے، یہ مجھے جھوٹ بول کر بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم اس کی کھال اُدھیڑ کر اس پر نمک مرچ چھڑک دینا۔ اس پر ذرّہ برابر بھی ترس نہیں کھانا۔"

کاکا میاں اپنے محافظوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ جانو جو دو بدمعاشوں کے سہارے کھڑا کراہ رہا تھا، اُس نے مجھے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے فرش پر تھوکا، پھر غرایا۔

"اگر میں نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے ذبح نہیں کیا تو میرا نام جانو نہیں۔"

میں نے اُس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ بیلا نے بدمعاشوں کو حکم دیا کہ مجھے ستون سے باندھ دیا جائے۔ جانو کرسی پر بیٹھ گیا، یہ دیکھنے کے لئے کہ بیلا کس طرح مجھ پر ہنٹر برساتی ہے۔ بیلا نے میری پیٹھ پر دو تین ہنٹر وقفے وقفے سے مارے۔ میں درد اور تکلیف سے تڑپ گیا۔ جانو نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"مس بیلا! اور زور سے مارو...... لاؤ...... یہ ہنٹر مجھے دے دو۔ تاکہ میں بھی آٹھ دس کوڑے ماروں۔"

"تم پھر میرے معاملے میں دخل دے رہے ہو۔" بیلا نے تڑ سے جواب دیا۔ "اب تمہاری حالت ایسی نہیں ہے کہ اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکو...... تمہارا کچومر نکل گیا ہے۔ جاؤ! جا کر ڈاکٹر کو دکھاؤ۔"

وہ بے غیرت گیا نہیں، میرا تماشہ دیکھنے کے لئے بیٹھا رہا۔ وہاں چھ سات بدمعاش کھڑے ہوئے تھے۔ میں بارہ کوڑے کھانے کے بعد بے ہوش ہو گیا۔

جب میں ہوش میں آیا تو میرے زخموں میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ میں بے جان سا فرش پر منہ کے بل پڑا ہوا تھا، کمرے میں میرے سوا کوئی نہیں تھا، بتی جل رہی تھی۔ میں درد اور تکلیف سے کراہنے لگا۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ ہل سکوں۔ پھر میں نے آہٹ سنی۔ اُوپر والے زینے سے کوئی نیچے آ رہا تھا...... پھر میں نے تالا کھلنے کی آواز سنی۔ اُس

ت دیکھا، بیلا تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک دستی بیگ تھا۔ میں سمجھ گیا وہ میرے زخموں پر نمک چھڑکنے آئی ہے۔

بیلا میرے پاس آ کر دو زانو بیٹھ گئی۔ اُس کا چہرہ زرد تھا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بولی۔

"مجھے معاف کر دینا...... میں اس کے لئے مجبور تھی۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو صابو لنگڑا تمہارے جسم پر چاقو سے شگاف ڈال دیتا۔ کاکا میاں نے اُسے حکم دیا تھا کہ وہ تمہارے جسم پر چاقو کی نوک سے جا بجا شگاف ڈال دے۔ میں نے اُسے باز رکھنے کے لئے اُس کی شراب میں ایسا سفوف ملا دیا کہ پیٹ کے درد نے اُس کی حالت خراب کر دی۔ وہ کمینہ اب ہسپتال میں ہے۔"

"گویا تم نے میری ذات پر یہ دوسرا احسان کیا......" میں نے ممنونیت سے کہا۔

"اگر جانو وہاں بیٹھا ہوا نہ ہوتا تو میں شاید تمہیں اتنی بیدردی سے نہیں مارتی...... میں نرمی برتتی تو اُسے شک ہو جاتا...... تم جانتے ہو کہ وہ کس قدر شکی مزاج، خبیث، رذیل اور کاکا میاں کا منہ چڑھا ہے۔"

"بیلا! تم کتنی اچھی ہو...... تمہارا یہ خلوص اور ہمدردی کا جذبہ میں کبھی بھلا نہ سکوں گا۔" میں جذباتی ہو گیا۔

"میں تمہارے زخموں پر مرہم لگانے آئی ہوں۔" وہ بولی۔ "میری دلی آرزو ہے کہ تم سونا میاں کے قتل کا بدلہ نہ صرف جانو بلکہ کاکا میاں سے بھی لو۔ سونا میاں مجھے اپنے باپ سے بھی زیادہ عزیز تھے۔"

"زندگی نے مہلت دی تو میں اُن دونوں کو نہیں بخشوں گا۔" میں نے کہا۔ "لیکن بیلا! تم میری مرہم پٹی کرنے آئی ہو۔ کاکا میاں کو پتہ چل گیا اور کسی نے مخبری کر دی تو پھر وہ تمہیں بھی نہیں بخشے گا۔"

"ایک مصری رقاصہ آئی ہوئی ہے۔ رانا چوہدری کی حویلی میں ایک نجی محفل جمی ہے۔ وہ اس میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہے، کاکا میاں کل لنچ کے بعد ہی آئے گا۔ ادھر میں نے تمام بدمعاشوں کو شراب میں بے ہوشی کی دوا ملا کر دے دی تھی، وہ سب بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ صرف ایک جانو نہیں ہے۔ وہ رات تین بجے آنے کا کہہ گیا ہے، ابھی ایک بج رہا ہے۔ میں تمہیں فرار کا موقع دینے آئی ہوں۔"

"میرے فرار ہونے سے تم پر آنچ تو نہیں آئے گی......؟" میں نے کہا۔

"نہیں......" اُس نے سر ہلایا۔ "جانو رات تین بجے تم سے بدلہ لینے آئے گا۔ بس تم اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر فرار ہو سکتے ہو۔ سارا الزام جانو پر آ جائے گا۔"

"لیکن میری حالت تم دیکھ رہی ہو۔ مجھ میں اُٹھ کر بیٹھنے کی سکت تک نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں اور میں نے دو برس سرکاری ہسپتال میں ہاؤس جاب بھی کیا ہے۔ کاکا میاں نے مجھے بلیک میل کر کے اس پیشے سے محروم کر دیا اور اپنا سیکرٹری بنا لیا۔"

بیلا نے میرے زخموں کو صاف کر کے ان پر مرہم لگایا، پھر اُس نے دو انتہائی طاقتور انجکشن لگائے۔ پھر اُس نے دو کیپسول بھی کھلائے۔ تھوڑی دیر میں، میں نہ صرف اپنا سارا درد بھول گیا بلکہ میرے سارے جسم میں توانائی سی آ گئی۔ کھوئی ہوئی طاقت واپس آ گئی تھی، اُس کے انجکشن اور کیپسولوں نے جادو جیسا اثر کیا تھا۔

پھر اُس نے مجھے سینڈوچز کھلائے اور لیمن جوس پلایا۔ پھر اُس نے رُخصت ہوتے وقت ایک چاقو بیگ سے نکال کر مجھے دیا۔ "تم فرش پر ہی لیٹے رہنا۔ جب جانو آئے گا تو یہ سمجھے گا کہ تم بے ہوشی کی حالت میں پڑے ہو۔"

"بیلا! تم نے مجھے اپنے احسانات کے بوجھ تلے دبا دیا.... کاش! کبھی میں یہ اُتار سکوں۔"

"تم میرے فرض کو احسان کا نام دے رہے ہو۔" بیلا نے میرا رخسار بڑے پیار سے تھپتھپایا۔

"ناجیہ کے بارے میں کچھ پتہ چلا......؟ کہیں وہ پکڑی تو نہیں گئی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں...... اُس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ وہ اس لئے بھی ہاتھ نہیں لگ سکی کہ سوائے لانچ کے بدمعاشوں کے کوئی بھی اُس کی شکل صورت سے واقف نہیں ہے۔ اُسے دو بدمعاشوں نے اُس کے گیلے کپڑوں سے شناخت کیا تھا لیکن وہ اُن دونوں کا حشر نشر کر کے کہیں نکل گئی۔ رامو اُس کی تلاش میں شہر کا چپہ چپہ چھان رہا ہے۔"

بیلا نے جاتے جاتے بتیاں گل کر دیں، صرف نائٹ بلب روشن رہنے دیا۔ کمرے میں ملگجی اندھیرا پھیل گیا۔ میں جانو کا انتظار کرنے لگا۔ کوئی دو گھنٹے کے اذیت ناک انتظار

ے بعد مجھے اُوپر والے زینے پر دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے نیم وا آنکھوں ے دیکھ لیا تھا، جانو اکیلا ہی تھا، وہ کمرے کا جنگلا کھول کر اندر داخل ہوا۔ میں پیٹ کے ل لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے میرے پاس کھڑے ہو کر تمسخر سے کہا۔

"شیر بہادر! کھڑے ہو جاؤ۔"

"میں کھڑے ہونا تو در کنار ہل تک نہیں سکتا۔" میں نے مُردہ لہجے میں کہا۔

"نخرے نہ دکھاؤ.... اداکاری نہ کرو.... اُٹھ کر مجھ سے مقابلہ کرو!" وہ نخوت سے بولا۔

"تمہارے دل میں مقابلہ کرنے کی خواہش ہے تو کل شام تک کی مہلت دو!" میں نے نقاہت کے لہجے میں کہا۔

"اگر تم کھڑے نہیں ہوئے تو میں تمہیں ذبح کر دوں گا۔" اُس نے اپنا پیر میرے ینے کے نیچے دے کر مجھے سیدھا کرنا چاہا۔

بس یہی موقع تھا جس کا مجھے انتظار تھا۔ میں نے برقی سرعت سے سیدھے ہو کر اُس کا یر پکڑ لیا اور پوری طاقت سے مروڑ دیا۔ اس کے لئے میری یہ حرکت غیر متوقع تھی۔ وہ لٹو ی طرح گھوم گیا، توازن برقرار نہ رکھ سکا اور فرش پر آ رہا۔ وہ چونکہ منہ کے بل فرش پر ھڑام سے گرا تھا اس لئے اُس کی ناک پر زور کی چوٹ لگی تھی، اُس کی نکسیر پھوٹ گئی تھی ور ناک سے ٹپ ٹپ خون گرنے لگا تھا۔ میں نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا، برق رعت سے اُٹھ کر اُس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچا تو وہ کراہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر یں نے اُس کا سر دیوار پر پوری طاقت سے دے مارا۔ وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ ب کل شام سے پہلے اُس کا ہوش میں آنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے فوراً ہی کپڑے پہنے اور بیلا کا دیا ہوا چاقو لے کر تہہ خانے سے باہر آیا۔ پھر جھے اس کوٹھی سے باہر آنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت کوٹھی یں موجود پہریدار اور بدمعاش کہاں ہوں گے۔ میں عقبی راستے سے نکل آیا۔ پھر میں نے ں کمرے کی طرف دیکھا جو بیلا کا تھا۔ کھڑکی میں بیلا کھڑی تھی۔ اُس نے مجھے دیکھ کر ھ ہلایا اور کھڑکی بند کر کے پردہ گرا دیا۔

میں تیزی سے گلیوں سے ہوتا ہوا مین روڈ کی طرف لپکا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ا کہ کہاں جاؤں۔ گھومنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ کاش! میرے ں رقم ہوتی تو میں کسی ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیتا۔ میرے ہاتھ غیر ارادی طور پر

پتلون کی جیب میں چلے گئے۔ میں نے ایک جیب میں کچھ محسوس کیا۔ اسے نکال کر دیکھا، وہ سو سو ٹاکا کے تین نوٹ تھے۔ یہ رقم بیلا نے میری جیب میں اس وقت رکھ دی تھی جب میں منہ دھونے باتھ رُوم میں گیا تھا۔

مین روڈ اس وقت ویران اور سنسان پڑی تھی۔ سائیکل اور آٹو رکشہ کا نام ونشان تھا اور نہ ہی کسی ٹیکسی کا...... یہاں قریب ایسا کوئی ہوٹل نہیں تھا اور نہ ہی میرے کسی دوست کا مکان تھا جس میں ٹھہر سکتا۔ یوں تو کسی کے تعاقب کا خوف اور اندیشہ نہیں تھا پھر بھی سینے میں ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔

پھر میں نے چلنا موقوف نہیں کیا، میں نے اپنی رفتار تیز رکھی۔ جب چوراہے پر پہنچا تو مخالف سمت سے ایک پولیس وین آ کر میرے پاس رُک گئی۔ اُس میں سے دو سپاہی تیزی سے اُترے اور اُنہوں نے مجھ سے کچھ پوچھے بغیر میری جامہ تلاشی لی اور پھر تین سو کی رقم اور چاقو میری جیب سے نکال لیا۔ ایک سپاہی نے میرا کالر پکڑا اور مجھے اگلے دروازے کی کھڑکی کے پاس لے گیا۔ وہاں سب انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے سب انسپکٹر سے کہا۔

''سر! اس کی جیب سے تین سو ٹاکا اور یہ چاقو نکلا ہے...... کہیں سے ڈاکہ مار کر آ رہا ہے۔''

''اسے تھانے لے چلو......!'' سب انسپکٹر نے کرخت لہجے میں کہا۔

○□○

وین میں راستے میں مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی گئی کہ میں کون ہوں؟ میرا نام کیا ہے؟ میں اس وقت کہاں سے ڈاکہ مار کر رقم لا رہا ہوں؟ میں کہاں رہتا ہوں، کیا کرتا ہوں؟ میں گول مول جواب دیتا رہا۔ اگر اُنہیں سچ سچ بتا دیتا کہ میں کاکا میاں کا آدمی ہوں تو شاید گلو خلاصی ہو جاتی۔ وہ رقم لے کر مجھے وین سے اُتار دیتے۔ لیکن میں نے اس لئے نہیں بتایا کہ وہ شاید تصدیق کرنے کے لئے کاکا میاں کے ہاں ٹیلیفون کرتے، پولیس کی کالی بھیڑیں ہر تھانے میں موجود تھیں۔ ٹیلیفون کرنے کی صورت میں میری شامت آ سکتی تھی۔ ان کی میرے جوابات سے تسلی تشفی نہیں ہوئی اس لئے میرے دو تین ہاتھ پڑ گئے۔

تھانے کے احاطے میں گاڑی رُکی۔ جب وہ مجھے وین سے اُتار کر دھکے دیتے ہوئے برآمدے کی طرف بڑھے تو اس وقت میں نے انسپکٹر عبدالواحد کو دیکھا جو اپنے کمرے سے باہر آ رہے تھے۔ میں اُن کی طرف تیزی سے لپک گیا۔

انسپکٹر عبدالواحد نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''تم......؟ تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ اس وقت تم یہاں کیسے؟''

''میں اندر چل کر ہی بتا سکتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ لوگ مجھے پکڑ کر لائے ہیں۔''

''سر! ہم نے اسے آوارہ گردی کے الزام میں پکڑا ہے...... اس کی جیب سے تین سو ٹاکا اور چاقو نکلا ہے۔'' سب انسپکٹر نے جواب دیا۔ ''یہ جوبلی روڈ پر مشتبہ حالت میں گھوم رہا تھا۔''

''میرے ساتھ آؤ!'' انسپکٹر عبدالواحد نے مجھ سے کہا۔ پھر وہ سب انسپکٹر سے بولے۔ ''یہ رقم اور چاقو اسے واپس دے دو۔ اور ہاں دو کپ چائے اور بسکٹ بھی بھیج دینا۔''

سب انسپکٹر اور سپاہیوں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ سب انسپکٹر نے رقم اور چاقو

میرے حوالے کر دیا۔ وہ مجھے اندر لے آئے۔ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب میں بیٹھ گیا
تو وہ بولے۔ ''میں تو یہ سمجھا تھا کہ کاکا میاں نے تمہیں قتل کر کے کہیں دفن کر دیا ہے۔ میں
اُس روز سے تمہاری تلاش میں ہوں۔ اچھا ہوا تم مل گئے۔''
''میرے ایک دوست اور مہربان نے مجھے بروقت اطلاع نہ دی ہوتی تو میں آج زندہ
نہ ہوتا۔'' میں نے مختصر طور پر اپنے فرار اور جزیرے پر پہنچنے کی کہانی سنائی۔ اس دوران
میں ایک سپاہی چائے اور بسکٹ رکھ کر چلا گیا۔
''کاکا میاں کو تمہاری مخبری کے بارے میں کس نے اطلاع دی؟'' وہ حیرت سے
بولے۔ ''میں نے تو انتہائی رازداری برتی تھی۔ سب انسپکٹر تک کو نہیں بتایا تھا۔''
''حوالدار امیر بیگ نے مخبری کی اطلاع کاکا میاں کو دی تھی اور وہ اُسے ہر ماہ پانچ سو
ٹاکا دیتا ہے۔''
''حوالدار امیر بیگ نے......؟'' وہ بری طرح چونکا۔ اُس روز اُس نے تمہیں شاید
میرے مکان سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا۔ وہ تمہارے جانے کے دس منٹ بعد آیا تھا۔
اُس نے شاید وہ لفافہ دیکھ لیا ہوگا جو تم مجھے دے گئے تھے۔''
''مگر سر! آپ نے کاکا میاں کے خلاف اب تک کوئی کارروائی کیوں نہیں کی......؟''
میں نے پوچھا۔
''تم جانتے ہو اُس کی جڑیں کتنی گہری اور مضبوط ہیں۔ اُس نے اوپر سے نیچے تک
کالی بھیڑیں خرید رکھی ہیں۔ دراصل اُس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ جو اعلیٰ
حکام مخلص، بےغرض اور باضمیر ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کاکا میاں کیفرِ کردار کو پہنچے۔ اُس نے
میڈیا کو بھی جیب میں رکھا ہوا ہے، اگر میں اُس پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو ایک طوفان اُٹھ کھڑا
ہوگا۔ میں کسی ایسے ثبوت کی تلاش میں ہوں کہ وہ قانون کے شکنجے میں آجائے۔ میں یہ
بھی نہیں چاہتا کہ میرا تبادلہ ہو جائے۔ جبکہ وہ بڑا زور لگا رہا ہے۔ اُس نے مجھ پر قاتلانہ
حملے بھی کروائے ہیں، وہ مجھ سے اس لئے خطرہ محسوس کر رہا ہے کہ میں نے ایک کروڑ کی
رقم ٹھکرا دی۔ اُسے اندازہ ہو گیا کہ میں بکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ وہ مجھے اغواء
کرنے کی بھی کوشش کر رہا ہے تاکہ مجھے راہِ راست پر لا سکے۔ لیکن یہ اُس کی بھول ہے۔''
''سر! میری جان کو سخت خطرہ لاحق ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جانو نے سونا میاں کو قتل کیا
تھا۔ کاکا میاں مجھے سخت ایذائیں دے کر مارنا چاہتا ہے۔ مجھے ناجیہ کی تلاش ہے۔ میں

چاہتا ہوں کہ کاکا میاں کو جتنا جلد ہو سکے کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔''
''یہ کس طرح ممکن ہے؟ کیا کوئی تدبیر تمہارے ذہن میں ہے جس سے اُس مافیا کا
شیرازہ بکھر جائے؟''
''یہ اس طرح ممکن ہے کہ اُسے موت کی نیند سلا دیا جائے۔ اُس کے ساتھ اُس کی
تنظیم کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔''
''اُسے موت کی نیند سلانا آسان نہیں ہے اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ قانون کو ہاتھ
میں لیا جائے۔ اُس پر مقدمہ چلا کر اُسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے تاکہ مجرموں کو عبرت حاصل
ہو۔''
''لیکن سر! ایک ایسے شخص کو موت کی نیند سلانا غیر قانونی کیسے ہو گیا جو پیشہ ور قاتلوں
کی تنظیم کا سرغنہ ہے؟ اُس نے کتنے ہی بےگناہوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ دنیا جانتی ہے
کہ وہ قاتل ہے، اسمگلر اور منشیات فروش ہے۔''
''تم جذباتی نہ بنو۔'' وہ ناصحانہ انداز میں بولے۔ ''وہ اپنے عبرتناک انجام سے بچ نہ
سکے گا۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں...... وہ قانونِ قدرت سے بچ نہیں سکتا ہے۔''
''آپ نے بتایا نہیں کہ میں کس طرح سے اس شیطان کے سائے سے بچ کر رہ سکتا
ہوں؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''تم میرے ساتھ چلو...... میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔
وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر پتھرگٹہ کے مکان پر پہنچے۔ اُنہوں نے دروازے پر ہلکی سی
دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازے پر ایک ساٹھ برس کی صحت مند اور چاق
چوبند عورت کھڑی تھی۔ وہ ایک پُر وقار عورت لگ رہی تھی۔ سفید ساڑھی میں تھی۔ اُس
کی آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا ہوا تھا۔ اُس نے انسپکٹر عبدالواحد کو سلام کیا اور ایک طرف
ہٹ کر اندر آنے کا راستہ دیا۔ جب ہم دونوں اندر داخل ہو گئے تو اُس نے دروازہ بند کر
دیا، پھر نشست گاہ کی بتی جلائی، کمرہ جگمگا اُٹھا۔ میں نے دیکھا، اس کمرے کی دیواروں پر
اداکاراؤں کی بڑی بڑی پینٹنگز آویزاں ہیں۔ یہ نئی اور پرانی اداکاراؤں کی تھیں۔
''واحد بھائی! خیریت تو ہے؟ اس وقت کیسے آنا ہو گیا؟'' اُس نے ہم دونوں کو بیٹھنے کا
اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔
''آمنہ بہن! آپ کے لئے ایک بیٹا لایا ہوں۔ ان کا نام انیس ہے۔'' انسپکٹر

عبدالواحد نے جواب دیا۔

''ماشاء اللہ...... بڑا پیارا بیٹا ہے۔'' آمنہ بیگم نے مجھے ممتا بھری نظروں سے دیکھا۔

اُس لمحے یہ عورت مجھے اپنی سگی ماں کی طرح لگی۔ میں بچپن سے ماں کی ممتا سے محروم تھا۔ میں نے اپنے دل میں ایسا محسوس کیا جیسے میں صدیوں سے ماں کی محبت اور شفقت کے لئے تڑپ رہا ہوں۔

''اس وقت ان کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ کاکا میاں ان کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔''

''وہ کس لئے......؟'' آمنہ بیگم کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔

''یہ آپ کو انیس بتا دیں گے...... انیس! تم ان پر بھروسہ کر سکتے ہو...... یہ میری بہن کی طرح ہیں۔'' انسپکٹر عبدالواحد نے کہا۔

''میں کس طرح سے ان کی زندگی کی حفاظت کر سکتی ہوں؟'' آمنہ بیگم نے پوچھا۔

''میک اپ کر کے۔'' وہ بولے۔ ''ان کا ایسا بہروپ بھر دو کہ ان کے فرشتے بھی انہیں نہ پہچان سکیں۔ یہ آزادانہ باہر گھوم پھر سکیں، اپنا مشن جاری رکھ سکیں۔''

''اوہ...... یہ بات ہے۔'' آمنہ بیگم ہنس پڑیں۔

''انیس!'' انسپکٹر عبدالواحد کہنے لگے۔ ''آمنہ بیگم ایف ڈی سی اسٹوڈیو ڈھاکہ میں تیس برس تک میک اپ وومن کے فرائض انجام دیتی رہی ہیں۔ جوان کو بوڑھا، بوڑھے کو جوان، بچی یا لڑکی کو دادی نانی بنا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ یہ تمہیں ستر برس کا بوڑھا بھی بنا سکتی ہیں۔ تم یہاں جب تک چاہے رہ سکتے ہو، یہاں ہر طرح سے محفوظ ہو۔ دشمن کی رسائی تم تک بہت مشکل ہے۔''

❑......❑

میں دوسرے دن آمنہ بیگم کے گھر سے ایک باریش شخص کے رُوپ میں نکلا...... اس روپ میں مجھے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ کاکا میاں کے بدمعاش بندرگاہ، ریلوے اسٹیشن اور بازاروں میں مجھے شکاری کتوں کی طرح تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ میں اُن کے سامنے سے گزرا تھا لیکن اُن میں سے ایک بھی مجھے پہچان نہیں سکا۔ اس حلیے میں میری شناخت مشکل تھی۔ میں ناجیہ کو تلاش کر رہا تھا۔ مجھے یہ بھی خیال آتا کہ کہیں وہ کھلنا شہر تو نہیں چلی گئی؟

کوئی تیسرے دن وہ مجھے ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ رُوم میں دکھائی دی۔ وہ چاند پور جانے والی ریل گاڑی کے انتظار میں ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی۔ اس ویٹنگ رُوم کے کچھ قدرے فاصلے پر جو بک اسٹال تھا وہاں رامو کو دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ رامو نے اُسے دیکھ لیا تھا یا نہیں؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے دو تین بدمعاشوں کو پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ان بدمعاشوں نے ناجیہ کو دیکھ لیا ہے۔

ناجیہ کو دیکھ کر مجھے جتنی خوشی ہوئی تھی، وہ خاک میں ملتی نظر آئی۔ گو میری جیب میں چاقو تھا اور انسپکٹر عبدالواحد کا دیا ہوا ایک بھرا پستول بھی موجود تھا۔ لیکن ان سے یہاں کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اُسے یہاں سے کس طرح نکال کر لے جاؤں؟ میرے ذہن میں ایسی کوئی تدبیر نہیں آئی تھی کہ ان بدمعاشوں کی آنکھوں میں دُھول جھونک جا سکے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ ناجیہ کو قابو میں کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جوڈو کراٹے کی ماہر ہے۔ لیکن یہاں تین چار مسلح بدمعاش پلیٹ فارم پر موجود تھے۔

اچانک میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ مردانہ ویٹنگ رُوم کے باہر کچرے کا ایک ڈھیر جمع تھا۔ جمعدار جھاڑو دے کر جمع کر گیا تھا۔ وہ کچرا اُٹھا کر لانے کے لئے شاید ٹرالی لینے گیا ہوا تھا۔ اس وقت پلیٹ فارم پر بہت سارے مسافر گاڑی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، سامان بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے ایک اسٹال سے ماچس خریدی۔ لوگوں کی نظریں بچا کر ایک جلتی ہوئی دیا سلائی کچرے کے ڈھیر پر ڈال دی۔ چند ثانیوں کے بعد یکدم آگ بھڑک اُٹھی۔ پھر آگ آگ کا شور مچ گیا اور پلیٹ فارم پر ایک افراتفری اور بھگدڑ سی مچ گئی کیونکہ آگ بھڑک کر شعلوں کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ میں لپک کر ویٹنگ رُوم میں پہنچا۔ ناجیہ بھی آگ دیکھ کر ہراساں ہو گئی تھی۔ وہ اپنا دستی بیگ اُٹھا رہی تھی کہ میں نے اُس کے پاس جا کر کہا۔

''ناجیہ! یہ میں ہوں۔ میں نے بہروپ بھرا ہوا ہے۔ باہر رامو اور اُس کے ساتھی موجود ہیں...... تم میرے ساتھ چلو...... یہ اچھا موقع ہے۔''

میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر ریلوے سٹیشن کی عمارت سے باہر آیا۔ پارکنگ میں ایک آٹو رکشہ کھڑا تھا، ہم دونوں اُس میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور سے کہا۔ ''پتھر گٹہ چلو!''

میں نے راستے میں ناجیہ سے کوئی بات نہیں کی، البتہ پلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، کہیں رامو تعاقب میں تو نہیں چلا آ رہا ہے؟ ناجیہ اس اتفاقی ملاقات سے خوش ہو گئی تھی۔ سفر

خیریت سے طے ہوا۔

جب میں اُسے لے کر اندر داخل ہوا تو ناجیہ نے آمنہ بیگم کو سلام کیا۔ آمنہ بیگم ایک لمحے مبہوت سی ہو کر اُس کی سندرتا کو دیکھتی رہیں، پھر اُس کی بلائیں لیتی ہوئی بولیں۔

''کیا تم بہو کو لے کر آئے ہو؟'' ناجیہ گلابی ہو گئی۔

''یہ ناجیہ ہے۔'' میں نے آمنہ بیگم سے تعارف کرایا۔ پھر آمنہ بیگم کا اُس سے تعارف کرایا۔ ''یہ میری ماں جی ہیں۔''

□......□

ہم دونوں نشست گاہ میں بیٹھ گئے۔ آمنہ بیگم باورچی خانے میں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ میں نے اُس سے پوچھا۔

''سمندر میں چھلانگ لگانے کے بعد تم پر کیا بیتی......؟ تم نے کہاں پناہ لی......؟''

''میں تیرتی ہوئی کنارے کے اُس حصے کی طرف گئی جو ٹرمینل کا تاریک حصہ تھا۔'' ناجیہ بتانے لگی۔ ''وہاں اتفاق سے کوئی نہ تھا۔ اناج کی بوریاں رکھی ہوئی تھیں۔ جب میں ٹرمینل سے باہر آئی تو مجھے لانچ کے دو بدمعاشوں نے گھیر لیا اور لانچ پر چلنے کے لئے کہا۔ جب میں نے انکار کیا تو اُنہوں نے میرے ساتھ زبردستی کی۔ وہ مجھے اُٹھا کر لے جانا چاہتے تھے۔ اُن کے لئے میرے دو تین ہاتھ ہی کافی تھے۔ پھر میں ادھر آئی جہاں رکشے کھڑے ہوئے تھے۔ رکشہ والوں نے میرے کپڑے گیلے دیکھے تو اُنہیں بڑی حیرت ہوئی۔ میں رکشہ میں سوار ہو کر اپنی ایک سہیلی یاسمین کے ہاں پہنچی۔ یہ بھی سماجی کارکن تھی۔ وہ بیماری کی وجہ سے میرے ساتھ جہاز میں نہ جا سکی تھی۔ میں دو دن تک آپ کے لئے سخت پریشان رہی کہ خدا جانے اُس ظالم شخص نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ویٹنگ رُوم میں آپ کی آواز سنی تو میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ مجھے یہ سب کچھ سپنے کی طرح لگا۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ آپ سلامت ہیں۔ نجانے کیوں مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک کمزور لمحے نے ہمیں ملا دیا ہے۔''

''میں ایک معمہ حل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اسے تم حل کر دو......'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''کیسا معمہ......؟'' ناجیہ نے پلکیں جھپکائیں۔

''تم مجھے پہلی بار جزیرے پر ملیں تو میں نے تمہیں ایک حسین واہمہ سمجھا...... پھر تم مجھے

حسین رُوح لگیں...... پھر تم ایک عبادت گزار لڑکی کے رُوپ میں آئیں...... ایک سیدھی سادھی دقیانوسی لڑکی...... تم نے مجھے اپنے متعلق بتایا کہ تم ایک بے لوث قسم کی رضا کار لڑکی ہو۔ امدادی کاموں میں حصہ لیتی ہو۔ امدادی تنظیموں کے ساتھ مختلف شہروں میں جاتی ہو۔ تم سری لنکا جا رہی تھیں کہ جہاز پر بردہ فروشوں کے طیارے نے حملہ کر دیا...... لیکن جب لانچ چٹاگانگ کی سمندری حدود میں داخل ہوئی تو تم نے رامو اور بدمعاشوں کی جوڈو کراٹے سے پٹائی کر دی اور ایک پیراک لڑکی کی طرح چھلانگ لگا دی۔ پھر تم تیرتی ہوئی کنارے تک پہنچیں۔ بدمعاشوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو اُن کی طبیعت صاف کر دی...... آخر تم کیا چیز ہو؟''

''اصل بات یہ ہے کہ ایسی نوجوان لڑکیوں کو جو امدادی کاموں میں حصہ لیتی ہیں، اُنہیں جوڈو کراٹے کی خصوصی تربیت دی جاتی ہے تاکہ کوئی مرد اُنہیں کمزور سمجھ کر اُن سے فائدہ نہ اُٹھائے۔ تیرنا تو ہر بنگالی لڑکی جانتی ہے۔ لیکن پیراکی کا سیکھنا اور بات ہے۔ پیراکی کی تربیت اس لئے دی جاتی ہے کہ ڈوبتے ہوئے کو بچایا جائے۔ پانی کی تہہ میں سے لاشیں نکال کر لائی جائیں۔ اس کے علاوہ پستول چلانے کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔ اتفاق سے میں بھی ان تمام امور میں مہارت رکھتی ہوں۔ یہ ہے میری ذات کا معمہ......''

''تم ایک غیر معمولی، پراسرار، ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہو......'' میں نے اُسے پُرستائش نظروں سے دیکھا۔

''اچھا اب آپ اپنا احوال سنائیں؟'' وہ دلکش انداز سے مسکرائی۔

جب میں نے اُسے تفصیل سے پیش آنے والے واقعات سنائے تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آپ کو کوڑے مارے گئے......؟''

''اگر بیلا ذہانت سے کام نہ لیتی تو خدا جانے میرا کیا حشر ہوتا...... اب جبکہ تم مجھے مل گئی ہو تو میں چاہتا ہوں کہ کاکا میاں کے گروہ کا قلع قمع کر دُوں...... کیا تم میرا ساتھ دو گی؟''

''میری جان بھی حاضر ہے۔'' ناجیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں آج کی رات جانو کے ہاں جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں اُس سے سونا میاں کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ انسپکٹر عبدالواحد کہتے ہیں کہ قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا

چاہئے...... مجھے اس سے انکار نہیں۔ اس ظالم اور خبیث نے سونا میاں کو جس بے رحمی اور شقاوت سے قتل کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ عدالت اُسے زیادہ سے زیادہ عمر قید یا پھانسی کی سزا دیدے گی۔ لیکن وہ اس درد، تکلیف اور اذیت سے بچ جائے گا جو سونا میاں نے اُٹھائی تھی۔ میں نے سونا میاں کی لاش پر انتقام لینے کا عہد کیا تھا، اسے پورا کر کے رہوں گا۔ یہ بات تمہیں انسپکٹر عبدالواحد کو بتانے کی ضرورت نہیں۔''

□......□
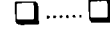
جانو کی رہائش کے بارے میں مجھے معلوم تھا۔ ستیہ پال لین کے اس حصے میں جہاں تالاب تھا وہاں اُس کا ایک قدیم طرز کا مکان تھا جو اُس نے غنڈہ گردی کر کے قبضہ کیا ہوا تھا۔ یہ مکان آبادی سے قدرے ہٹ کر واقع تھا۔ درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس پر ویرانی اور مردنی برستی رہتی تھی اور ایک گہرا سناٹا طاری رہتا تھا۔ اُس نے اس مکان کو عشرت کدہ بنایا ہوا تھا۔

میں بازار کے بیچوں بیچ رکشہ سے اُتر کر اُس کے گھر کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔ جب میں اُس کے مکان کے دروازے پر پہنچ کر رُکا تو میں نے ایک عورت کی آواز سنی جو گڑگڑا رہی تھی۔

''خدا کے لئے میری معصوم بچی پر رحم کرو...... میں نے صرف سو ٹا کا تو قرض لیا ہے......اس کے عوض اس کی عزت تو خراب نہ کرو۔''

''او تو جاتی ہے کہ نہیں......'' جانو دھاڑا۔ ''یہ صبح آ جائے گی۔ چل نکل یہاں سے......''

میں نے دروازے پر ایک لات رسید کی تو وہ دھڑام سے کھل گیا۔ سامنے کمرہ تھا۔ بستر پر جانو بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ ایک بوڑھی عورت فرش پر بیٹھی اُس کے پیر پکڑ کر منت سماجت کر رہی تھی۔ پندرہ برس کی ایک لڑکی کونے میں کھڑی زار و قطار رو رہی تھی۔ ان تینوں نے میری طرف دیکھا۔ جانو کو حیرت ہوئی تھی کہ یہ کس کی مجال ہے کہ اس کے گھر میں بلا اجازت گھس آئے۔ دوسرے لمحے اُس کا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔

میں چونکہ میک اپ میں تھا، بہروپ بھرا ہوا تھا اس لئے وہ مجھے پہچان نہ سکا۔ میں نے اپنی جیب سے سو ٹا کا کا ایک نوٹ نکال کر عورت کی طرف بڑھایا، پھر آواز بدل کر کہا۔

''یہ نوٹ اس گدھے کے منہ پر دے مارو اور بچی کو لے کر نکل جاؤ......!''

عورت نے میرے ہاتھ سے نوٹ لے کر جانو کی طرف بڑھایا تو جانو شراب کا گلاس میز پر رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اُس نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تو کون ہے......؟''

''تیرا باپ......'' میں نے جواب دیا۔ پھر عورت سے کہا۔ ''تم اپنی بیٹی کو لے کر نکلو یہاں سے......''

''نہیں...... یہ لڑکی نہیں جائے گی......'' جانو نے لڑکی کا بازو پکڑ لیا۔

میں نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے اُس کے منہ پر ایک مُکا رسید کیا تو وہ اُلٹ کر بستر پر جا گرا۔ اُس کے سنبھلنے سے پہلے میں نے ماں بیٹی کو کمرے سے نکال دیا۔

''چلو بھاگو......!''

وہ تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے جیسے میری آواز پہچان لی۔ ''تم......؟''

''ہاں میں......'' میں نے داڑھی مونچھیں نکال کر جیب میں رکھ لیں۔ پھر دوسری جیب سے چاقو نکال لیا۔ ''میری جان! میں تم سے سونا میاں کا حساب بے باق کرنے آیا ہوں۔ تمہیں بھی اسی طرح قتل کروں گا جس طرح تم نے سونا میاں کو قتل کیا تھا۔''

پھر میں نے پوری قوت سے اُس کے سینے پر لات ماری تو وہ بستر پر گر گیا۔ اُس نے اپنا سینہ دبا لیا۔ وہ اُٹھنے لگا تو میں نے ایک اور لات اُس کے منہ پر دے ماری۔ وہ دہرا ہو گیا۔ اُس کے منہ سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔

''ابھی تو میری لاتیں کھا رہے ہو......'' میں نے نفرت اور حقارت سے کہا۔ ''ابھی مجھے تمہارے جسم پر چاقو سے بہت سارے شگاف ڈالنے ہیں......اس کے بعد میں تمہیں اس طرح سے ذبح کروں گا کہ جس طرح تم نے بے گناہوں کو ذبح کیا۔ تاکہ تمہیں اندازہ ہو سکے کہ کیا تکلیف ہوتی ہے......''

جانو تاک میں تھا کہ اُسے ایک پل کی مہلت ملے تو مجھ پر جھپٹ پڑے۔ میں نے اُس کے منہ پر تھوک دیا تاکہ وہ اور مشتعل ہو جائے۔ آج تک کسی نے اُس کے منہ پر تھوکا نہیں ہوگا۔ اگر میں اُس کے قابو میں آ جاتا تو وہ مجھے ذبح کر کے رکھ دیتا، وہ اپنی بے بسی پر کڑھ رہا تھا۔

''جانو! میں نے اُسی روز دیکھ لیا تھا کہ تم میں کتنی مردانگی ہے......تم میں اور گیدڑ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن میں تمہیں یکطرفہ مقابلہ کر کے ہلاک نہیں کروں گا۔ میں ایک

چاقو لے کر آیا ہوں جس کا پھل زہر میں بجھا ہوا ہے۔ ایک ایسا ہی چاقو تمہارے پاس بھی ہر وقت ہوتا ہے۔ یہ لو...... میدان میں آ جاؤ!''

میں نے چاقو بستر پر ڈال دیا۔ جانو نے اس تیزی سے گھوم کر مجھ پر حملہ کیا کہ مجھے حیران ہونے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ وہ میری لاتیں کھا کر جس تکلیف اور درد سے کراہ رہا تھا، اس سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ادھ موا ہو گیا ہے۔ شاید شراب نے اُس میں برداشت کی قوت پیدا کر دی تھی۔ اگر میری جگہ کوئی تجربہ کار سیکرٹ ایجنٹ یا کمانڈو ہوتا تو وہ بھی سنبھل نہ پاتا۔ اگرچہ میری خداداد صلاحیت آج تک میری زندگی کی ضامن رہی تھی لیکن کبھی کبھی نصیب کی مہربانی بھی بچا لیتی ہے۔ دراصل میں نے اُسے اپنا چاقو دے دیا تھا۔ پستول میری جیب میں تھا۔ چاقو میرے جسم سے مس ہونے کی بجائے کپڑے کے اُوپر سے گزرا، پھر پستول کے دستے سے ٹکرایا۔ میں پلک جھپکتے میں اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور ایک خود کار عمل کے ذریعے میرے ہاتھوں نے پستول کو جیب سے نکالا اور نشانہ لیا۔ میں نے فائر کر دیا۔ مگر گولی چلنے کی بجائے خالی ٹریگر دبنے کی آواز بہت ہلکی سی تھی۔ میں نے پھر کوشش کی، کلچ کلچ کلچ...... پستول خالی تھا۔ مجھے اس پل یاد آیا کہ میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنا بھرا ہوا پستول ناجیہ کو دے دیا تھا۔ یہ پستول جو میں لایا تھا، اسے لوڈ کرنا یاد نہیں رہا تھا۔ جب میں نے اُسے کسی بھوکے شیر کی طرح چھلانگ لگاتے دیکھا تو پستول اُس پر کھینچ مارا۔ اُس نے اپنے سینے پر پستول کی ضرب کو جھیل لیا۔ پھر ایک جھٹکا لے کر زیادہ خونخوار ہو گیا۔

میں نتائج پر غور کیے بغیر غوطہ مار گیا۔ میرے ہاتھوں نے اپنے ہی زور پر آگے جاتے ہوئے جانو کو زمین سے اُٹھا کر آگے دھکیل دیا۔ وہ بے قابو ہو جانے والے جہاز کی طرح دیوار سے ٹکرایا اور نیچے گرا۔ اس کے بعد وہ فیصلہ کن لمحہ آ گیا جب جدوجہد ختم ہو جاتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ جانو کے وزن کے نیچے آ کر زہر آلود چاقو کا پھل اُس کے جسم میں اُتر گیا ہے۔ وہ تشنج کی کیفیت میں بل کھاتا رہا، لوٹتا رہا اور خلاء میں سہاروں کی جستجو کرنے والے کی طرح ہاتھ پیر چلاتا رہا۔ تین منٹ کے بعد اُس کا کرب تمام ہو گیا اور بے جان آنکھیں چھت پر مرتکز ہو کر ٹھہر گئیں۔

میرے لئے یہ تجربہ منفرد تھا۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ جانو اس قدر خطرناک ہونے کے علاوہ ذہین بھی تھا۔ اُس نے بڑی عیاری سے مجھے اعتماد میں لے کر میرا غلبہ تسلیم کرنے

کے بعد، شدید زخمی ہو کر بھی اچانک وار کیا تھا۔ مجھے اس بات کا افسوس ہوا تھا کہ میں اُس کے جسم میں شگاف نہ ڈال سکا۔ وہ میرے ہاتھوں قتل نہ ہو سکا۔ اپنی موت آپ مر گیا تھا۔ دوسری طرف خوشی اس بات کی تھی کہ کاکامیاں کا دایاں بازو کٹ گیا تھا۔

میں نے پھر سے داڑھی اور مونچھیں لگالیں۔ چوراہے سے ایک ٹیکسی لے کر جانو کے گھر پر آیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ ڈگی کھول دے۔ پھر اُسے ایک دس ٹاکا کا نوٹ دے کر کہا کہ وہ سگریٹ خرید لائے، اتنی دیر میں سامان رکھ دُوں گا۔ جب وہ سگریٹ لانے چلا گیا تو میں نے جانو کی لاش ڈگی میں رکھ دی۔ میں پہلے ہی کاغذ پر سرپرائز لکھ کر لایا تھا، اُس کے نیچے لکھا۔ از طرف ایک غدار۔ اس کاغذ کو جانو کی قمیض میں پن کر دیا۔ پھر ڈگی بند کر دی۔ جب ڈرائیور آیا تو میں اُس میں سوار ہو گیا۔ جوبلی روڈ پر اُتر کر میں نے اُس کی طرف سو ٹاکا کا نوٹ بڑھایا۔ اُسے کاکامیاں کا پتہ سمجھایا، اُس سے کہا کہ وہ ڈگی کا سامان وہاں کسی کے حوالے کر دے۔

پھر میں آٹو رکشہ سے کاکامیاں کی کوٹھی سے خاصے فاصلے پر پہنچ گیا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد اُس ٹیکسی کی واپسی ہوئی۔ ڈرائیور بہت خوفزدہ اور پریشان تھا۔ جانو کی لاش وصول کر لی گئی تھی۔ میں نے دُور سے اُس کی لاش کو ڈگی سے نکال کر اندر لے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

میں نے جانو کی لاش کو بڑی مہارت سے کاکامیاں کے اڈے پر پہنچا دیا تھا۔ اُس کی موت حادثاتی تھی۔ مجھے اس بات کا ساری زندگی افسوس رہے گا کہ میں اُس کے جسم میں چاقو سے شگاف نہ ڈال سکا۔ وہ میرے ہاتھوں نہیں مرا۔ لیکن کاکامیاں نے یہی سمجھا ہو گا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے۔

جلتی پر تیل کام کر گیا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے میرے مکان کو اُس کے آدمیوں نے نذر آتش کر دیا تھا۔ اُسے اندازہ نہ تھا کہ میں اُس کے لئے اس قدر خطرناک ثابت ہوں گا۔ میں پہلے بھی اس لئے اس کے لئے خطرہ تھا کہ اُس کے تمام آدمیوں، ٹھکانوں اور سرگرمیوں سے واقف تھا۔ میں نے انسپکٹر عبدالواحد کو سارے بدمعاشوں کے ناموں کی فہرست، ٹھکانوں کے پتے، اُن کے خفیہ اڈوں کے پتے جو صرف چند ایک بدمعاشوں کے علم میں تھے، دے دیئے تھے۔ ان اڈوں میں منشیات اور ناجائز اسلحہ کا ذخیرہ موجود تھا۔ انسپکٹر عبدالواحد صرف ایک اڈے پر چھاپہ مار کر دس کلو ہیروئن برآمد کر سکے تھے اور بیس

آدمیوں کو گرفتار کیا تھا۔ نقشہ اور پتہ دینے کے باوجود اُن کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکی تھی اور سرچ وارنٹ اس لئے نہیں مل سکا تھا کہ وہ انتہائی طاقتور اور با اثر لوگوں کی رہائش تھی۔

انسپکٹر عبدالواحد نے اُس حوالدار کو جس نے میرے خلاف کاکا میاں سے مخبری کی تھی حوالات میں بند کر دیا۔ کاکا میاں نے میرے مکان کو آگ نہیں لگائی تھی بلکہ میرے وجود کو آگ لگائی تھی۔ یہ مکان سونا میاں کی نشانی تھی۔ میں نے کاکا میاں کے خلاف ایک منصوبہ بنا کر انسپکٹر عبدالواحد کو پیش کیا۔ اُنہیں اس بات پر قائل کیا کہ کامیابی کی شرط یہ ہے کہ وہ وسائل اور اختیارات کے جائز و ناجائز استعمال کو نہ دیکھیں۔

میں نے کچھ پیشہ ور بدمعاشوں کی مدد سے ڈاکوؤں کی طرح ان لوگوں کی رہائش گاہ پر ڈکیتی کی وارداتیں کیں جہاں منشیات اور اسلحہ کا ذخیرہ تھا۔ کاکا میاں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ وہاں سے تمام مال ہٹا دیا گیا تھا۔ وہاں سے ہمیں بڑی بڑی رقمیں اور زیورات ہاتھ لگے تھے۔ اُس نے اپنے تمام اڈوں سے سارا مال ہٹا دیا تھا۔ اب وہاں اناج کا ذخیرہ تھا۔ کاکا میاں کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ میں کوئی نہ کوئی قدم اُٹھا کر اُسے پھنسا دوں گا۔

میں حیران تھا کہ کروڑوں کا مال گدھے کے سر سے سینگ کی طرح کہاں غائب ہو گیا؟ کاکا میاں نے اسے کہاں چھپا دیا؟ اس کا پتہ صابو لنگڑا سے چل سکتا تھا۔ صابو لنگڑا بہت کم اپنے گھر پر ہوتا تھا۔ وہ سہ پہر سے شام تک کرسچین کالونی میں جا کر جوا کھیلتا تھا۔ جوا اُس کی بہت بڑی کمزوری تھا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ اُس سے اُس کے گھر پر ملاقات ہو۔ ناجیہ نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔

صابو لنگڑا جس وقت جوا کھیل کر باہر آیا تو ناجیہ نے اُس کے پاس جا کر کہا۔ ''بھیا! میں کومیلا سے آ رہی ہوں۔ میں شام سے اپنی بڑی بہن کے گھر کا پتہ ڈھونڈ رہی ہوں۔ کیا تم مجھے اس پتے پر پہنچا سکتے ہو؟''

صابو لنگڑا نے کب اپنی زندگی میں ایسی حسین و جمیل اور نوجوان لڑکی دیکھی تھی۔ اُس کی نیت میں فتور آ گیا۔ یہ فطری امر تھا۔ اُس نے ناجیہ کے ہاتھ سے چٹ لے کر پتہ پڑھا اور اُس سے کہا کہ وہ اُس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ جائے۔

جب صابو لنگڑا ناجیہ کو لے کر اپنے مکان پر پہنچا تو میری جان میں جان آئی۔ میں اُس کے مکان کے ایک کمرے میں چھپا ہوا تھا۔ اُس نے ناجیہ کو مکان کے اندر لا کر فاتحانہ

نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''تمہیں صبح پہنچا دوں گا۔ تم آج کی رات میری مہمان ہو...... میں تمہاری میزبانی کروں گا۔''

''نہیں...... نہیں...... مجھے جانے دو...... میں ایک شریف لڑکی ہوں۔'' ناجیہ نے بوکھلانے کی اداکاری کی۔

''میں بھی ایک شریف آدمی ہوں۔'' وہ ناجیہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

''صابو لنگڑا! رُک جاؤ......'' میں نے اندر کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

صابو لنگڑا رُک گیا۔ اُس نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ وہ ناجیہ سے کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ اُس کی آواز یکلخت بند ہو گئی۔ یوں جیسے کسی نے والیوم کا بٹن دبا کر اسپیکر کا گلا گھونٹ دیا ہو۔

میں نے حیرت میں ضائع ہو جانے والے اس لمحے سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ میرے ہاتھ نے اُس کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جو چاقو نکالنا چاہتا تھا۔ میرے ریوالور کے دستے کا ایک وار کلائی پر سے ہاتھ توڑنے کے لئے کافی ثابت ہوا۔ صابو لنگڑا تکلیف سے چلایا اور میں نے پوری قوت سے اُس کے پیٹ میں گھٹنا دے مارا۔ وہ بلبلا کر دہرا ہوا تو میں نے اُسے گردن سے پکڑ کر دیوار پر دے مارا۔

''کاکا میاں نے منشیات اور تمام اسلحہ کہاں منتقل کر دیا ہے؟'' میں نے اُس کا ٹینٹوا دبا کے کہا اور گھٹنے سے دیوار کے ساتھ لگائے رکھا۔ ''دس کی گنتی تک بتا دو صابو لنگڑا...... ورنہ میں تمہارے گلے میں سوراخ کر دوں گا۔''

''تمام اسلحہ اور منشیات دو بڑی لانچوں اور دو ہیلی کاپٹروں سے آج صبح اُس جزیرے پر لے جایا گیا ہے جہاں تم روپوش تھے۔ ان کی مالیت ایک ارب چالیس کروڑ ہے۔ اب یہاں ہزار ٹاکا کا مال بھی نہیں رہا ہے۔'' اُس نے کراہتے ہوئے بتایا۔

میں نے اُس کے سر پر ریوالور کا دستہ دے مارا۔ خون کا ایک فوارہ اُبلا اور صابو لنگڑا ایک لاش کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر ہم اُسے ایک ٹیکسی میں ڈال کر پولیس اسٹیشن پہنچے۔

دوسرے دن صبح نیوی کی ایک انتہائی تیز ترین جنگی لانچ میں فوج اور پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ میں اور انسپکٹر عبدالواحد اُس جزیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ نیوی کے

ایک اعلیٰ افسر نے اس جزیرے کے خالی ہونے کے بارے میں بتایا کہ یہ بنگلہ دیش اور سری لنکا کی سرحد کے درمیان واقع ہے۔ چھ ماہ پیشتر سری لنکا اور تامل ٹائیگرز کے درمیان جھڑپ ہوئی تو یہ جزیرہ خالی ہوگیا۔ یہ جزیرہ بنگلہ دیش حکومت کی ملکیت ہے۔ بنگلہ دیش حکومت کے احتجاج کے بعد دونوں فریقوں میں کچھ دن پہلے اس پر قبضہ کرنے کے لئے جھڑپ ہوئی تھی۔ بنگلہ دیش کے سخت انتباہ کے باعث دونوں فریقوں نے دوبارہ جرأت نہیں کی۔ ان فریقوں کے لئے یہ جزیرہ فوجی نوعیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ہمیں اُس جزیرے پر پہنچنے کے بعد کاکا میاں کے آدمیوں سے معرکہ آرائی کر کے مال پر قبضہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ دونوں لانچیں اور ہیلی کاپٹرز سری لنکا یا تامل ٹائیگرز کے طیاروں کی بمباری کا نشانہ بن گئے تھے۔ اُن کے پرخچے سمندر میں انسانی لاشوں کے ساتھ تیر رہے تھے۔ بہت سارا اسلحہ اور منشیات کی پیٹیاں بھی دُور دُور تک بکھری اور تیرتی نظر آئیں۔ یہ واقعہ چند گھنٹوں پہلے کا معلوم ہوتا تھا۔ کاکا میاں نے راتوں رات جس طرح اربوں کا مال کمایا تھا، وہ اسی طرح ایک رات میں تباہ ہوگیا تھا۔ نیوی کے ایک افسر کے اندازے کے مطابق اُسے تی...ارب کا نقصان پہنچا تھا۔

□......□

کاکا میاں نے پورے بنگلہ دیش میں اپنی خونریزی و دہشت گردی سے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ اُس نے جو کچھ کیا تھا، وہ دولت کے بل بوتے پر کیا تھا۔ اُسے ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ بیلا نے مجھے ٹیلیفون پر صرف اتنا بتایا تھا کہ کاکا میاں کی حالت ایک زخمی شیر کی سی ہے۔ اس تباہی کا سارا ذمہ دار وہ مجھے اور انسپکٹر عبدالواحد کو سمجھ رہا ہے۔ وہ یہاں سے جانے والا ہے کیونکہ اُس کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ جانے سے پہلے وہ تم دونوں کو موت کی نیند سلا کر جانا چاہتا ہے۔ اُس کے تقریباً چالیس آدمی تم دونوں کو اغواء کرنے کے لئے جال بچھا چکے ہیں۔ اب راموا پنے ساتھیوں کے ساتھ تم دونوں کی تلاش میں ہے۔

دوسرے دن میں، ناجیہ اور انسپکٹر عبدالواحد ساحل سمندر کے ایک ہوٹل میں ڈنر کے لئے پہنچے۔ میں نے اور ناجیہ نے بہروپ بھرا ہوا تھا۔ انسپکٹر عبدالواحد سادہ لباس میں تھے۔ اُنہوں نے اپنا حلیہ قدرے بدل لیا تھا۔ رامو نے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں آکر تاریک گوشے کی میز پر بیٹھا تھا، بدلے ہوئے حلیے میں بھی ہمیں شناخت کرلیا تھا۔

جب ہم ڈنر سے فراغت پاکر پارکنگ لاٹ میں پہنچے تو دس بارہ بدمعاشوں نے ہمیں گھیر لیا...... ہمیں سنبھلنے کی مہلت نہیں ملی۔ ہمارے منہ پر کلوروفارم میں بھیگے ہوئے رُومال رکھ دیئے گئے...... آنکھ کھلی تو یہ ڈراؤنا خواب نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ ہم تینوں تہہ خانے میں تھے۔ مجھے اور انسپکٹر عبدالواحد کو ستونوں سے باندھا ہوا تھا۔ ناجیہ کرسی پر بہت غمگین اور خوفزدہ بیٹھی تھی۔ اس کمرے میں کل سات بدمعاش موجود تھے۔ اُن میں سے صرف تین مسلح تھے۔ رامو، ناجیہ کے پاس کھڑا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''میری جان! آخر تم مل گئیں نا......''

ناجیہ نے اُس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ میز پر میرے اور انسپکٹر عبدالواحد کے ریوالور رکھے ہوئے تھے۔ ہم دونوں بے بس تھے۔ چولہا جل رہا تھا۔ کڑاہی میں تیل گرم ہو رہا تھا اور اُس میں سے دُھواں اُٹھ رہا تھا...... رامو کے چہرے پر درندگی تھی۔ وہ مجھے ہوش میں دیکھ کر میرے پاس آیا۔ اُس نے میرے سر کے بال پکڑ لئے، میرا چہرہ اُوپر اُٹھا کر میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔ پھر اُس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

''میں دیکھتا ہوں آج تمہیں کون بچاتا ہے۔''

میں اُس سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اوپر والے زینے پر آہٹ ہوئی۔ کاکا میاں اپنے ہاتھ میں ایک بریف کیس لئے نمودار ہوا۔ اُس کے پیچھے بیلا اور ایک مسلح بدمعاش تھا۔ کاکا میاں، ناجیہ کو دیکھ کر اُس کے پاس چلا آیا۔

''واقعی تم بلا کی حسین ہو...... رامو نے تمہارے حسن کی بہت تعریف کی لیکن اُسے تعریف کرنا کہاں آتی ہے؟ وہ کوئی شاعر یا ادیب تھوڑی ہے...... میں نے آج تک تم جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی...... میں تم سے بعد میں پیار و محبت کی باتیں کروں گا۔''

اتنا کہہ کر وہ میرے پاس آیا۔ پھر اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''مجھے تمہارا سرپرائز مل گیا تھا...... اب سرپرائز دینے کی میری باری ہے...... اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کا سرپرائز زیادہ شاندار ہوگا۔''

''رامو!......'' کاکا میاں نے زہرناک لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ ''تم نے آج تک ایک سو بیس افراد کو قتل کیا ہے......؟ لوگ تمہارے نام سے کانپتے ہیں۔ اس غدار نے نہ صرف جانو کو قتل کیا بلکہ صابو لنگڑا کو قانون کے حوالے کر دیا۔ یہ اپنے آپ کو بڑا رستم سمجھتا ہے۔ میں اس غدار کو تمہارے ہاتھوں میں سونپ کر یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اسے کیسے سسکا

سکا کر ہلاک کرتے ہو۔ لیکن یہ کام تمہیں صرف اپنے ہاتھوں سے سرانجام دینا ہوگا۔ ہاں، تمہیں اس بات کی اجازت ہے کہ تم اس کا سر دیواروں سے ٹکرا سکتے ہو۔ بس! ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ اس کی آنکھوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ میں نزع کے عالم میں اس کی آنکھوں کی بے کسی اور بیچارگی دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر تم اسے اُٹھا کر اس کڑاہی میں ڈال کر فرائی کر لینا۔ میرے کتے انسان کا فرائی گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔''

کاکامیاں کے اشارے پر مجھے آزاد کر دیا گیا۔ میں نے رہا ہوتے ہی اپنے دونوں بازو جھٹکے اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا اور میں نہتا۔ راموکو گروہ میں چاقو زنی کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ وہ دیوہیکل اور مضبوط وتوانا شخص تھا۔ وہ کسی خونخوار چیتے کی طرح میری طرف بڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ...... اُس نے جیسے ہی مجھ پر حملہ کیا، میں برقی سرعت سے ایک طرف ہٹ گیا اور اُس کے کان پر اتنا بھرپور مُکا مارا کہ کان پھٹ گیا اور خون تیزی سے بہنے لگا۔ جب وہ پلٹ کر مجھ پر حملہ آور ہوا تو میں نے اُس کے خنجر والے ہاتھ پر اتنے زور سے لات ماری کہ خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کڑاہی میں جا گرا۔ وہ حیرت زدہ سا ہو کر دیکھ رہا تھا کہ میں نے فضا میں اُچھل کر دونوں ٹانگیں اُس کے سینے پر مار دیں۔ ضرب لگتے ہی وہ بری طرح ڈگمگایا۔ میں بھی فرش پر گر گیا تھا۔ میں پھرتی سے اُٹھا اور اُس کی کنپٹی پر جوتے کی ضرب لگائی۔ وہ اپنا سر پکڑ کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ کاکامیاں نے اُسے نفرت اور غصے سے دیکھ کر کہا۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم نے ایک سو بیس افراد کو کیسے قتل کیا؟ تم نے شاید بیس مرغیوں کو بھی ذبح نہیں کیا ہوگا......!''

پھر میں راموکے پاس دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے اُس کے سر کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ کر زور زور سے زمین پر مارنا شروع کیا۔ آوازیں خاصی دہشت ناک تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی فرش پر بھاری پتھر لڑھکا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر کاکامیاں ہیجانی لہجے میں چیخا۔

''بند کرو...... چھوڑ دو اسے۔''

پھر میں اُسے چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے ایک بدمعاش زینے سے دوڑا ہوا آیا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ حد درجہ خائف اور سراسیمہ تھا۔

''باس......! باس......! پولیس چاروں طرف سے کوٹھی کو گھیر رہی ہے۔ پولیس کمشنر اور ایس پی اور کوئی تین چار سو پولیس کے آدمی ہیں۔''

کاکامیاں یہ سن کر ذرا بھی خائف اور پریشان نہیں ہوا۔ اُس نے متعجب لہجے میں کہا۔

''پولیس کو کیسے خبر ہو گئی؟ خیر کوئی بات نہیں...... میں پولیس کے ہاتھ آنے سے رہا...... زمین دوز راستے سے نکل جاؤں گا...... بیلا! تم جا کر پولیس والوں کو صرف بیس منٹ تک روک لو! تاکہ میں اس ڈرامے کا ڈراپ سین کر لوں...... جاؤ، جلدی کرو......''

بیلا چلی گئی تو کاکامیاں نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''سب سے پہلے اس انسپکٹر کی مشکیں کھول کر اسے کڑاہی میں ڈال دو!''

''نہیں...... کاکامیاں...... تم ایسا نہیں کر سکتے...... میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔'' میں نے پُر ہیجان لہجے میں کہا۔

''میں ایسا ضرور کروں گا...... اس کے بعد تمہارا نمبر ہے...... تم لوگ شکل کیا دیکھ رہے ہو......؟'' کاکامیاں اپنے آدمیوں کو دیکھ کر دھاڑا۔

دو مسلح بدمعاشوں نے مجھے نرغے میں لے لیا۔ ایک نے میرے عقب میں میری گدی پر بندوق کی نال رکھ دی، دوسرے نے میرے گلے کے نیچے...... اس طرح دو بدمعاشوں نے انسپکٹر عبدالواحد کو نرغے میں لے لیا۔ دو بدمعاشوں نے اُس کی مشکیں کھول دیں۔

''پلیز! اتنی بڑی سزا نہ دو......'' ناجیہ نے اچانک ہذیانی لہجے میں کہا۔

''ان دونوں نے مجھے تباہ کر دیا اور میں انہیں معاف کر دوں؟...... ہرگز نہیں...... میں نے اپنے آپ کو معاف نہیں کیا، انہیں کیسے معاف کروں گا...... تم دونوں تماشہ کیا دیکھ رہے ہو...... چلو...... اسے جلدی سے اُٹھا کر کڑاہی میں ڈال دو۔ میں اسے اپنی آنکھوں سے فرائی ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' وہ چلانے لگا۔

دونوں بدمعاش انہیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کڑاہی کی طرف لے جانے لگے تو وہ مزاحمت کرنے لگے۔ کاکامیاں نے ایک بدمعاش سے بندوق لے کر انسپکٹر عبدالواحد کے سر پر کندا دے مارا تو وہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر اُن دونوں نے انسپکٹر عبدالواحد کو ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ میں اس قدر بے بس تھا کہ ان کی مدد کرنے سے قاصر تھا۔

میں نے ناجیہ کی طرف دیکھا۔ شاید وہ اپنے جوڈو کراٹے کے فن کا مظاہرہ کر کے انسپکٹر عبدالواحد کو اور مجھے بچا لے۔ ان کے بعد میری باری تھی۔ لیکن ناجیہ اس پوزیشن میں نہ تھی۔ بدمعاش ایک دو نہیں پانچ چھ تھے۔ اور مسلح بھی تھے۔ دو ایک ہوتے تو شاید وہ ان پر بل پڑتی۔ میں کاکامیاں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

''رُک جاؤ...... انہیں منع کرو...... میں تمہیں قانون کے ہاتھوں سے بچالوں گا...... فرار کرادُوں گا۔''

کاکا میاں قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں نے کچی گولیاں کھیلی ہیں؟ مجھے کوئی گرفتار نہیں کرسکتا...... تمہیں اور اس انسپکٹر کو کوئی نہیں بچاسکتا......''

وہ دونوں بدمعاش انسپکٹر کو اُٹھا کر کڑاہی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ وہ اس میں انسپکٹر کو پھینکنے والے تھے کہ انسپکٹر ایک بدمعاش کے ہاتھوں سے فرش پر گر پڑے۔ اس بدمعاش نے ایک چیخ ماری۔ پھر وہ اُچھل کر فرش پر گر پڑا۔ اُس نے اپنی ٹانگ پکڑ لی۔ ایک گولی اُس کی پنڈلی پر آ کر لگی تھی اور وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

یہ گولی ناجیہ نے چلائی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تڑپ رہا تھا۔ یہ ریوالور اُس کا اپنا تھا جو اُس نے اپنی دائیں پنڈلی پر باندھا ہوا تھا۔ میرے اور انسپکٹر کے ریوالور میز پر رکھے ہوئے تھے۔ پھر اُس نے دوسری گولی اس بدمعاش پر چلا دی جو میری پشت پر بندوق کی نال رکھے کھڑا ہوا تھا۔ گولی اُس کے شانے پر لگی تو بندوق پر اُس کی گرفت کمزور ہوگئی اور وہ دہرا ہوگیا۔ میں نے اُس بدمعاش کی بندوق کی نال پکڑ لی اور ایک جھٹکے سے بندوق چھین لی۔ لیکن تین بدمعاشوں نے ہم پر بندوقیں تان لیں۔ کاکا میاں اُن کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ مجھے اور ناجیہ کو بندوق اور ریوالور پھینکنا پڑا۔

''پہلے اس لڑکی کو کڑاہی میں ڈال دو......'' کاکا میاں غرایا۔ ''یہ کمینی زہریلی ناگن ہے۔''

دوسرے دو بدمعاش جو غیر مسلح تھے، وہ ناجیہ کی طرف بڑھے، پھر اُسے گھسیٹتے ہوئے کڑاہی کی طرف لے کر بڑھے۔ اسی لمحے بیلا ایک کلاشنکوف لئے نمودار ہوئی۔ وہ ہذیانی لہجے میں چیخی۔ ''اسے چھوڑ دو......!''

کاکا میاں اور ان بدمعاشوں نے رُک کر بیلا کی طرف حیرت سے دیکھا۔ کاکا میاں نے پوچھا۔

''وہ کس لیے؟''

بیلا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس نے ناجیہ سے کہا۔ ''تم انیس کے پاس جا کر کھڑی ہو جاؤ!'' ناجیہ اپنا بازو چھڑا کر میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ بیلا کلاشنکوف کی زد میں کاکا میاں اور بدمعاشوں کو لے کر تحکمانہ لہجے میں بولی۔

''اپنی اپنی بندوقیں پھینک دو...... جلدی کرو......!''

مسلح بدمعاشوں نے اپنی بندوقیں پھینک دیں۔ پھر وہ کاکا میاں کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تو اُس کی آنکھوں میں ایک وحشی قاتل کی سی درندگی جھانک رہی تھی۔ پھر اُس نے تین بدمعاشوں سے سرد سفاک لہجے میں کہا۔

''کاکا میاں کو اُٹھا کر کڑاہی میں ڈال دو......!''

کاکا میاں اُچھل پڑا۔ اُس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ ''بیلا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟ ہوش میں تو ہو......؟''

اُس نے کاکا میاں کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بدمعاشوں سے خشونت سے کہا۔

''تم نے سنا نہیں...... میں نے کیا کہا۔ اگر تم نے اسے کڑاہی میں نہیں ڈالا تو میں تم تینوں کو بھون دُوں گی......''

''بیلا......!'' میں بھونچکا سا ہوگیا۔ ''یہ تم کیا کررہی ہو......؟ ایسا ظلم نہ کرو!''

''میں بالکل ٹھیک کررہی ہوں...... اس ظالم نے سات مردوں کو کڑاہی میں ڈال کر انہیں تیل میں تل دیا تھا۔ کیا یہ بات تم بھول گئے...... ان میں میرا ایک بھائی بھی تھا...... آج مجھے موقع ملا ہے کہ اپنے بھائی کا انتقام لوں...... مجھے مت روکو...... مجھے بدلہ لینے دو...... اور پھر اس نے میرے اور میری چھوٹی بہن کے ساتھ جو کچھ کیا، وہ بھی ناقابل معافی ہے۔''

میں نے بیلا کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کاکا میاں نے بھاگنے کی کوشش کی تو بدمعاشوں نے اُسے پکڑ لیا۔ پھر اُسے کڑاہی میں ڈال دیا...... جس میں تیل کھول رہا تھا۔ اُس کی دلخراش چیخوں نے سینہ شق کر دیا۔ ناجیہ بے ہوش ہوگئی۔ پھر بیلا پر جیسے پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔ وہ کڑاہی کے پاس جا کر برسٹ مارنے لگی......!

❑......❑

میں ناجیہ کو رخصت کرنے چٹاگانگ ایئرپورٹ پہنچا۔ میں نے پوچھا۔

''تم سے پھر کب ملاقات ہورہی ہے؟''

''جب اللہ نے چاہا......'' وہ شگفتگی سے بولی۔

''اللہ نے نہیں چاہا تو......؟''

''ہم کیا کرسکتے ہیں...... مشیت ایزدی میں ہم کیسے دخل دے سکتے ہیں؟''

''اگر میں تم سے ملنے آؤں تو تمہارے گھر والوں کو اعتراض تو نہیں ہوگا......؟''

''کیوں نہیں ہوگا......ضرور ہوگا۔''

''وہ کس لئے؟''

''اس لئے کہ آپ اکیلے آئیں گے۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ آپ بارات لے کر آئیں گے تو ہی آپ سے ملاقات ہو سکے گی۔ آپ کے ساتھ میں واپس بھی جا سکوں گی۔''

اتنا کہہ کر وہ گلابی ہوگئی۔

(ختم شد)